بانی
سہام مرزا

مُدیرِ اعلیٰ ______ منزہ سہام

مُدیر ______ رضوانہ پرنس / دانیال شمسی

منیجر مارکیٹنگ ______ زین العابدین

قانونی مُشیر ______ جی ایم بھٹو (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

انکم ٹیکس ایڈوائزر ______ مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

اکتوبر 2015ء
جلد:43☆شمارہ:10
قیمت:60روپے

خط وکتابت کا پتا

88-C II۔فرسٹ فلور۔خیابانِ

جامی کمرشل۔ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔فیز-7،کراچی

فون نمبر: 35893122 - 021-35893121

ای میل: pearlpublications@hotmail.com

☆منیجر سرکولیشن: محمد اقبال زمان ☆ عکاس: موسیٰ رضا/مرزا محمد یاسر
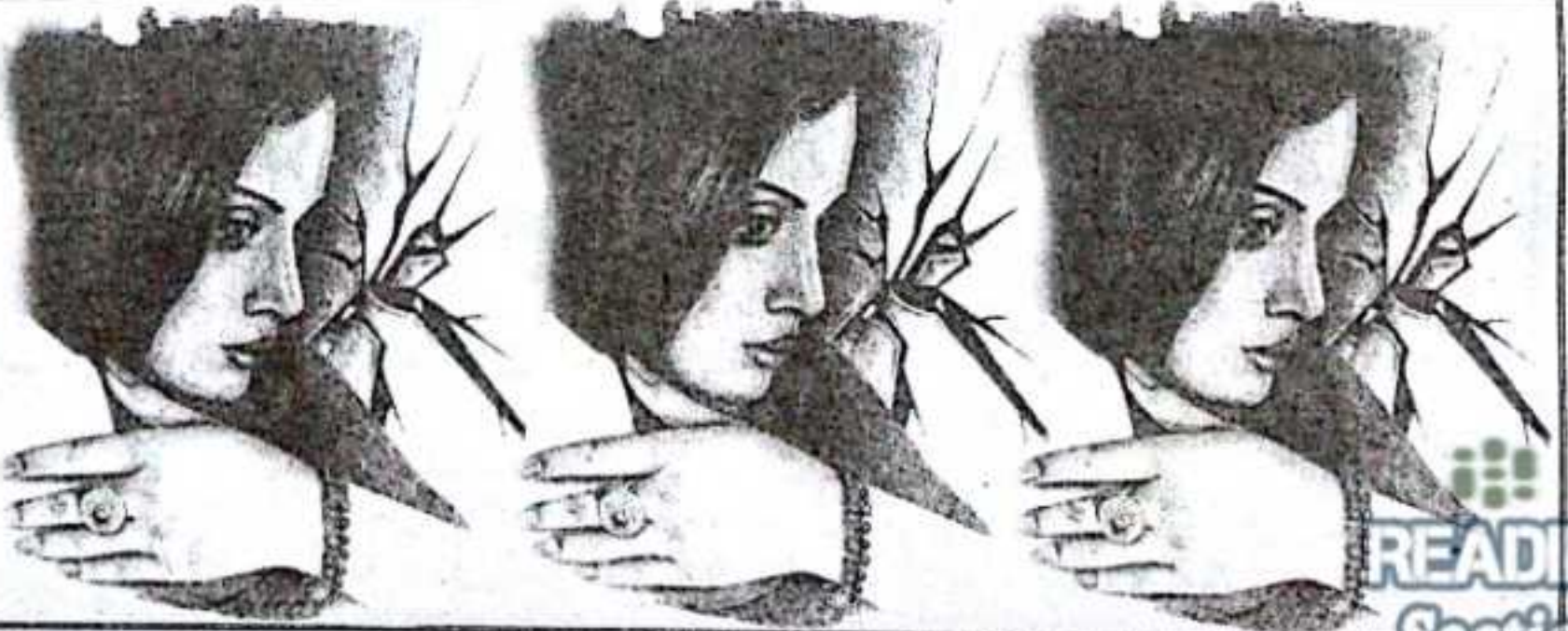
نمکین پانی — منزہ سہام — 07

محفل — رضوانہ پرنس — 09

باتیں ملاقاتیں

ارتج فاطمہ سے ... — ذیشان فراز — 24

فوادخان — مونی خان — 26

کپل شرما — ادارہ — 28

منی اسکرین — م ش خ — 31

لائف بوائے — اسماء اعوان — 34

ناول

دامِ دل — رفعت سراج — 35

تیرے عشق نچایا — بینا عالیہ — 53

مکمل ناول

رحمٰن، رحیم، سدا سائیں — امِ مریم — 79

ناولٹ

لمحوں نے خطا کی تھی — فوزیہ احسان رانا — 102

ناولٹ

مورے پیا — ارج گل رانا — 151

محبت درد دیتی ہے — نفیسہ سعید — 131
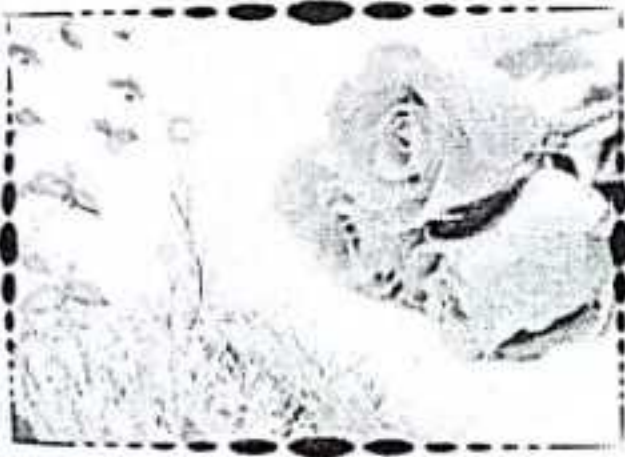
افسانے

عمودی چٹان نگہت اعظمی 185

چال ماہ وش طالب 198

افسانے

ایک ملاقات ندا حسین 214

کولہو کا بیل منزہ ہاشمی 222

نصیب کے مذاق تحسین انجم انصاری 228

بڑے وہ ہیں روبینہ شاہین 237

رنگ کائنات

مجھے کیا برا تھا مرنا صفیہ سلطانہ مغل 240

دوشیزہ میگزین

دوشیزہ گلستان اسماء اعوان 247

لولی وڈ، بولی وڈ ڈی خان 251

کچن کارنر نادیہ طارق 254

بیوٹی گائیڈ ڈاکٹر خرم مشیر 256

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)......890روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ......5000روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا......6000روپے

پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سٹی OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی

Phone : 021-35893121 - 35893122

Email : pearlpublications@hotmail.com

آپ بھی لکھاری بن سکتے ہیں!!

آیئے! دوشیزہ کے قلم قبیلے میں شامل ہو جایئے۔

یہ کارواں آپ کو خوش آمدید کہتا ہے...... خود کو منوایئے، اپنے قلم سے......!

اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے۔

اگر آپ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سفر کرتے ہوئے آس پاس کے مناظر آپ کو یاد رہتے ہیں۔

شاعری آپ کو اچھی لگتی ہے۔

تو پھر قلم اٹھایئے اور کسی عنوان کو کہانی یا افسانے

میں ڈھالنے کی صلاحیت کو آزمایئے۔

ماہنامہ دوشیزہ آپ کی تحریروں کو، آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔

ہوسکتا ہے عنقریب منعقد ہونے والی دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

تقریب میں آپ بھی ایوارڈ حاصل کریں۔

تحریر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:

88-C II ۔فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

ای میل: pearlpublications@hotmail.com

نمکین پانی

ناسا کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ مریخ پر بہتے ہوئے نمکین پانی کے شواہد موجود ہیں اور اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ زندگی کے آثار موجود ہوں...... یہ صدی کی بہت بڑی خبر ہے مگر اتنی بڑی خبر بھی مجھے خوشی نہ دے سکی...... دن بھر تو مصروفیات کی نظر ہو جاتا ہے مگر رات ہوتے ہی مجھے یہ سوچ کر خوف آنے لگتا ہے کہ یہ طویل سیاہ رات کیسے گزرے گی۔ آنکھیں بند کرتے ہی حلق میں کانٹے پڑنے لگتے ہیں...... دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ آنکھوں میں پانی ٹھہر سا جاتا ہے تب جلدی سے سرہانے رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگاتی ہوں اور ٹی وی آن کر کے جاننے کی کوشش کرتی ہوں کہ شاید...... شاید خوشی کی خبر **Breaking News** کی صورت میں چل رہی ہو کہ تمام لاپتا پاکستانی محفوظ ہیں...... اور جلد اپنے پیاروں سے ملنے والے ہیں...... مگر ایسا کچھ ٹی وی کی اسکرین پر نہیں۔ بس بلکتے لوگ، مچلتے لوگ، تڑپتے لوگ...... آنکھوں میں ٹھہرا پانی بہنے لگتا ہے بے بسی کی اذیت کیا ہوتی ہے ان چند دنوں میں بارہا محسوس کیا اپنوں سے بچھڑنے کا غم اور حکومتی سفا کی یہ سب دیکھ کر دل بیٹھنے لگتا ہے۔ میں سوچنے پر مجبور ہوں کہ ناسا والے اربوں ڈالرز خرچ کر کے مریخ پر بہتے ہوئے نمکین پانی کو تلاشنے کے لیے کیوں سرگرداں ہیں۔ وہ اس سے بہت کم خرچ کر کے صرف اپنے کیمروں کا رخ پاکستان کی جانب موڑ کر ایک تیر سے دو شکار کر سکتے ہیں...... بہتا ہوا نمکین پانی ہر آنکھ میں ملے گا اور ساتھ ساتھ ناپید ہوتی ہوئی انسانیت بھی......

منزہ سہام

قارئین کے نام کھلا خط

محترم قارئین!

''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کر دینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کما سکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کر دیے۔ مگر اب...... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کر جاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔

مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے...... آئیے اور اپنے باباجی کا ساتھ دیجیے......

ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم...... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت رابطوں کی دلفریب محفل

بہت پیارے دوستو!

آپ سب کو رضوانہ پرنس کا سلام قبول ہو۔ دیکھیے ہم نے اپنا وعدہ وفا کیا۔ آپ سب کے پاس واپس لوٹ آئے حالانکہ لندن کی حسین فضائیں اور اپنے پیاروں کی بے لوث محبت جیسے ہمارا دامن تھامے لے رہے تھے۔ لیکن ہمیں اپنی دوشیزہ کی ذمہ داری بھی تو نبھانی تھی اور پھر آپ جیسے پرخلوص دوست بھی ہمارا انتظار کر رہے تھے کسی شاعر نے کہا تھا کہ

بے فائدہ ہے زندگی میں احباب کا ہجوم
پرخلوص جو مل جائے تو اک شخص ہی بہت ہے

لیکن ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ ہماری اس محفل میں ایک نہیں بلکہ بہت سارے محبت وخلوص اور اپنائیت سے جگمگاتے ہوئے چہرے جیسے ہمیں یقین دلا رہے ہیں کہ دنیا ابھی محبت سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش وسلامت رکھے۔ ہمیں امید ہے آپ کا قلمی تعاون دوشیزہ کے معیار کو بہتر بنانے میں ہماری مدد کرے گا۔ اچھی اور معیاری تحریر کو ہم دل سے خوش آمدید کہیں گے تو آیئے دوستو۔ ہم چلتے ہیں محبت سے مہکتی ہوئی اپنی خوبصورت محفل کی طرف جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کا اپنا ہی ایک لطف ہے۔

✉: پیاری سی نگہت غفار کراچی سے لکھتی ہیں ڈیئر رضوانہ اس بار رسالہ ذرا دیر سے موصول ہوا لحاظہ مختصر تبصرہ حاضر ہے۔ پیاری فرینڈ زکیسی ہیں یاد کرنے کا شکریہ۔ پیاری مسز نوید آپ نے خط میں میرا ذکر کیا بہت نوازش۔ سلطانہ مغل کے بیٹے کی شادی کا احوال بہت خوبصورت تھا۔ کہانیوں میں بلندی پستی برآ گاہی گھنا سایہ عنبرین کی شادی پسند آئے۔ دوشیزہ گلستان میں معصومہ رضا، ریاض حسن، انزا نقوی، وقار قیوم کی تحریریں اچھی لگیں۔ نئے لہجے میں انزا نقوی، فصیحہ آصف، روبینہ شاہین، صائمہ بشیر کے لہجے اچھے تھے اللہ پاک دوشیزہ کی محفل کو ایسے ہی آباد رکھے۔

ﷺ: اچھی نگہت جی آئندہ ذرا جلدی آیئے گا اور ہاں ہماری پوری کوشش ہوگی کہ دوشیزہ وقت پر آپ کو مل جایا کرے۔

✉: جیکب آباد سے ہماری پیاری رائیٹر صفیہ مغل اپنے شوخ موڈ کے ساتھ محفل میں آئی ہیں۔

تمہارے بعد کسی بھی خوشی کے موقع پر
کبھی جو خود کو سنوار اتو آنکھ بھر آئی

السلام علیکم خوش رہیں آباد رہیں۔ پرچہ خلافِ معمول بہت تاخیر سے ملا ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔ بہر حال شرجیل اور ماروی کی شادی کا احوال اور اس کی تصاویر وغیرہ ایک یادگار کے طور پر بہت اچھا لگا، شرجیل اور ماروی کے لیے تو اعزاز ہے۔ شرجیل کو یہ شرف ہے کہ وہ انکل سہام مرزا، پرویز بھیا، سلیم فاروقی فریدہ مسرور، سیما غزل، اور ناصر رضا، منزہ سہام، ان سب سے مل چکا ہے سو وہ بھی آپ سب کا اور کاشی کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ خطوط، سب بہترین اور جامع تھے۔ جن احباب نے میری آمد کو خوش آمدید کہا ہے۔ ان کے لیے دل کا دالان مزید کشادہ اور دلکش ہو گیا ہے

آیا ہے کون کیوں یہ ہوا مشک بار ہے
موسم کا بھی مزاج بہت خوشگوار ہے

اب آیئے تبصرے کی جانب، لائف بوائے پر افسانہ کوئی بھی لکھ سکتا ہے یا یہ سہرا کسی ایک کے سر بندھا رہے گا۔

رفعت سراج، ڈیئر ناول کی رفتار تیز کرو، بہت سست خرامی سے آگے بڑھ رہا ہے مگر بہر حال کہانی بے حد جاندار اور دلچسپ ہے۔ روحیلہ خان، تھینک یو اللہ میاں اللہ کے حضور شکرانے پر بے حد خوبصورت افسانہ رہا۔ شمیم فضل خالق......اک معروف اور معتبر نام کیا تعریف کی جائے اور کیوں کر کی جائے۔ انسان سوچ کے زاویوں میں الجھ کر سلجھنے والی بیشتر تحریروں میں سے ایک عمدہ تحریر اس بار سب سے بہترین اور بے مثال افسانہ 'زمرتعیم' کا تھا بہت خوبصورت تحریر، الماس روحی، کا بڑے سرکار نے بھی متاثر کیا، مائی ڈیئر یہ دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے کیا المیہ ہے۔ حنا اشرف کا بحر آگہی بھی بہت اچھا اور دل گداز افسانہ تھا۔ ٹین ایج میں بالعموم لڑکوں کو اپنے سے بڑی خواتین، آپاؤں اور باجیوں سے محبت ہو جاتی ہے سو اس عمر میں خواتین کو بھی چاہیے کہ وہ بھی لڑکپن میں داخل ہونے والے ان لڑکوں سے بے حجابانہ بات نہ کریں۔ نزہت جی کا بھی افسانہ ایسا ہی تھا۔

اجلے اجلے خیالوں کی طرح ہوتا ہے
پیار شفاف اجالوں کی طرح ہوتا ہے

اس کے علاوہ تمام افسانے بہت اچھے رہے۔ ناول بھی خوب تھے۔ اللہ کرے دوشیزہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ اللہ پاک سب کو خوش خرم رکھے۔

ﮬ: صفیہ جی! آپ کے دل چسپ تبصرے نے ہماری محفل میں بڑی خوبصورت سی رونق بکھیر دی اور

ہاں جناب 'رنگ کائنات' میں رنگ بکھیرنے پر ہم سب کو مٹھائی کب کھلا رہی ہیں۔

✉ : زمر نعیم لاہور سے محفل میں شامل ہیں سویٹ ڈیئر رضوانہ پرنس صاحبہ السلام وعلیکم اللہ آپ سب پر ہمیشہ مہربان رہے۔آمین۔ رضوانہ جی! دل تو ہمیشہ دوشیزہ کی محفل میں رہنے کو مچلتا رہتا ہے بس کبھی کبھار مصروفیات زندگی آڑے آجاتی ہے اور میری حاضری محفل دوستاں میں نہیں ہو پاتی مگر نہ ہو کر بھی سب کی محبتیں، خلوص، پذیرائیاں، چاہتیں روح سے محسوس ہوتی ہیں یہ دل اور روح کے تعلق ہیں جو بندھنے کے بعد بھی کبھی نہیں ٹوٹتے بلکہ مزید مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں۔اس بات کی گواہی آپ بھی دیں گی اور دوشیزہ سے وابستہ ہر فرد۔سب سے پہلے تو میں شگفتہ شفیق کو کنزل کی رخصتی والے فرض سے سبکدوش ہونے پر مبارکباد دیتی ہوں اللہ تعالیٰ کنزل کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔رضیہ مہدی صاحبہ کی صحت یابی کے لیے ہمیشہ دعا کرتی ہوں۔اللہ ان کے قلم کی روانی و تابانی برقرار رکھے۔آمین ثم آمین۔فریدہ جاوید فری کی صحت یابی کی دعائیں بن کہے کرتی ہوں فریدہ جی دوستوں سے کہنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔نگہت اعظمٰی آپ بھی ہر لمحہ یادوں اور سوچوں کے علاوہ دعاؤں میں شامل رہتی ہیں۔صفیہ سلطانہ کو بیٹے کی شادی خانہ آبادی مبارک ہو۔بہت شرمندہ ہوں بروقت و بر موقع رابطہ نہ کر سکی۔نزہت جبیں ضیاء صاحبہ کو بھی اپنے فرض سے سبکدوشی کی مبارک ہو اور ان سب ہی ساتھی رائیٹرز کو اپنے اپنے ایوارڈ مبارک ہوں جن کی تحریریں اس سال منتخب ہوئی ہیں۔فصیحہ آصف کی تحریریں دوشیزہ ڈائجسٹ کے مخصوص رنگوں کو مزید نکھار دے رہی ہیں۔عید کے حوالے سے انکا افسانہ اچھا تھا۔نسیم نیازی کی با مقصد تحریر کہاں گم ہیں پلیز میرے ساتھ نسیم نیازی کو کوئی جھنجھوڑ کر جگائے اسے بتائیں اس کی نگاہ کتنی گہری اور مشاہدہ کتنا زیرک ہے۔باقی سب ہی نئے ساتھیوں کو میں دوشیزہ کے توسط سے خوش آمدید کہتی ہوں اور التماس ہے کہ میری تحریر پڑھ کر اپنی قیمتی رائے ضرور دیں اور سب ہی پرانے ساتھی لکھاری و قاری دونوں ہی۔دوشیزہ کے ستمبر کے شمارے میں موجود ناولٹ بہت بہترین موضوع پیش کرتے ہوئے دل میں اتر گئے۔حنا بشریٰ اور اُم مناہل مبارکبادی کی حقدار ہیں۔تحریر میں پختگی اور تسلسل یہ ظاہر کرتا ہے کہ آئندہ یہ دونوں لکھاری ساتھی دوشیزہ کی ہر دل عزیز لکھاری ہوں گی۔'دام دل' کے کیا کہنے رفعت سراج کے لکھے ہوئے حرف حرف میں تجربہ بولتا ہے مہارت و مشاہدہ ہر پہلو دلاویز ہے، بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے۔(ہمیشہ کی طرح) سب ہی افسانے اچھے لگے۔کاشی چوہان تم 'الوداع' کہہ کر دکھ دے رہے ہو تمہارے اداریے پڑھ کر ذہن و دل اور روح کو جو قرار ملتا تھا وہ سکون اور اطمینان اپنے ساتھ لے جاؤ گے کیا......؟ رضوانہ جی! بہت ساری باتیں، بہت سارے پیام دینے تھے مگر کیا کروں خط بروقت نہ پہنچنے کا احتمال بھی ہے منزہ، کیسی ہیں۔انہیں میرا سلام کہیے گا۔امید ہے انشاءاللہ رابطہ رہے گا میں اپنی کوئی تحریر بھی دوشیزہ کو ارسال کروں گی۔آپ سب بھی مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

ج: پیاری زمر! آپ کے محبت بھرے پیغامات سے مزین خط کا ہر لفظ پیار اور خلوص کی خوشبو سے مہک رہا ہے اور اسی بات پر ہو جائے ایک اچھا سا ناولٹ یا افسانہ......

✉ : اور ہماری اگلی مہمان کراچی سے فرحین اظفر ہیں میں پہلی بار دوشیزہ کے لیے اپنا افسانہ ارسال کر رہی ہوں گو کہ میری تحریریں دوسرے ڈائجسٹ میں چھپتی رہی ہیں اُمید ہے آپ کو میرا افسانہ پسند آئے گا اور آپ میری حوصلہ افزائی کریں گی میں آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔

ھ: اچھی فرحین! سب سے پہلے تو ہم سب آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں دوشیزہ نے ہمیشہ اچھی تحریروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ آپ کا افسانہ انشاء اللہ اگلے ماہ شامل اشاعت ہے۔

✉: ہمارے قبیلے میں حال ہی میں شامل ہونے والی نفیسہ سعید بھی پہلی بار محفل کی مہمان بنی ہیں رضوانہ جی! آپ کا فون پر بات کرنے کا انداز اور آپ کی محبت بہت اچھی لگی بات کر کے بالکل ایسا محسوس نہیں ہوا کہ میری یہ آپ سے پہلی سمعی ملاقات ہے سمعی اس لیے کہوں گی کہ ہمارا صرف آواز ہی کے ذریعے رابطہ ہوا، اب اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ بصری ملاقات بھی جلد ہوگی۔ ستمبر 2015 کا دوشیزہ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ میرے سامنے موجود ہے۔ سب سے پہلے اپنی قارئین بہنوں کے تبصرے پڑھے مہر النسا پر کیے جانے والے تمام تبصرے اچھے تھے جس کے لیے میں اپنی تمام بہنوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ ہمیشہ میری ہر کاوش پر اتنے ہی دل سے تبصرہ کریں گی کیونکہ آپ کا تبصرہ ہماری تحریر کو خاص بناتا ہے خاص طور پر شکریہ اپنے چھوٹے سے دوست منعم اصغر کا جو نہ صرف میری ہر تحریر پڑھتا ہے بلکہ ہمیشہ اچھی تعریفوں سے بھی میرا دل خوش کرتا ہے جیتے رہو منعم اصغر اور ہمیشہ اچھا لکھتے رہو میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کاشی بھائی کا اداریہ ہمیشہ کی طرح بہت بہترین تھا۔ ارے یاد آیا میں تو بھول گئی تھی ثمینہ عرفان کو جو یہ سمجھ کر بھی ’آٹو‘ کی اصطلاح رکشہ کے لیے ہے اپنے تبصرے میں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ جیسے یہ لفظ آٹو میرے ذہن کی اختراع ہے تو پیاری ثمینہ آپ نے ہوسکتا ہے سفید بال ہونے تک لفظ رکشہ ہی سنا ہو لیکن سوری میں نے آٹو سن رکھا ہے اور ضروری نہیں کہ جو لفظ آپ نے سنا ہو اس پر میرے لکھنے کی پابندی ہے میں جو بھی لکھتی ہوں بہت لوگوں کو دیکھ کر ان سے مل کر لکھتی ہوں اس لیے پلیز تحریر پر آپ تنقید کریں یقیناً مجھے اچھا لگے گا۔ لیکن آپ نے آج تک کیا سنا ہے اور مجھے کیا لکھنا چاہیے یہ میرا خیال ہے صرف اور صرف بلاوجہ کی تنقید ہے لہٰذا معذرت میں اپنے الفاظ لکھنے میں آزاد ہوں۔ پیاری سنبل انشاء اللہ بہت جلد میں آپ کو ایسا ناول دوں گی جو ساڈی چڑیاں دا چنبا کی یاد شاید آپ کے دلوں سے کچھ کم کرنے میں کامیاب ہو جائے ویسے مجھے آپ کا تبصرہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کو ابھی تک میرا وہ ناول یاد ہے جس کے لیے میں آپ کی دل سے مشکور ہوں اور ایک خاص بات اس دفعہ دوشیزہ میں صدف آصف کی کمی میں نے تو محسوس کی ہوسکتا ہے میری دوسری بہنوں نے بھی محسوس کی ہو۔ ہم دوشیزہ میں صدف آصف کو دیکھنے کے شاید عادی ہو چکے ہیں بہرحال اُم مریم اور فوزیہ احسان رانا بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں جن کا مقابلہ ہم رفعت سراج سے نہیں کر سکتے کیونکہ ہر لکھنے والے کی تحریر اس کے لیے سرمایہ حیات ہوتی ہے اور لکھتے لکھتے ہم یا آپ میں سے کوئی بھی رفعت سراج، بشریٰ رحمٰن، ممتاز مفتی یا اشفاق احمد کے درجے تک پہنچ سکتا ہے اور یہ بہت کمال کی بات ہے کہ کوئی خود سے دو جملے بھی لکھ سکے اس لیے صرف اتنا کہوں گی کہ جس نے بھی لکھا کمال لکھا اور قابل تحسین ہوتے ہیں رضوانہ پرنس جیسے لوگ جو ہر لکھنے والوں کو موقع فراہم کر کے انہیں رائیٹر بنا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سلامت رکھے تاکہ ہماری نئی نسل اور ہم بھی ہمیشہ پڑھنے والے لوگوں میں شامل رہیں اور آخر میں بینا عالیہ کو ایک اچھی کوشش ’تیرے عشق نچایا‘ پر مبارک باد، کیونکہ مکمل ناول لکھنا درحقیقت ایک مشکل کام ہے۔ ●

ﷺ: اچھی نفیسہ! آپ کی تحریروں کی طرح آپ کی آمد بھی ہمیں ایک خوشگوار ہوا کے جھونکے کی مانند لگی تو ڈیئر اب دوشیزہ سے ناطہ جوڑا ہے تو اسے توڑنا کبھی بھی نہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی ہم ایک ملاقات کا اہتمام بھی کررہے ہیں۔ اپنی رائیٹرز اور قارئین کے ساتھ۔

✉: ہماری پیاری افشاں رضا اسلام آباد سے ہمیں مخاطب کررہی ہیں۔ ڈیئر رضوانہ باجی۔ اللہ کے فضل سے مجھے دوشیزہ باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ سالانہ خریدار بن جانے پر خود کو شاباش دینے کا دل چاہتا ہے رضوانہ باجی ایک بات بالکل سچ سچ کہنے کو دل چاہ رہا ہے کہ آپ کے لندن جانے کے بعد سے پتا نہیں کیوں مجھے دوشیزہ میں ایک عجیب سی کمی کا احساس ہورہا ہے محفل میں بھی وہ بات نظر نہیں آرہی مجھے یقین ہے کہ آپ لندن سے مسلسل رسالے سے رابطے میں ہیں لیکن پھر بھی...... امید ہے کہ آپ برا نہیں مانیں گی۔

ﷺ: بہت پیاری افشاں! لو بھئی ہم واپس آگئے ہمیں امید ہے کہ اب تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ویسے ہماری غیر موجودگی میں بھی ہماری دوشیزہ ویسے ہی تھی یہ تمہاری محبت ہے جو تم نے ہماری کمی محسوس کی۔

✉: سیالکوٹ سے ہماری بہت معصوم سی ماہین خاور کچھ خفا خفا سی ہماری محفل میں آئی ہیں پیاری رضوانہ جی آپ تو لندن جاکر بالکل ہی بدل گئیں میں نے آپ کو اتنے خلوص سے خط لکھا تھا لیکن چھپنا تو دور کی بات آپ نے ذکر تک نہیں کیا۔ پھر آپ کہتی ہیں کہ آپ سے اپنا دکھ سکھ Share کرسکتی ہوں۔ رضوانہ باجی میں آپ سے خفا ہوں اور بطور احتجاج تبصرہ نہیں لکھ رہی کتنے شوق سے میں نے دوشیزہ خریدا تھا لیکن......

ﷺ: ارے ارے ہماری پیاری سی گڑیا تو بہت خفا لگ رہی ہے۔ بیٹا ہم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں ہرگز نہیں بدلیں گے بس لندن میں اپنی مصروفیات کی بنا پر ہم وہاں سے کچھ خطوط کے جواب نہیں دے سکے تو گڑیا اس کے لیے ہم تمہیں سوری کہتے ہیں بس اب فٹافٹ اپنی پیاری سی ہنسی کے ساتھ رضوانہ باجی سے ملنے محفل میں چلی آؤ ہم منتظر ہیں۔

✉: لاہور سے اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہوئی راحت وفا راجپوت ہم سے کہہ رہی ہیں کہ ابھی ابھی مجھے اس ماہ کا دوشیزہ ملا ہے میری کہانی کو جگہ دینے کے لیے بہت بہت Thanks آپی آپ کی تحریریں میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

ﷺ: پیاری پیاری سی وفا! تمہاری کہانی نے خود دوشیزہ میں جگہ بنائی ہے ہمارا کوئی کمال نہیں ہم چاہتے ہیں کہ دوشیزہ میں اچھی اور معیاری کہانیاں لوگوں کو پڑھنے کے لیے ملیں بس اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مزید تحریریں بھیجتی رہنا اور ہاں اپنی خوشی میں تبصرہ لکھنا بھول گئیں کیا......؟

✉: ہماری ہر دلعزیز رائیٹر رُخ چوہدری ابھی ابھی ہماری محفل میں آکر بیٹھی ہیں ڈیئر رضوانہ اور پیاری پیاری دوشیزہ بہنوں السلام وعلیکم کیا حال ہیں۔ میری رائیٹر فرینڈ تو ماشاء اللہ بہت لکھ رہی ہیں اللہ دے زور قلم اور زیادہ جی تو چاہ رہا ہے کہ اچھا سا تبصرہ لکھوں مگر پچھلے دنوں باجی کی طبیعت کافی خراب رہی اللہ کا شکر ہے کہ اب وہ ٹھیک ہیں اور دوسرا میرے بہنوئی جاوید چوہدری کا امریکہ میں بائی پاس ہوا ہے بس ان ذہنی پریشانیوں میں مجھے ٹھیک طرح سے دوشیزہ کا مطالعہ نہیں کرنے دیا اور نہ ہی میں کچھ لکھ سکی لیکن رضوانہ انشاء اللہ میں جلد ہی اپنی کوئی تحریر آپ سب کے ذوق سلیم کی عدالت میں پیش کروں گی ماشاء اللہ دوشیزہ روز بروز

نکھرتا جا رہا ہے اور کیوں نہ ہو جس پرچے کی ایڈیٹر میری حسین مسکراہٹ والی دوست ہوگی وہ حسین ہی ہوگا اور دوشیزہ کا ایک سلسلہ یہ ہوئی نہ بات مجھے خاص طور پر بہت پسند ہے زین العابدین کا برجستہ انداز بہت دل چسپ ہوتا ہے اللہ دوشیزہ کو مزید کامیابیوں سے نوازے اور آپ سب کو شاد و آباد رہیں۔

ھ: پیاری سی رُخ! یہ تمہاری محبت ہے کہ اپنی پریشانیوں کے باوجود ہم لوگوں سے ملنے اس محفل میں آ گئیں۔ ہم سب دل سے تمہاری باجی اور تمہارے بہنوئی کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا کر رہے ہیں اور ہاں تمہارے فینز تمہاری تحاریر کے منتظر ہیں بس جلدی سے کوئی خوبصورت سا افسانہ یا ناولٹ بھیج دو۔

✉: تسنیم ماہ پارہ صاحبہ ڈیفنس کراچی سے ہماری مہمان بنی ہیں ڈیئر رضوانہ میں اس سے پہلے بھی آپ کی محفل میں شریک ہو چکی ہوں میں دوشیزہ کی بہت پرانی قاری ہوں سہام مرزا صاحب کے زمانے میں دوبار دوشیزہ ایوارڈ کی تقریب میں بھی شامل ہو چکی ہوں اب پھر کافی عرصے بعد دوشیزہ پڑھنا شروع کیا ہے انشاء اللہ آئندہ مفصل تبصرے کے ساتھ آؤں گی۔

ھ: اچھی تسنیم ماہ پارہ! پڑھ کر اچھا لگا کہ آپ دوشیزہ کی دوبارہ قاری بن گئی ہیں اب ہم آپ کے تبصرے کے منتظر رہیں گے۔

✉: ندیا مسعود کراچی سے ہماری محفل میں خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ آئیں ہیں ڈیئر رضوانہ میں اور میرے شوہر مسعود کل حج کی سعادت کرنے کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ دل میں خوشی کا عالم نہ پوچھو۔ اس ماہ دوشیزہ ابھی تک نہیں ملا لیکن خیر کوئی بات نہیں انشاء اللہ واپسی پر دو ماہ کے اکٹھے ہی مل جائیں گے۔

ھ: ندیا ڈیئر! اللہ تم لوگوں کو حج کی یہ سعادت بہت بہت مبارک کرے ساتھ خیریت کے واپس آؤ۔ دوشیزہ کے تمام دوست تمہیں مبارک باد دے رہے ہیں۔

✉: رخسانہ رضوی بہت دور یعنی لندن سے ہماری محفل میں تشریف لائیں ہیں ڈیئر رضوانہ تم نہ صرف لندن کو بلکہ ہمارے دلوں اور گھر کو بھی سونا کر کے دوشیزہ کی خاطر واپس چلی گئیں۔ جس کا شکوہ ہم تم سے نہیں بلکہ منزہ سہام سے کر رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم منزہ کو اور تمہیں اتنے خوبصورت ڈائجسٹ کی مبارکباد بھی دینا چاہ رہے ہیں جس میں تم لوگوں نے ایک دنیا سمودی ہے یقین جانو تمہارے جانے کی بوریت ہم دوشیزہ پڑھ کر مٹا رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ یہ مزید خوب سے خوب تر ہوتا جائے گا۔

ھ: بہت پیاری رخسانہ! سب سے پہلے تو محفل میں ہم سب تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں دوستو رخسانہ ہماری بھابی ہیں اور انہوں نے ٹھیک ہی لکھا ہے اپنی 'دوشیزہ' کی خاطر ہی ہمیں واپس آنا پڑا اور نہ اتنے پیارے پیارے رشتوں کو چھوڑ کر آتے ہوئے دل کا عالم نہ پوچھیے۔ اور ہاں رخسانہ تمہارے شکوے کا جواب منزہ نے بڑی پیاری مسکراہٹ سے دیا ہے۔

✉: ہماری دیرینہ ساتھی رضوانہ کوثر لاہور سے لکھتی ہیں۔ پیاری رضوانہ اللہ آپ کو تا حیات ہنستا مسکراتا رکھے آمیں 11 دسمبر کو دوشیزہ ملا ٹائٹل کا رنگ روپ کھلا کھلا۔ اشتہارات کی پگڈنڈی پہ قدم رکھتے ہی فولڈر کو پھلانگا۔ بہو سے کہا فرش چمکائے جراثیم بھگائے، نان کھٹائی چکھی کچھ بہتر پائی۔ آگے کوئی کام کی چیز نہیں تھی جو ہم استعمال کرتے شیلڈ سمیت کہ گھر کا چھوٹا بچہ بھی اب بڑا ہے۔ بہر حال یہ تو میرے من کے

جذبوں کی بات تھی اب کرتے ہیں اپنی سہیلی دوشیزہ کی بات۔ فہرست عبور کر کے اداریہ پڑھا۔ میرے عزیز بیٹے کاشی نوجوان ہوتے ہوئے بھی دوشیزہ کا ہاتھ تھام کر چھوڑ رہے ہو مگر یہ خوشی ہے کہ اسے رضوانہ پرنس نے محبت اور خلوص سے تھام لیا ہے اور آپ بھی ہمارے ساتھ ہو سچی کہانیوں کی رفاقت سمیت۔ آمین۔ منورہ نوری تو ہمیشہ ہم سب کے دلوں میں زندہ رہیں گی 'سہام مرزا' کی طرح۔ رضوانہ پرنس آپ نے لندن میں بیٹھ کر جس طرح محفل سجائی بہت خوب۔ بہت اچھا لگا سب سے پہلے عاشا نور عاشا، منعم اصغر، صائمہ بشیر، سیدہ کاظمی، آپ کو محبت بھری دعاؤں کے ساتھ خوش آمدید خولہ عرفان کی نظم سیدھی دماغ سے ہوتی ہوئی دل میں اتری۔ شگفتہ شفیق 8 اگست کو فون کیا تو شہر سے آپ کے کنزل کے پاس جانے کا علم ہوا۔ سنبل، فریدہ فری، مسز نوید ہاشمی، نگہت اعظمی، صفیہ سلطانہ، فصیحہ آصف، زمر نعیم، نسیم نیازی، رضوانہ پرنس، کاشی، پیاری منزہ آپ سب کی میرے ساتھ محبتوں اور مان بھروسے کا دل سے شکریہ۔ فہد مرزا سے ملاقات اچھی لگی۔ اے آر وائی کے پروگرامز سے مزید روشناس ہوئے۔ لو جی آگئے تو ہماری صفیہ کے صاحبزادے شرجیل دولہا بنے بیٹھے ہیں۔ ماروی اور شرجیل اچھے لگ رہے ہیں۔ لائف بوائے سے مربوط سلسلہ بھی خوشگوار ہے۔ رفعت سراج صاحبہ اور اُم مریم کے ناول بھی بہت عمدہ اور خوبصورت سچائیوں سے سجے ہیں۔ رفعت سراج کا تو مستند نام ہی کافی ہے۔ روحیلہ خان کی تھینک یو اللہ میاں میں ایک اہم بات کو بڑے احسن طریقے سے دلوں میں اجاگر کیا، شمیم فضل خالق کی بلندی...... پستی بھی اچھی لگی۔ نیک اولاد اللہ کا عظیم تحفہ ہوتی ہے آگے بڑھے تو زمر نعیم کی محبت کی سرزمین پہ کھری محبت کے یقین کی گواہی مانگ رہی تھیں انہیں دوبارہ ان صفحات پہ پا کر ان کی دوشیزہ سے محبت پر پکا یقین کر لیا۔ بیچارہ شہری جان سے گیا ماں بہنوں کی ضد میں تھوڑا انتظار اور کر لیتا تو شاید۔ الماس روحی کی بڑے سرکار ہر گھر ہر دور کی سچائی ہے حنا بشریٰ بھی پر اثر لکھنے والوں میں شمار ہوتی ہیں۔ بحر آگہی دنیا کی اناؤں سے ہوتی عشق حقیقی کی پہچان ہے۔ راحت وفا راجپوت کی 'پاگل آنکھوں والی لڑکی' دلوں پہ محبت کا بوجھ لیے خوشگوار تحریر، راحت آپ نے اچھا کیا نا دوشیزہ کے آنگن میں آ کے۔ میں نے کہا تھا نا آپ کو کے آ کے دیکھو تو سہی۔ محمد ابو ہریرہ کی دو پل کی ملاقات بھی ہلکی پھلکی تحریر رہی۔ فوزیہ احسان رانا کی 'لمحوں نے خطا کی تھی' اور مسافت کتنی طویل حصے میں آئی اس خطا کے بدلے۔ اُم مناہل کا گھنا سایہ تشنہ آرزوؤں کا نوحہ کہ انسان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔ معاویہ عنبر کی تحریر 'عنبرین کی شادی' معاشرے کے علمبردار رشتوں کی کتھا جو ہر دوسرے گھر میں بڑے فخر اور دلیلوں سے ہو رہا ہے۔ بینا عالیہ 'تیرے عشق نچایا' میں عشق کے مارے سب اپنی اپنی جگہ ناچ رہے ہیں۔ ہائے بیچاری اُم فرواب دیکھیں اس کی قسمت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ خالدہ حسین کی آخری وسل حقیقتاً بہت اچھی لگی رنگ کائنات میں پڑوسیوں نے خوب دھمال ڈالی۔ فلموں اور فلمی ستاروں سے کوئی دلچسپی نہیں الجھنیں اور ان کا حل اچھا سلسلہ ہے۔ باقی سلسلے بھی مفید ہیں تسنیم منیر علوی کو ایوارڈ کی احمد سجاد بابر، عبدالرحمٰن کاشی، دانیال آپ سب کو ماہ اکتوبر اور میرے بیٹے حسن جمال کو بھی 14 اکتوبر دوشیزہ کی معرفت سالگرہ مبارک ہو۔ میرے خیال میں اب اجازت لے لوں۔

ج: بہت پیاری رضوانہ! طبیعت کی خرابی کے باوجود آپ اس محفل میں اتنے پیار اور خلوص سے آتی

ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے۔ جیتی رہیے۔

✉ :اور جناب یہ لاہور سے ہماری خولہ عرفان محفل میں شامل ہیں خط تحریر کرنے سے پہلے ہر دفعہ سوچتی ہوں کہ ابتدا ذرا ہٹ کر ہو لیکن محفل کے تقاضے بدلے نہیں جا سکتے اس لیے رب سے آپ کی سلامتی، صحت اور نیک تمناؤں کے ساتھ یہی شروعات بہترین ابتدا ہے بعد از تمہید عرض ہے کہ ماہ دسمبر کا دوشیزہ بھی ہمیشہ کی طرح سبز سبز ورق پر موجود خوبصورت ماڈل کے ساتھ بہت سکون دے رہا تھا۔ لیکن کاشی صاحب کا یہ اداریہ پڑھ کر دوشیزہ کے ہاتھوں میں آنے والی خوشی چند لمحوں کے لیے کافور ہوگئی کہ وہ اب دوشیزہ کی ادارت سے دستبردار ہو رہے ہیں بہت اچھا وقت گزرا ہے دوشیزہ کے صفحات پر ان کے ساتھ لیکن ان کو بتا دیں کہ چاند کہیں پر بھی طلوع ہو وہ اپنی ٹھنڈک اور روشنی سے کسی کو محروم نہیں کرتا۔ منورہ نوری خلیق صاحبہ کی کاوشیں قابلِ تحسین ہیں۔ دوشیزہ کی محفل کا کوئی جواب نہیں جہاں کاشی صاحب کے جانے کا افسوس ہے وہاں آپ کی وطن واپسی کا سن کر خوشی بھی ہوئی حالانکہ میں نہیں سمجھتی کہ ہماری محبتوں پر فاصلوں کے اثرات مرتب ہوئے ہیں ہوا پھول کے بہت لاڈ اٹھاتی ہے اس کی خوشبو کو اپنی بانہوں کے حصار میں لے کر فاصلے طے کر لیتی ہے لیکن خوشبو کی سرشاری اسے تھکنے نہیں دیتی اسی طرح دوشیزہ آپ کی باتوں کی مہک میلوں فاصلے ہونے کے باوجود ہم تک پوری تازگی کے ساتھ پہنچا تا رہا ہے۔ اب آتی ہوں تبصرے کی طرف سب سے پہلے تو سنبل صاحبہ، عقیلہ حق صاحبہ، ثمینہ عرفان، پروفیسر صفیہ سلطانہ مغل، فصیحہ آصف خان، نزہت جبیں ضیا اور مسز نوید ہاشمی صاحبہ کا بہت بہت شکریہ کہ انہوں نے میری پہلی کاوش کو لائق تبصرہ سمجھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ یقین جانیے میرے احساسات اس شیر خوار بچے جیسے ہیں جو وہ اپنی زندگی کا پہلا قدم اٹھانے پر اپنی محبتوں کے چہرے پر دمکتی خوشی کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے اور وہ خوشی ہی اس کے قدموں کو طاقت اور اس کے راستے کو روشنی مہیا کرتی ہے اس کے قدم آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جب جب میرا قلم کاغذ کے سینے کو محبتوں اور حقیقتوں کے رنگ سے روشن کرے گا وہ آپ کی حوصلہ افزائی کا امین ہوگا۔ جزاک اللہ! افسانے سب بہت عمدہ تھے سب کے ساتھ نگاہوں نے انصاف کر لیا ہے البتہ ناول اور ناولٹ اس انصاف سے محروم رہ گئے ہیں کیونکہ وقت کم اور مقابلہ سخت ہے۔ آج سترہ ستمبر کا سورج بھی پردہ فرما چکا ہے اٹھارہ کی رات کسی ممتحن کی طرح سر پر کھڑی ہے کہ خط جلدی ختم کریں ورنہ وقت ختم ہو جائے گا اور آپ کا خط اشاعت سے خدانخواستہ محروم رہ جائے گا اگرچہ ہر ایک افسانے پر دل بار بار سب مصنفین کو فرداً فرداً خراج تحسین پیش کرنا چاہ رہا ہے لیکن محمد ابوہریرہ بلوچ کے افسانے کا ذکر نہیں کیا تو ناانصافی ہو جائے گی کہ دوپل کی ملاقات طویل عرصے تک ذہن سے نکل نہیں سکے گی بہت شاندار بہت خوب۔ نظم مچورٹی کی اشاعت اور نظم سراہنے کے لیے بھی نوازش انشاءاللہ اگلی دفعہ بھرپور تبصرہ ہوگا فی الحال اس تھوڑے کو بہت سمجھ لیں۔ اور پیشگی عیدالاضحیٰ کی مبارک باد کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

ج: بہت پیاری خولہ! آپ کا خط ہماری محفل کی رونق بڑھانے میں بڑا نمایاں کردار ادا کرتا ہے سالگرہ نمبر کے لیے کوئی اچھا سا افسانہ گفٹ کرنے کا ارادہ ہے کیا......؟

✉ :ہماری بہت پیاری سی بیٹا عالیہ لاہور سے اپنے ناول کے بارے میں کچھ کہنے آئی ہیں۔ السلام

ایم اے راحت کے قلم سے تخلیق پانے والا ایک لافانی سلسلہ
ہم شکل
ایک نوجوان کی سرگزشت، جسے بچپن کی ایک بات یاد تھی،
جب اُس کی دادی اماں نے کہا تھا۔
"اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر انسان کے سات ہم شکل بنائے ہیں......"
کیا یہ روایت دُرست ہے؟
اسی روایت کی کھوج میں موت سے پنجہ کش اُس سرکش نوجوان کی
ناقابلِ فراموش داستان......
کیا اُسے ساتوں ہم شکل ملے؟
کیا اُس نے موت سے جنگ کی؟
ایک انوکھی داستان...... جو ماہنامہ "سچی کہانیاں" میں دھوم مچا رہی ہے
آپ بھی پڑھنا نہ مت بھولیے اور ناول ہم شکل کا حصہ بن جائیے
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
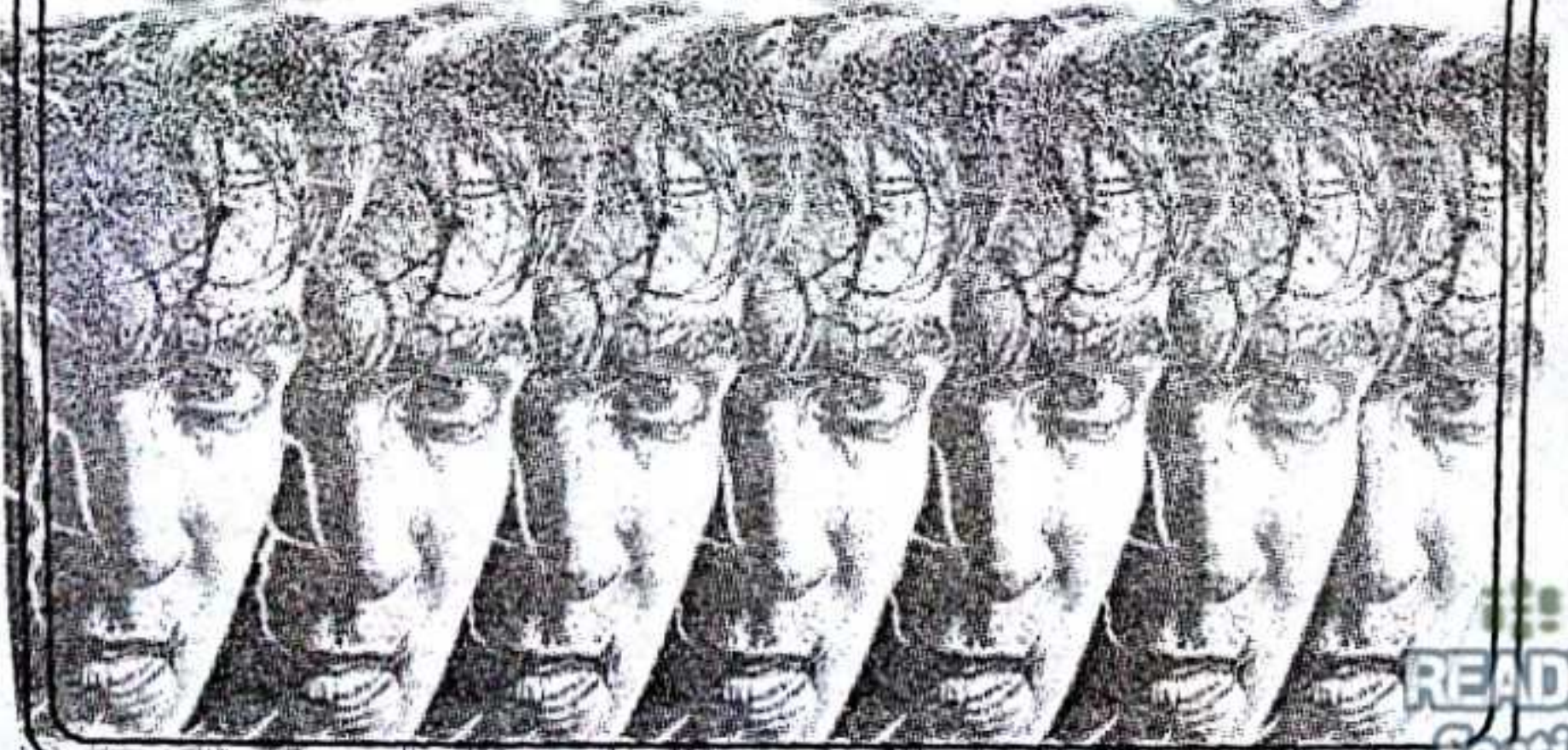
وعلیکم خداوند آپ سب کو اپنے حفظ امان میں رکھے۔ دوشیزہ کو مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ آمین۔
میرا ناول 'تیرے عشق نچایا' آخری قسط کے ساتھ اختتام پذیر ہوا اس ناول کی تھیم تھی ایمان، یقین بھروسہ اور حقوق عباد۔ قارئین کی اکثریت نے اس ناول کو پسند کیا چند کو بور بھی لگا یہ تو اپنے مزاج اور اپنی پسند کی بات ہوتی ہے۔ پہلی قسط کے بعد میں نے اپنے خط میں لکھا تھا یہ میرا پہلا ناول ہے میں نے اسے کسی پلاننگ کے ساتھ نہیں لکھا بلکہ اللہ نے چاہا تب اس کے لیے میرا قلم اٹھا۔ میں طویل ناولٹ لکھنے والی رائیٹر ہوں لوگوں کے کہنے کے باوجود کبھی میرا ناول کی طرف رجحان نہیں ہوا شاید اب بھی میں نہ لکھتی اگر میرے ذہن میں اُم فروا کا کردار نہ آتا تو۔ بغیر کسی سوچ کے خود بخود یہ کہانی ذہن میں اتری۔ وہ بھی کچن میں کھانا بناتے ہوئے۔ یہ ناول لکھنے کے دوران میری کوشش تھی کہ قارئین کی توجہ حاصل کرسکوں کہیں بھی شکایت کا موقع نہ دوں کرداروں کو ان کے ماحول کے مطابق انہیں لے کر چلی ہوں۔ منظر کسی پر توجہ دی یہ سب محنت اپنے قارئین کے لیے ہی کی ہے ناں میں نے؟ رائیٹر وہی کہلاتا ہے جو تھیم کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلے جو کہانی کے آگے بھاگتے ہیں وہ کبھی اپنے قلم سے انصاف نہیں کر پاتے۔ اگر قاری سرسری طور پر کہانی پڑھے گا تب تنقید کے علاوہ اس کے ذہن میں کچھ نہیں آئے گا چاہے رائیٹر جتنی جان مارے مجھے ادارے سے شکایت ہے کہ انہوں نے میرے ناول کا بھرپور خلاصہ کبھی بھی نہیں دیا تب پڑھنے والا اندازہ لگاتا ہے کہانی وہیں کھڑی ہے آگے نہیں بڑھی ایسا نہیں ہے یہ ناول اپنے مزاج سے آگے بڑھتا ہے۔ قارئین کو حق ہے تنقید کرنے کا۔ کہا گیا فلاں کردار بور کررہے ہیں بینا آپ کی دلچسپی اس ناول سے ختم ہوتی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔ ایسا کیوں ہے جواب تو آپ کو دینا ہی ہوگا؟ قارئین میں جواب دینے کے لیے آپ کی عدالت میں حاضر ہوں۔ کسی نے کہا چند اچھی تحریروں کے ساتھ عام سی تحریر کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے شکریہ جی آپ نے اسے برداشت کیا۔ بالکل جی یہ ناول میں نے اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے ہوش وحواس کے ساتھ لکھا ہے۔ کہا گیا فروا اور اس کے خاندان کو جنت کی حوریں بنا دیا گیا ہے۔ میں نے قارئین کی سہولت کے لیے بارہا یاد دہانی کرائی یہ فیملی عباسیہ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ افغانستان سے ہجرت کر کے یہاں بسی ہے۔ اگر والدین خوبصورت ہوں تو بچے بھی ہوئے۔ اُم فروا اپنی خوبصورتی کی وجہ سے بلال حمید کے فریب میں آتی ہے۔ جہاں تک ملک قاسم کی فیملی کے خوبصورت ہونے کا تعلق ہے رئیس زادے اکثریت میں گندمی رنگت کے شیکل اور وجیہہ ہوتے ہیں وہ شادیاں بھی حسین خواتین سے کرتے ہیں تاکہ ان کی نسلیں خوبصورت ہوں میں خود زمیں دار فیملی سے بیلونگ کرتی ہوں۔ اس لیے بہتر طور پر سمجھ سکتی ہوں ان کے اقدار و روایات کو۔ نوکرانیوں کو جنت کی حوریں نہیں بنایا بلکہ ان کے ناموں سے پکارا ہے۔ لیجیے آپ کی خواہش پر ناول کا اختتام کررہی ہوں۔ قارئین کی اکثریت نے توصیفی کلمات سے نوازا۔ یہاں نام لکھوں گی تو خط طویل ہوجائے گا میں ان سب کی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں۔ اراکین دوشیزہ کی خدمت میں دعاوں بھرا سلام۔ فی امان اللہ محبتوں کے ساتھ۔

ج: اچھی بینا! سب سے پہلے تو مبارک باد کہ آپ ناول نگار بھی بن گئیں۔ بینا! انسان جب بھی کوئی کام شروع کرتا ہے۔ اسے تعریف کے ساتھ ساتھ تنقید کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو آپ کے

ناول پر اعتراض ہوا تو اکثریت کو یہ پسند بھی آیا سو دل پر کچھ لینے کی بالکل ضرورت نہیں۔ آپ کی مزید خوبصورت تحریروں کے منتظر ہیں۔

✉: ہماری محفل میں آج پہلی بار ندا حسین کی آمد ہوئی ہے سب سے پہلے تو میرا پیار بھرا سلام ادارہ دوشیزہ اور خاص طور پر رضوانہ پرنس کی خدمت میں عرض ہو کیونکہ ان کی محبت سے متاثر ہو کر میں نے پہلی مرتبہ دوشیزہ کی محفل میں شرکت کرنے کی ہمت پائی ہے۔ امید کرتی ہوں میری شرکت آپ سب کو بھی بھائے گی۔ اب بات ہو جائے دسمبر کے شمارے کے بارے میں۔ باتیں ملاقاتیں میں فہد مرزا کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ منی اسکرین دوشیزہ کا ایک بالکل منفرد سلسلہ ہے میں نے اب تک اس سلسلے کو کسی بھی ڈائجسٹ میں نہیں پایا۔ اس سلسلے کا خیال بلاشبہ ایک اچھوتا خیال ہے۔ شادی مبارک میں پروفیسر صفیہ سلطانہ مغل کے صاحبزادے کے دولہا بننے کا دلچسپ حال احوال پڑھا۔ کچھ باتوں پہ دل دکھا تو بہت سی باتوں پہ دلی خوشی کا بھی احساس ہوا میری جانب سے آپ کو بیٹے کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ رفعت سراج ایک منجھی ہوئی رائیٹر ہیں اور ان کی تحاریر پڑھ کر ہمیشہ بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ دام دل بھی انہی کہانیوں میں شامل ہے اور اس کی ہر قسط ہماری دلچسپی میں مزید اضافہ کر رہی ہے۔ رحمٰن رحیم سدا سائیں اُم مریم کی ایک شاہکار تحریر جو دل بہ دل نقش ہوتی چلی جا رہی ہے فوزیہ احسان رانا ایک بہت اچھی لکھاری ہیں۔ اور ان کی ہر تحریر معاشرے کے کئی تلخ روپ آشکار کرتی نظر آتی ہے۔ 'لمحوں نے خطا کی تھی' جیسے زبردست ناول کو تخلیق کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔ بحر آگہی اور گھنا سایہ بھی خوب رہے۔ افسانے سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ منفرد اور سبق آموز۔ دوشیزہ میگزین کے سب ہی سلسلے بہت خوب ہیں۔ مختصراً کہونگی کہ دوشیزہ ایک مکمل اور با مقصد ڈائجسٹ کے معیار پر بخوبی اترتا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ یہ خط لکھنے کی پہلی کوشش تھی اس لیے کمی بیشی معاف کرنے کی خواستگار ہوں۔ دعا ہے دوشیزہ کو اللہ مزید ترقی و کامیابی عطا فرمائے آمین بہت ہی خلوص اور اپنے پن کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

ھ: پیاری پیاری ندا! دیکھو تو تمہارے آنے سے محفل مزید خوبصورت لگنے لگی ہے۔ پہلی بار آئی ہو لیکن اپنی اپنی سی لگ رہی ہو۔ اب تو سب لکھاریوں کو تمہارے تبصرے کا انتظار رہا کرے گا۔ تمہارا افسانہ بھی اس ماہ لگ رہا ہے۔ یہ 'اک ملاقات' اب جاری رہنی چاہیے کہ دوشیزہ اچھی تحریروں کی دلدادہ ہے۔

✉: شگفتہ شفیق بھی اپنی شگفتگی کے ساتھ یہاں براجمان نظر آ رہی ہیں۔ پیاری رضوانہ ہمیشہ مسکراتی رہیں۔ کیسی ہیں؟ اب تو آپ ہمارے پاس آگئی ہیں۔ گویا کہ اب ماشاء اللہ رونقیں بحال ہونے والی ہیں۔ اور بھئی اب تو عید ملن بھی پکی ہے انشاء اللہ۔ تمبر کا دوشیزہ بے حد پسند آیا۔ ٹائیٹل سے لے کر بیوٹی گائیڈ تک پیارا تھا۔ ساتوں افسانے بہت اچھے تھے۔ ام مریم کی تحریروں کی میں بہت عاشق ہوں اور رفعت سراج کا کیا کہنا۔ میری غزل لگانے کا بے حد شکریہ۔ صفیہ سلطانہ کو بیٹے کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ پیاری سنبل آپ کی مبارک بادوں پر شکریہ کے ساتھ آپ کے لیے بہت سی دعائیں۔ پیاری منزہ اور تمام ادارے کے اراکین اور سب قارئین و رائیٹرز کو دل سے عید کی مبارک باد۔ خدا کرئے کہ یہ عید سب کے لیے خوشیوں کے نئے دریچے وا کرئے (آمین) ایک شعر آپ کی محبتوں کی نذر۔

پوچھا تھا ہم نے کیسی رہی آپ کی یہ عید
کہنے لگے کہ تم سے ملے بن کہاں کی عید

ھ: اچھی شگفتہ! اب تو عید کو گزرے کافی دن ہو گئے اور آج کل سانحہ منیٰ کے المناک واقعے نے دل دہلایا ہوا ہے۔ یقیناً اس پر تمہارا قلم ضرور اٹھے گا۔

✉: ہماری محفل میں پہلی بار تشریف لائی ہیں پی ٹی وی کی مشہور سابقہ پروڈیوسر اور ڈائریکٹر فہمیدہ نسرین صاحبہ۔ ڈیئر رضوانہ پرنس میری اور دوشیزہ کی بہت پرانی جان پہچان ہے ان فیکٹ بہت عرصہ پہلے جب میں لکھا کرتی تھی تو میرے کافی افسانے بھی اس میں شائع ہوئے ہیں پھر اپنی مصروفیات اور بعد میں اپنی طبیعت کی خرابی کی بنا پر قلم سے ناطہ جیسے ٹوٹ سا گیا تھا لیکن پچھلے دنوں جب دوشیزہ کا اتنے عرصے بعد دوبارہ مطالعہ کرنے کا اتفاقاً موقع ملا تو نہ جانے کیوں دل میں ایک بار پھر کچھ لکھنے کی تمنا جاگ اٹھی۔ انشاء اللہ جلدی ہی میں دوشیزہ کے لیے اک اچھا افسانہ لکھ کر بھیجوں گی۔ یہ ڈائجسٹ ایک زمانے سے میرا کافی پسندیدہ رہا ہے۔ اور دوبارہ اسے ہاتھ میں لیا ہے تو جیسے پرانے زمانے میں واپس لوٹ گئی ہوں۔

ھ: بہت اچھی فہمیدہ آپ کا اپنی مہکتی یادوں کے ساتھ اچانک اس محفل میں آجانا ہم سب کو بہت اچھا لگا ہے بس آپ اپنے وعدے پر قائم رہتے ہوئے جلد از جلد اپنا افسانہ ہمیں بھیج دیں کہ دوشیزہ ایک ستارے کی طرح اسے اپنے آنچل میں ٹانک لے گی۔

ہم اپنی محفل کا اختتام کرنے جارہے تھے کہ ایک بہت پرانے دوشیزہ کے قاری اور لکھاری محمد فہیم صاحب کا کراچی سے ہمیں خط موصول ہوا السلام وعلیکم رضوانہ پرنس صاحبہ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ واپس ادارے میں تشریف لے آئی ہیں ہمیں امید ہے آپ کی موجودگی پرچے کو مزید بہتر بنانے میں عمدہ کردار ادا کرے گی اور ان پرانے رائیٹرز کو جو پرچے سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں اور پرچے کی جان اور شان دونوں ہی تھے ان کو واپس لانے میں کامیاب ہوں گی ہم آپ کو اپنے تعاون کا ہر طرح سے یقین دلاتے ہیں۔ اور پرچے کی کامیابی کے لیے دل سے دعا گو ہیں کہ ہم پرانے رائیٹرز ہمیشہ سے اس ادارے کے ساتھ مخلص رہے ہیں۔

ھ: بھائی فہیم! آپ کو ہم اس محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں دیکھیے ہماری دوشیزہ بھی اپنے اتنے پرانے ساتھی کی آمد پر خوش نظر آرہی ہے۔ آپ کو دیکھ کر ہمیں اپنے مزید کھوئے ہوئے رائیٹرز بھی یاد آرہے ہیں دیکھیں ہماری پکار پر کون کون چونکتا ہے۔

اچھا دوستو اب اجازت لینے کا وقت آگیا ہے انشاء اللہ اگلے ماہ پھر اسی محبت کے ساتھ آئیے گا اور ہاں ایک ضروری بات۔ جنوری میں ہماری دوشیزہ کی سالگرہ منائی ہے سو جلد از جلد اس کو اپنی تحاریر کی صورت میں تحفے بھجوائیں وہ منتظر ہے۔ خدا حافظ کہتے ہوئے یہ شعر آپ کی نظر لیکن اس کی گہرائی کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

کس بھیس کس لباس میں مل جائے کب خدا
رکھیے دعا سلام ہر اک خاص و عام سے

دعاؤں کی طالب
رضوانہ پرنس

اریج فاطمہ

دوشیزہ کے قارئین کے پرزور اصرار پر ایک بار پھر انٹرویوز کا نیا سلسلہ......

ہم دوشیزہ کے پڑھنے والوں کے اصرار پہ انٹرویوز کا سلسلہ ایک بار پھر شروع کیا جائے اور مستقل جاری رکھا جائے تو جناب لیجیے آپ کی فرمائش پر پہلا انٹرویو شوخ و چنچل اریج فاطمہ کا حاضر ہے۔ اریج سے ہماری ملاقات ایک ڈرامے کے شوٹ کے دوران ہوئی جس میں وہ کل بہت مصروف ہیں مگر پھر بھی ہمیں وقت دیا۔

ہم: اریج سب سے پہلے تو آپ کا شکریہ کہ آپ نے دوران شوٹنگ مجھے وقت دیا۔

مسکراتے ہوئے۔ نہیں کوئی بات نہیں مگر آپ اپنا وعدہ یاد رکھیے گا کہ زیادہ وقت نہیں لیں گے۔

ہم: بالکل پکا وعدہ تو جلدی سے کچھ اپنے بچپن کے بارے میں بتائیے...... آپ کہاں پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی......؟

میں نے ☐2 نومبر ☐89 کو امریکہ کے شہر میں پیدا ہوئی بچپن کا کچھ حصہ وہیں گزرا پھر پاکستان فیملی کے ساتھ آ گئی۔

ہم: اوہ اس کا مطلب آپ امریکی بچھو ہیں......

حیرت سے کیا مطلب؟ اور پھر مطلب سمجھتے ہوئے زور سے ہنس پڑیں...... اچھا تو آپ میرے Star کا مذاق اڑا رہیں ہیں...... ہاں بالکل میں Scorpio ہوں۔

ہم: چلیں یہ تو طے ہوا کہ آپ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہیں اب یہ بتائیے کے پڑھائی میں کیسی رہیں......؟

اریج: میں نے میٹرک کے بورڈ میں پوزیشن لی تھی پھر ویسے میں نے مونٹیسوری کورس کیا ہوا ہے۔

ہم: اچھا یہ بتائیے کہ آپ شوبز میں کب آئیں۔

اریج: 2011 میں میں نے ماڈلنگ شروع کی اور پہلا Zong Add کیا (پھر کچھ سوچ کر ہنستے ہوئے) اف میری اردو بہت خراب تھی بہت مشکل ہوئی Add میں پھر اس کے بعد

ہم: اچھا اریج یہ بتایئے کہ آپ کے نقوش بہت Unique سے ہیں اس کی وجہ کوئی خاص؟

اریج: (واقعی میں) مسکراتے ہوئے دراصل پاکستانی اور ایرانی مکسچر ہوں شاید اس لیے کچھ مختلف لگتی ہوں۔

ہم: جو لوگ خود حسین ہوں دوسرے لوگ ان کو عام سے ہی لگتے ہوں گے چاہیے کہ اتنے خوبصورت کیوں نہ ہوں پھر بھی آپ کون سی پاکستانی ماڈل پسند ہے......؟

اریج: نہیں ایسا نہیں ہے خوبصورتی تو خوبصورتی ہی ہوتی ہے اور کوئی اسے Deny نہیں کرسکتا ویسے ماڈلز میں مجھے ایان علی بہت پسند ہیں۔

ہم: آپ مصروف رہتی ہیں۔فارغ وقت ملے تو کیا کرتی ہیں؟

اریج: جی بالکل مصروفیت تو بہت ہے مگر میں اپنے اندر کا Artist گھر ساتھ نہیں لے جاتی وہیں سیٹ پر چھوڑ دیتی ہوں گھر پر میں بالکل عام لڑکیوں کی طرح وقت گزارتی ہوں۔

ہم: آپ کی بہت بڑی فین Following ہے۔اپنے فینز کے لیے بتایئے کہ کھانا پکانے کا شوق ہے یا نہیں؟

اریج: (کھل کر ہنستے ہوئے) آپ میرا انٹرویو کر رہے ہیں یا مجھے Trap کر رہے ہیں ویسے میں اپنے فینز کو بتا دوں کہ مجھے کھانا کھانے کا بھی بہت شوق ہے۔اور میں کافی چیزیں اچھی بنا لیتی ہوں۔

ہم: اچھا جلدی سے بتایئے آپ کے مشاغل کیا ہیں؟

اریج: (گھڑی دیکھتے ہوئے) اب جلدی جلدی کی کرنا پڑے گی ویسے مجھے سیٹ ریڈی ہے شاپنگ کرنا اور سونا بہت پسند ہے۔

ہم: لباس کون سا زیادہ پسند کرتی ہیں؟

اریج: مجھے لمبی قمیض اور چوڑی دار پاجامہ بہت پسند ہے۔بڑی Elegant look آتی ہے اور یہ آپ کا آخری سوال تھا جب چھپ جائے تو مجھے ایک کاپی ضرور بھجوایئے گا۔

ہم: ضرور اور آپ کا بہت شکریہ یوں اریج فاطمہ سے یہ مختصر سے ملاقات تمام ہوئی لیکن میں اپنے پڑھنے والوں کو اس اچھی لڑکی کی خاص بات بتاؤں کہ ایک تو وہ بے حد ملنسار ہے اور حد سے زیادہ وقت کی پابند اور یقیناً وجہ ہے کہ آج اریج فاطمہ ہر چینل کی Demand ہے اور کامیابی کی ضمانت اریج ہمیشہ یونہی مسکراتی رہو۔

☆☆......☆☆

چاکلیٹی ہیرو

فواد خان

17 سال کی عمر میں اپنی بیگم کو پرو پوز کرنے والے ہیرو فواد خان

مونی خان

29 نومبر 1981 فواد کی تاریخ پیدائش ہے یوں وہ برج عقرب کے زیراثر ہیں۔ فواد خان نے ابتدائی تعلیم لاہور سے حاصل کی پھراس کے بعد نیشنل یونیورسٹی آف کمپیوٹر انجیرنگ لاہور سے ٹیلی کام انجیرنگ کی ڈگری لی۔ فواد بے انتہا مضبوط Will-power رکھتے ہیں جو ٹھان لیا وہ کر کے ہی دم لیا۔

2005 میں اپنے بچپن کی دوست صدف سے شادی کی یوں صدف کو وہ 17 سال کی عمر میں پر پوز کر چکے تھے۔ فواد کا ایک بہت ہی پیارا سا بیٹا 'ایان' ہے۔ جس کی عمر 5 سال ہے۔ فواد کو بہت کم عمری میں ذیابیطس کی بیماری نے توڑنے کی کوشش کی مگر مضبوط قوت ارادی کے حامل رہیں۔ اس ہیرو نے ذیابیطس کو پچھاڑ کر کامیابی کا سفر جاری رکھا۔ فواد کا پہلا ڈرامہ ہٹ اینڈ بولڈ تھا اور پہلی فلم 'خدا کے لیے' جسے شعیب منصور نے پروڈیوس کیا۔ یہ فلم بہت بڑی ہٹ ثابت ہوئی۔

فواد کے کریڈٹ بے شمار کامیاب ڈرامے

ہیں جیسے ہمسفر، زندگی گلزار ہے، اکبری اصغری، کچھ پیار کا پاگل پن وغیرہ ،فواد نے دو فلمیں، 11 ڈرامے اور 3 ٹیلی فلمز کیں۔سب سے زیادہ معاوضہ لینے والا اداکار وحید مراد کے بعد دوسرا چاکلیٹی ہیرو ہے، جو سنگر بھی ہے۔

فواد نے بے شمار ایوارڈ حاصل کیے جس میں بہترین اداکار، اسکرین ایوارڈ اور فریش فیس ایوارڈ قابل ذکر ہیں۔فواد بہت دوست بنانے کے قائل نہیں اپنا سب سے اچھا دوست اپنی بیگم کو مانتے ہیں ۔ہمارا یہ ہیرو انڈیا کے تمام ہیروز کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔اس خوبرو ہیرو نے بھارتی حسیناؤں کے چھکے چھڑا دیے ہیں تقریباً تمام ہیروئنز فواد کے ساتھ

کام کرنا چاہتی ہیں......ہم اپنی اور تمام پڑھنے والوں کی جانب سے فواد خان کو ان کامیابیوں پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ فواد کی کامیابی کا یہ سفر یونہی جاری رہے اور پاکستانی فلم انڈسٹری جو طویل عرصے کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر اپنے قدموں پر کھڑی ہے بہت آگے جاتے فواد جیسا Talent سامنے لائے۔

☆......☆......☆

کپل شرما

غربت بہت بڑی رکاوٹ ہے، انسان بہت بے بس محسوس کرتا ہے (کپل)

(ادارہ)

ہیڈ کانسٹیبل کا بیٹا جو 97 سے 2004 تک کینسر جیسے موذی مرض سے لڑتا رہا اور آخر سوائے غربت کے اپنی اولاد کو کچھ دیے بنا دنیا سے رخصت ہوا...... امرتسر سے تعلق رکھنے والے کپل کو کالج کی فیس ادا نہ کرنے پر بار بار کالج سے نکال دیا جاتا تھا۔ تھیٹر کرنے کا شوق تھا۔ اس شوق میں لافٹر چیلنج کے سیزن 3 تک جا پہنچا مگر وہاں ریجیکٹ کر دیا گیا مگر کوششیں جاری رہیں مایوسی کو قریب نہیں آنے دیا یوں 2007 میں قسمت کی دیوی مہربان ہوئی اور پھر تو یہ سلسلہ تھما ہی نہیں اور اب تک جاری ہے کمیڈی نائٹس میں کپل نے بھارت کے علاوہ پاکستان میں بھی بہت مقبولیت حاصل کی۔ آج کپل کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی انسان تمنا کرتا ہے۔ مگر دکھ ہے کہ کپل کے کیا خیالات ہیں آیئے جانتے ہیں۔ والد نہیں رہے ان کی اس طرح خدمت نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔ غربت بہت بڑی رکاوٹ ہے انسان بہت بے بس محسوس کرتا ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ والدین کے جانے کے بعد ہی ہم Realize کرتے ہیں کہ وہ انمول تھے میرے والد کے دوست کو امرتسر میں پھل بیچا کرتے تھے اور پاکستان سے پھل

منگواتے تھے ہمیں ضرور موسمی پھل بھجواتے تھے اس طرح میرا بچپن ہی سے پاکستان سے تعلق بن

گیا جو آج بھی فینز کی صورت میں موجود ہے۔ میری والدہ بہت سادہ طبیعت کی ہیں جب میں نے اپنے بہن بھائیوں کی شادی کر دی تو وہ چاہتی ہیں کہ اب میں 34 سال کا ہو گیا ہوں شادی کر لوں مگر میں صرف اپنے کام سے عشق رکھتا ہوں

اور دوستوں میں خوش رہتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ ساری دنیا میں خوشیاں بانٹ سکوں......

25 ستمبر کو میری پہلی فلم کس کس سے پیار کروں ریلیز ہو رہی ہے مین سب چاہنے والوں سے یہی کہوں گا کہ فلم ضرور دیکھیں بہت خامیاں ہوں گی مگر میں انہیں دور کر دوں گا۔ میں صرف دنیا کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے بس محنت اور لگن چاہیے ہوتی ہے عباس متسان صاحب نے مجھے اپنی فلم میں موقعہ دیا میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔

☆☆......☆☆
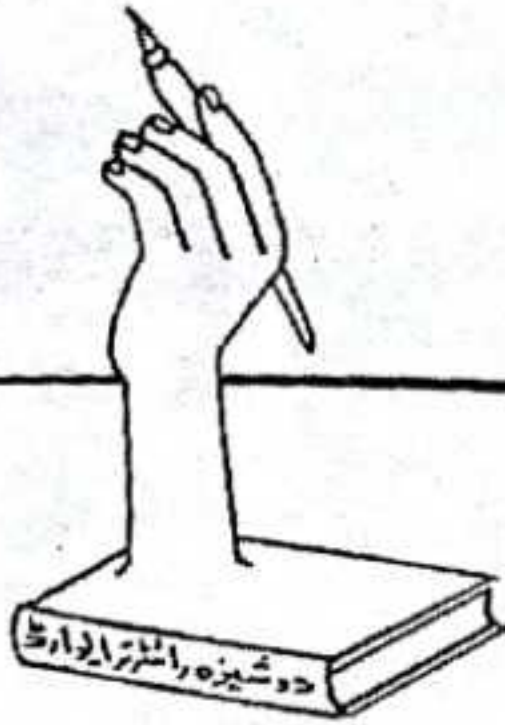
دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

اگست 2015 کا نتیجہ: قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

''محبت پہ یقین رکھنا'' زمر نعیم

آپ کی نظر میں اس ماہ ''دوشیزہ'' کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

دوشیزہ

اکتوبر 2015

عنوان: ______________________

قلم کار: ______________________

نام: ______________________

پتا: ______________________

اے آر وائی کے خوبصورت پروگرام

م ش خ

قارئین اے آر وائی، آپ کا بے حد شکریہ آپ ہمارے حوصلے کو نئی روشنی خوبصورتی عطا کرتے ہیں آیئے اب چلتے ہیں خوبصورت پروگراموں کی طرف اے آر وائی ڈیجیٹل سے سیریل ''اعتراض'' جبکہ اے آر وائی زندگی سے سوپ ہماری بٹیا، سوپ بے گناہ، سوپ پھلجھڑیاں

کا اعتراض اس سیریل کو ناظرین بہت توجہ سے دیکھ رہے ہیں۔ اے آر وائی کی ای میل پر ناظرین اپنی پسند کا اظہار بھرپور طریقے سے کر رہے ہیں۔ اس سیریل کو تحریر کیا ہے سمیرا فضل ہدایت عامر یوسف کی ہیں جبکہ فنکاروں میں عمران عباس، ثانیہ سعید، سجا جاوید، شہریار، صبا فیصل، سندس

ARY زندگی کے سوپ ''ہماری بٹیا'' میں فاطمہ آفندی

اور سپر ہٹ پروگرام مڈ ونچر سیزن 2 خصوصی طور پر دکھایا جا رہا ہے اے آر وائی ڈیجیٹل کی سیریل 'اعتراض' کی کہانی کچھ یوں ہے۔ یہ محبت کی ایسی کہانی ہے جس میں محبت بن جاتی ہے عمر بھر

طارق، مناہل، جہاں زیب، ہاشم بٹ اور فرح ندیم قابل ذکر ہیں یہ اعلیٰ سیریل ہر منگل کی رات 8 بجے اے آر وائی ڈیجیٹل سے دکھائی جا رہی ہے۔ اے آر وائی ڈیجیٹل کے پروگرام مڈ ونچر سیزن 2

نے اپنی کامیابی کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔ مہوش حیات، ثناء فخر، فخر امام، ثنا عسکری، دانش حیات نے اپنی اداکاری کے معیار کو برقرار رکھا اور لوگ ان کے کرداروں کو پسند کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ ان فنکاروں نے غضب کا کام کیا ہے اس لاجواب اور منفرد شو کے ایگزیکٹو پروڈیوسر عبید خان ہیں، پروگرام میڈونچر سیزن 2 ہفتہ اور اتوار کی رات 10 بجے ARY ڈیجیٹل سے دکھایا جا رہا ہے جبکہ ARY زندگی سے سوپ ''پھلجھڑیاں'' برکت اور شہباز دونوں سگے بھائی

اسے تحریر کیا ہے دلاور خان نے جبکہ ہدایت عمران بیگ کی ہیں۔ کہانی کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو شگفتہ بیگم کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے ہے جبکہ ان کے شوہر ریٹائرڈ آدمی ہیں اور گھر میں سکون سے رہتے ہیں جبکہ شگفتہ بیگم ایک ظالم اور لالچی قسم کی عورت ہیں۔ ان کے تین بچوں میں دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ کہانی کا مرکزی کردار احمر کی بیوی لائبہ اور شگفتہ کے دیگر بچے ہیں۔ لائبہ شگفتہ کے بیٹے احمر کی بیوی ہے جو کہ سسرال کے ظلم برداشت کر رہی ہے شگفتہ اس سے ملازموں

ARY ڈیجیٹل کے پروگرام ''مڈونچر'' میں ثنا فخر اور فخر امام

ہیں یہ دونوں آپس میں بہت محبت کرتے ہیں اور ان دونوں کی بیویاں سگی بہنیں ہیں جو ایک دوسرے کو سخت ناپسند کرتی ہیں۔ اس کی ہدایت افتخار افی، تحریر کیا ہے گل نوخیز اختر نے جبکہ فنکاروں میں اشرف خان، سلمیٰ حسن، محبت بٹ، فرح علی، آغا صدف حسن، ایمان خان شامل ہیں یہ سوپ جمعہ سے لے کر اتوار تک ARY زندگی سے شام 7 بجے دکھایا جائے گا۔ سوپ ''بے گناہ'' جو ناظرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے

سے بھی بدتر سلوک کرتی ہے جبکہ لائبہ اپنے شوہر کی بہت خدمت کرتی ہے جبکہ احمر کا افیئر اُس کی بیٹی سے چل رہا ہے۔ احمر کی ماں شگفتہ بھی چاہتی ہے کہ احمر اپنے باس کی بیٹی سے شادی کرے تاکہ زندگی کے دن بہتر گزار سکیں کیونکہ لائبہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی ہے۔ کیا احمر اپنے باس کی بیٹی سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے؟ یہ تو اے آر وائی زندگی کے سوپ ''بے گناہ'' دیکھنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔ اس سوپ کے فنکاروں میں

قاضی واجد، گل رعنا، عالیہ علی، فرقان قریشی، عمر شہزاد، طاہر کاظمی، دیا مغل، حنیف محمد، فریال راجپوت اور کائنات قابل ذکر ہیں۔ یہ سوپ ARY زندگی سے جمعہ سے ہفتہ اور اتوار رات 7:30 بجے سے دکھایا جائے گا۔ ARY زندگی سے پیش کیا جانے والا سوپ 'ہماری بٹیا' کی کہانی کا مرکزی کردار فضا کے والد ہیں جو بے انتہا دولت مند ہیں۔ وقت کے ہاتھوں ماڈرن زندگی اپنانے کے باوجود اپنی روایات کی پاسداری کرتے ہیں اور زندگی کی ہر خوشی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو میں نوابوں کے سے اطوار پائے جاتے ہے مگر ان میں روایتی تہذیب اور اخلاق کا عنصر

ARY زندگی کے سوپ ''بے گناہ'' میں عالیہ علی اور دیا مغل

پایا جاتا ہے۔ اس کی ہدایت ایس حسن عباس، جبکہ فنکاروں میں محسن گیلانی، شائستہ جبیں، فاطمہ آفندی، سمن عابد، جویریہ اجمل، حماد خان، عدنان شاہ ٹیپو، یاسر، فرحت ناز، محمد حنیف،

ARY ڈیجیٹل کی سیریل ''اعتراض'' میں ثانیہ سعید

فرقان قریشی اور ارشد فاروقی قابل ذکر ہیں۔ سوپ 'ہماری بٹیا' پیر سے لے کر جمرات تک روزانہ 7 بجے دکھایا جائے گا۔ تمام مشکلات کے باجود اقرار اوران کی ٹیم پروگرام ''سر عام'' خوش اسلوبی سے کر رہے ہیں۔ پروگرام کے حوالے سے وسیم بتا رہے تھے کہ 'سر عام' میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر اقرار بھائی کی سنجیدہ طبیعت کے باعث ہم مشکلات پر قابو پاتے ہیں۔ قارئین اے آر وائی کی ویب کو روزانہ تقریباً 3 لاکھ آدمی پڑھتے ہیں جو ARY کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔

☆☆......☆☆

قسط 9

معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں، جو دھڑکنیں
بے ترتیب کر دیں گی، رفعت سراج کے جادوگر قلم سے

چمن مشکور احمد کے ادبی ذخیرے میں سے کوئی تاریخی ناول نکال لائی تھی اور اندر سے شور غوغا کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے مطالعہ کرنے میں مصروف تھی کہ عطیہ بیگم جلدی کے انداز میں دروازہ چوپٹ کھول کر اندر چلی آئیں۔ طرز آمد اتنا غیر معمولی تھا کہ چمن کو چونک کر ہڑبڑا کران کی طرف دیکھنا پڑا۔

اس سے پیشتر کہ لب کشائی کرتی عطیہ بیگم بڑے پرجوش لہجے انداز میں گویا ہوئیں۔
شکر ہے مالک کا...... سب ٹھیک ہے...... جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی مگر اب سکون ہے۔
کیا ہوا امی......؟ کچھ سمجھ نہیں آئی...... چمن تجسس کی انتہا پر پہنچ چکی تھی ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے میری ثمر سے بات ہوئی ہے۔
دشمن جان کا نام سن کر دل بڑے زور سے دھڑکا...... دو چاہنے والوں کے درمیان جدائی کا وقفہ از سر نو رومان کا آغاز بن جاتا ہے ثمر کا نام ماں کے منہ سے نکلا اور دل مچلنے لگا۔
محبوب کے ٹھکانے سے آنے والی ہوائیں بھی بہشت کا تصور زندہ کر دیتی ہیں...... ماں کے انداز سے لگتا تھا کہ خوش خبری کا توشہ پریاں سر پر اٹھا کر لائی ہیں۔
میں نے تم سے کہا تھا ناں...... میاں بیوی کا رشتہ ہے ہی ایسا دشمنوں کی طرح لڑتے ہیں بچوں کی طرح صلح کرتے ہیں۔
صلح...... کانوں میں کسی نے امرت یا شہد ٹپکایا تھا۔
وہ ساری رومانی راتیں نگاہوں میں ٹھہرنے لگیں جو ذات کی تکمیل کے سامان کرتی ہیں...... حتیٰ کہ کسی کی گرم سانسیں چہرے کو یوں چھونے لگیں جیسے فاصلے محض تصوراتی تھے کوئی پاس ہی کھڑا قرب کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔
بات کیا ہوئی......؟ یا آپ نے درخواست کی تھی......؟ وہ محبت ہی کیا جو بدگمانی کی دلدل سے ہو کر نہ گزرے۔

میں کیوں درخواست کرنے لگی...... تمہاری ساس کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں...... کریلے کو نیم پر نہیں چڑھاؤں گی۔
ماں کا جواب اتنا معقول اور جامع تھا کہ چمن میں جان آ گئی اب اس نے کلام کے بجائے سوالیہ نظروں سے ماں کا چہرہ کا مشاہدہ کیا جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹو...... ابھی تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر آتی ہوں۔ عطیہ بیگم پر ایسی عجلت سوار تھی گویا ذرا سی دیر ہو گئی تو ثمر اپنا فیصلہ تبدیل ہونے کی خبر سنانے کے لیے فون کر دے گا۔
امی مجھے بھی تو بتائیں ایسا کیا کہا ہے ثمر نے کہ آپ اتنی رات کو وہاں جانے کے لیے تیار ہو گئیں...... آخر صبح بھی تو ہو گی۔
ارے بیٹا! آفرین ہے تم پر...... عورت اپنے گھر سے باہر ہو اور اسے اپنے گھر جانے کی جلدی نہ ہو...... وہ بھی کوئی عورت ہے......
جب سے تم آئی ہو میں کتنی مرتبہ مری اور کتنی مرتبہ زندہ ہوئی ہوں کبھی تمہارے طرف کبھی تمہارے باپ کی طرف دیکھتی تھی...... انہیں ایک اٹیک پڑ چکا ہے۔
ارے میرا تخت وتاج ہے ان سے...... میری عمر بھی ان کو لگ جائے...... چلو بیٹا شاباش...... اب دیر نہ کرو۔
عطیہ بیگم خوش کے مارے ریشہ خطمی ہو رہی تھیں۔ داماد نے بڑا مان رکھا تھا سوکھے دھانوں پر پانی پڑا تھا وہ کسی بھی صورت Risk لینے کو تیار نہ تھیں۔
ثمر خود کیوں نہیں آئے......؟ انہیں خود آنا چاہیے تھا چمن کے پندار نے اسے مشکل میں پھنسانا چاہا۔
اتنی بڑی بات اس نے کہہ دی کہ اس کا گھر ہے...... وہ خود گئی ہے تو خود ہی آجائے......

امی...... چمن اب بھی تذبذب کا شکار ہو رہی تھی۔
ماں پر رحم کرو بیٹا...... اللہ بگڑی بات بنا رہا ہے...... رحم کرو خود پر بھی اور ہم پر بھی...... عطیہ بیگم بولتے بولتے آبدیدہ ہونے لگیں تو چمن ماں کے آنسو دیکھ کر شرمندہ ہوگئی ان آنسوؤں کا باعث وہ تھی۔
اس نے ماں کی طرف دیکھا اور انا کے چہرے پر خاک اچھال دی۔

☆......☆......☆

نانا جان پلیز آپ یہ ٹیبلیٹ کھالیں ندا اپنے نانا شبیر حسین کو کافی دیر سے دوا کھلانے کے جتن کر رہی تھی ۔ ہاتھ میں پانی کا گلاس اور دوسرے ہاتھ پر ٹیبلیٹ رکھے ایک بے بسی کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ بیٹا ہم نے کہا ناں کے ہم انگریزی دوا نہیں کھائیں گے...... ارے ان انگریزی دواؤں پر اللہ کی لعنت...... ہم نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ ہم مر جائیں گے مگر یہ دوائیں نہیں کھائیں گے۔ شبیر حسن بچوں کی طرح مچل کر بول رہے تھے۔ ندا کے لیے اس وقت نوزائیدہ بچے کی مثل تھے جسے کروٹ بھی ماں دلاتی ہے اور کرسٹل کی طرح سنبھالتی ہے۔ نانا جان یہ دوا نہیں ہے آپ کا Bp Low ہے۔ یہ وٹامن کی ٹیبلیٹ ہے اور نج فلیورڈ ہے کڑ دی بھی نہیں ہے......
ارے کہا ناں جب ہمارا عقیدہ ہی نہیں ان بدیسی ٹوٹکوں پر تو خاک شفا ہوگی ہمیں...... اٹھا کر باہر پھینک دو۔
میں یہ نہیں کر سکتی۔ آپ میرے پیارے نانا جان ہیں۔
کیسے اٹھا کر باہر پھینک دوں...... ندا بری طرح پریشان ہوگئی ارے ہمیں نہیں...... ان دواوں کو...... شبیر حسین نے بری طرح دھاڑنے کے لیے زور لگایا زور ہوتا تو لگتا...... بری طرح ہانپنے لگے۔
نانا جان...... ندا نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی شبیر حسین نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔
تم اچھی طرح جانتی ہو ہم ان ڈاکٹروں سے دور بھاگتے ہیں۔ ہمیں جانا ہوتا تو کب کا چلے جاتے کسی نے زنجیروں سے تو نہیں باندھا ہوا۔
حکیم صاحب آنے والے ہیں...... دوا ساتھ لا رہے ہیں۔ ان کی دوا سے اچھے ہو جائیں گے...... فکر نہ کرو...... شبیر حسین پھولی پھولی سانسوں کے درمیان بدقت تمام گویا ہوئے۔ آپ تو ویسے ہی بہت اچھے ہیں میں کب آپ کو برا کہہ رہی ہوں۔
آپ کے یہ حکیم صاحب...... دو سال سے آپ کو چورن کھلا رہے ہیں۔ درختوں کے پتے جلا کر پیس کر لاتے ہیں۔
خبردار...... شبیر حسن نے ہاتھ بلند کر کے ندا کو مزید بولنے سے روکا۔ ندا گھبرا کر دھپ سے ان کے قریب پڑی "غدر" میں بچی ہوئی نایاب کرسی پر ڈھے ہوگئی۔ یہ وہ تاریخی کرسی تھی جو شبیر حسین کے پردادا نے بہادر شاہ ظفر کے قید ہونے کے بعد ان سے 'تبرکا' حاصل کی تھی۔ پشت در پشت اس کی Mentainess ہو رہی تھی اس میں گڑی ہر سائز کی میخوں سے اس کی قدامت Certifeed ہوتی تھی۔
ایسے حاذق، جہاں ہیں، مردم شناس، نبض شناس حکیم کسی کو نصیب سے ملتے ہیں...... حکمت ان کے خون میں ہے۔
ارے محمود غزنوی کے لشکر میں جو شاہی طبیب ہوتے تھے ان کے دادا اس کے ہیڈ ہوتے تھے۔
جی میں سمجھ گئی...... حکیم صاحب کے گرینڈ فادر ہیڈ آف دی پینل ہوتے تھے۔

''ارے...... ہم تو کبھی پیوند خاک ہو گئے ہوتے یہ تو حکیم کے کشتوں کا کمال ہے کہ اس عمر تک بچ گئے۔
اور خبردار جو تم نے ان کے کشتوں کو چورن کہا۔ شاہی اطباء کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انگریزوں کو اسی لیے دھکے دے کر دیس سے نکالا تھا کہ ہماری اولادیں آزاد ہو کر بھی ان کی غلامی کریں۔
ہم نے کمشنری ٹھکرادی تھی...... صرف اس وجہ سے کہ انگریز کا پہناوا پہننے کی پابندی نہیں تھی...... شبیر حسن کا تفاخر درمیان میں کھانسی کے زور میں ٹوٹ گیا۔
انگلش تو پڑھی تھی نا تب ہی تو جاب آفر ہوئی ہوگی...... ڈنڈے کے زور پر پڑھی تھی ہماری اماں جان نے خودکشی کی دھمکی نہ دی ہوتی تو ہم کبھی نہیں پڑھتے۔
جنت مکانی احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھیں کہ خاندان کے سب لونڈے گوروں کی پڑھائی پڑھتے ہیں۔ ہمارے صاحبزادے ہمیں رسوا کرتے ہیں دنیا کیا کہے گی ٹیپو سلطان کی پڑنواسی جاہل رہ گئی......
مجبوری تھی...... کیا کرتے...... ؟ ماں سے منہ زوری تو نہیں کر سکتے تھے ناں......؟
آپ نے نانی جان کی اتنی باتیں مانی ہیں...... ایک میری بھی مان لیں صرف یہ ایک ٹیبلیٹ کھالیں...... دوسری نہیں کھلاؤں گی ندا نے اسی لیے ان کی ساری باتیں غور سے سنی تھیں کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر ہلکے پھلکے ہو جائیں تو وہ استاد باؤ ڈالے کہ شبیر حسین مزاحمت نہ کر سکیں۔
تم زمیں آسمان ایک کردو...... ہم نے انگریزی دوا نہ کھانے کی قسم کھائی ہے شبیر حسن کی ہٹ اور رٹ دونوں برقرار تھیں۔ ندا زچ ہو گئی۔
یہ تو خودکشی ہوگی نانا جان...... خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہوگا......؟
ماموں جان پورے دو سال سے کہہ رہے ہیں کہ وہ ہمیں امریکہ بلالیں گے...... دیکھ لیجیے...... نہ آتے ہیں نہ بلاتے ہیں ندا نے رونے والی شکل بنائی۔
ہمیں ویسے بھی نہیں جانا...... وہ کہتے ہیں، ہم سن لیتے ہیں......
ادھر بھی تو 'چرچل' اور 'ماؤنٹ بیٹن' کی اولادیں رہتی ہیں۔ ارے، ہم اسی پاک سرزمیں میں دفن ہوں گے اب تم جاؤ اپنا کام کرو...... شبیر حسین نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں اور ندا کی طرف سے کروٹ لے لی۔
بے بسی کی وہ انتہا آپہنچی جب آنکھیں چھلکتے پیمانے بن جاتی ہیں جتنی دھند آنکھوں کے سامنے تھی اس سے زیادہ ذہن کے پردے پر تھی۔

☆......☆......☆

دروازہ ثمر نے کھولا تھا۔ چمن اور عطیہ بیگم کو رات گئے اپنے سامنے پا کر ایک لمحے کو تو چکرا کر رہ گیا۔ نفیس، مہربان، مہذب، ناپ تول کر بات کرنے والی خوش دامن کو انتہائی مخدوش حالات کے بعد فیس کرنا آسان نہ تھا۔ چمن تو بڑی سی چادر میں لپٹی رخ پھیرے کھڑی تھی مگر عطیہ بیگم تو براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔
السلام وعلیکم آنٹی...... آپ اس وقت...... آیئے پلیز...... اب ثمر نے ٹپٹا کر ایک طرف ہوتے ہوئے آنے کا راستہ دیا۔
وعلیکم السلام بیٹا...... جس ماں کی بیٹی کی گرہستی داؤ پر لگی ہو اس کے لیے دن رات برابر ہوتے ہیں۔ عطیہ

بیگم کی آواز گلوگیر ہوگئی۔
آیئے اندر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں...... ثمر نے نگاہ بچا کر چمن کی طرف دیکھا جو قرب کی منزلوں سے گزر کر پھر سرحدوں کے پار کھڑی محسوس ہو رہی تھی۔
بیٹا میں چمن کو چھوڑنے آئی تھی۔ مشکور صاحب سو رہے تھے۔ میں نے تو انہیں بھی نہیں بتایا۔ فون کر کے ٹیکسی منگوائی تھی اب اسی میں واپس جاؤں گی۔
عطیہ بیگم کی بات سن کر ثمر کی توجہ میٹرو کیب کی طرف گئی ڈرائیور فرنٹ ڈور کے دروازے سے پشت ٹکائے عطیہ بیگم کی واپسی کا منتظر تھا۔
اپنی ماں کو میرا اسلام کہنا۔ عطیہ بیگم نے چمن کی طرف دیکھ کر جانے کے لیے پر تولے......
اس طرح تو اچھا نہیں لگتا تھوڑی دیر بیٹھیے تو پلیز...... چمن امی سے کہو ناں ثمر نے چمن کو یوں مخاطب کیا جیسے دونوں چاند رات کی شاپنگ کر کے گھر پہنچے ہوں...... اور عید کی صبح کے خوش گوار احساسات سے گزر رہے ہوں۔
نہیں بیٹا اب تم دونوں اتوار کو گھر آنا...... میں انتظار کروں گی...... مشکور صاحب ویسے تو اب فجر میں ہی اٹھیں گے مگر درمیان میں بھی نیند ٹوٹ سکتی ہے میں نظر نہ آئی تو پریشان ہوں گے...... صبح پوچھیں گے تو کہہ دوں گی ثمر رات کو چمن کو لینے آیا تھا اس لیے چلی گئی۔ خدا حافظ بیٹا' یہ کہہ کر انہوں نے چمن کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
عورت کا کام صرف گھر سنبھالنا ہی نہیں مرد کو بھی سنبھالنا ہوتا ہے جاؤ اندر جا کر آرام کرو اللہ کی امان میں۔
ساس کی وضع داری اور متانت نے ثمر کے سارے نٹ پیچ ڈھیلے کر دیے۔ وہ اپنی جگہ کھڑا خاصا شرمندہ ہو رہا تھا۔
عطیہ بیگم Cab میں بیٹھیں...... چمن نے ہاتھ لہرا کر ماں کو خدا حافظ کیا۔ Cab روانہ ہوتے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا۔ چمن اس سے چار قدم آگے تھی دھوپ چھاؤں جیسے رشتے نے چار قدم کا فرق سیکنڈ میں مٹا دیا۔

☆......☆......☆

ندا...... ارے ہمیں آ کر اٹھانا...... ارے میں مرا...... ندا شبیر حسین کے لیے فرمائشی دلیہ بنا رہی تھی۔
شبیر حسین کی چیخ پر چمچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑا...... وہ گرتی پڑتی کمرے میں آئی۔ اور جو منظر آنکھوں نے دیکھا اس نے تو ہوش ہی اڑا دیے۔
شبیر حسین آدھے بیڈ پر وہ آدھے زمین پر پڑے ہوئے تھے اور تیز تیز سانس لے رہے تھے۔
آپ کیسے گر گئے نانا جان......؟ کیا واش روم جا رہے تھے......؟ پہلے آواز کیوں نہیں دی......؟ ندا روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی اور ساتھ ہی انہیں اٹھا کر کھینچ کر بیڈ پر لٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔
مگر شبیر حسین اپنے حواسوں میں نہیں تھے اس کھینچا تانی میں اس کی طرف سے کسی قسم کا تعاون نہیں تھا۔ سارا بوجھ ندا نے برداشت کرنا تھا...... جو خود دھان پان سی تھی۔
شبیر حسین کو بیڈ پر جیسے تیسے لٹانے میں کامیاب تو ہوگئی مگر اس کی اپنی حالت غیر ہوگئی۔ وہ شبیر حسین سے زیادہ ہانپ رہی تھی۔ شبیر حسین نیم بے ہوشی کی کیفیت میں آنکھیں بند کیے ہوئے تھے اور ندا تاریخی کرسی پر بیٹھی بڑی بے بسی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے بڑی بے دم سی آواز میں پکارا نانا جان...... آپ میری آواز سن رہے ہیں......؟ پانی پلاؤں آپ کو یہ کہتی ہوئی وہ پھر کرسی سے اٹھ گئی۔

جواب میں گہری خاموشی تھی۔ سانسیں بھی مدھم تھیں۔ اب ندا کے درحقیقت چھکے چھوٹ گئے...... ابھی تک ان کے حکیم صاحب المعروف شاہی طبیب حکمت جن کے گھر کی لونڈی تھی تاحال تشریف نہیں لائے تھے۔ ڈاکٹروں سے بیر تھا اور صدیوں پیچھے ہی چلنا تھا تو کم ازکم کوئی گھوڑا ہی تیار رکھتے تاکہ بروقت مریض تک تو پہنچ جاتے...... ڈاکٹر موٹر تو ماڈرن دنیا کے لوازمات ٹھہرے اور رہی ایمبولینس وہ تو سفرِ آخرت سے پہلے کا چھوٹا سا سفر' کنسیڈر' کیا جاتا تھا۔ اس کا تو نام لینا ہی قیامت تھا۔

رات کا عالم...... سیریس پیشنٹ...... اور ایک کم ہمت تنہا لڑکی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

☆......☆......☆

بانو آپا تو مسکن ادویات زیراثر گہری نیند سوئی ہوئی تھیں۔ ان سے آمنا سامنا صبح ہی ہونا تھا۔ اور پھر جو ہونا تھا وہ بہت صبر مشقت سے سہنا تھا۔

ابھی تو ایک معرکہ رات کو سر ہونا تھا۔ شدید جنگی حالات پھر مذاکرات پھر سمجھوتے، معاہدے، شرائط و ضوابط...... آئندہ جنگی صورت حال سے بچنے کی حکمت عملی، خدشات کی روک تھام...... اتنا بہت سا کام اور ایک رات وہ بھی جو آدھی گزر چکی ہو۔ چمن نے بیڈروم میں داخل ہوکر چادر اتار کر صوفے کی پشت پر ڈال دی تھی اس دوران ثمر بیڈروم کا دروازہ Lock کر رہا تھا چمن صوفے پر بیٹھ گئی اس نے اپنے تئیں طے کرلیا تھا کہ وہ بولنے میں پہل نہیں کرے گی۔ سو خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

ثمر نے ایک اچٹتی نگاہ چمن پر ڈالی اور چند قدم آگے بڑھا کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

Change کر کے آرام کرو...... آ گئی ہو...... اچھا کیا...... میں گزری ہوئی کسی بات کو دہرانا نہیں چاہتا۔

گزری باتیں دہرانے سے کبھی کسی کو فائدہ نہیں ہوا۔ تلخیاں اپنی جگہ رہتی ہیں...... فاصلے بڑھتے جاتے ہیں اور یوں ساتھ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں جیسے دو مویشی ایک استھان پر بندھے ہوں...... ایک چارے پر منہ مارتے ہوں اور ایک دوسرے سے منہ پھیر کر سو جاتے ہوں۔

ثمر شاید مزید کچھ کہتا اس کے موبائیل پر Ring ہونے لگی تھی۔

دونوں Ring سن کر اپنی اپنی جگہ چونک پڑے۔ چمن کو فوراً ماں کا خیال آیا تھا۔ ثمر بھی فکرمند ہوکر اپنا موبائیل اٹھا رہا تھا۔ چمن دھڑکتے دل سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اسکرین پر ندا کا نمبر Blink ہو رہا تھا۔ رات کے اس پہر وہ بے وقوف لڑکی اسے کیوں فون کر رہی تھی۔ دل چاہا کال ریسیو کیے بغیر فون آف کر دے اور صبح آفس پہنچ کر اسے بے بھاؤ کی سنائے مگر وہ ایسا کر نہ سکا۔ دل کہہ رہا تھا کہ اتنی رات کو وہ بلاوجہ فون نہیں کرسکتی یہ الگ بات کہ ثمر کے نزدیک وہ وجہ اہم نہ ہو اس نے محتاط انداز میں بہرحال کال ریسو کرلی۔

ہیلو......؟

سر...... پلیز...... اس وقت آپ کی بہت سخت ضرورت ہے نانا جان بے ہوش ہوگئے ہیں۔ میں نے بہت مشکل سے انہیں کھینچ کر بیڈ پر لٹایا ہے میں تو ڈر کے مارے ان کی نبض بھی چیک نہیں کر رہی...... کہیں خدانخواستہ وہ اللہ کو پیارے تو نہیں ہوگئے ثمر کا ہیلو سن کر وہ روتے ہوئے ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔ ثمر کے تو یہ سن کر چھکے چھوٹ گئے تھے۔

گھر میں اور کون ہے...... میرا مطلب ہے آپ کے پاس کوئی ہے؟ ثمر نے پریشانی کی انتہا پر سوال کیا تھا۔

سر دس مرتبہ بتا چکی ہوں گھر میں بس ہم دونوں ہوتے ہیں وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عورت کے آنسو بہت طاقتور ہتھیار ہوتے ہیں کیونکہ مرد کی آنکھوں میں آسانی سے آنسو نہیں آتے۔ جب عورت کو زارو قطار روتا ہوا دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ دنیا کا مشکل ترین کام کر رہی ہے۔ شریف اور سادہ مزاج مرد کو آنسوؤں کی تاب نہیں لا پاتے۔ چمن بہت فکر و تشویش سے ثمر کی طرف دیکھ رہی تھی جو ہیلو کہنے کے بعد سے ابھی تک صرف سن رہا تھا یا پھر درمیان میں ایک مختصر سوال کر چکا تھا۔ جیسے زیر سماعت مقدمے میں جج وکیل کو سنتے ہوئے مختصراً کوئی ضمنی سوال کر جاتا ہے اور وکیل پھر سے شروع ہو جاتا ہے۔

سر پلیز...... آجائیں...... ورنہ میں بھی بے ہوش ہوگئی تو پرابلم ہو جائے گی...... نانا جان کے وہ منحوس حکیم صاحب بھی نہیں آئے ورنہ میں آپ کو فون ہی نہ کرتی۔

کسی منحوس حکیم کا بھی ذکر آ گیا تھا...... مگر یہ وقت نہیں تھا کہ نحوستوں اور برکتوں پر ضمنی سوال اٹھائے جاتے۔

میں آ رہا ہوں...... آپ خود کو سنبھالیے۔

بلاوے میں کہاں اثر تھا۔ ایک بے بس لڑکی کے آنسو ایٹم بن گئے تھے۔ اس نے فون بند کر کے چمن کی طرف دیکھا۔

میں ایک گھنٹے کے لیے باہر جا رہا ہوں...... ایک سیریس پیشنٹ کو ہاسپٹل پہنچانا ہے۔

یہ کہہ کر اس نے آگے بڑھ کر والٹ اور کار کی چابی اٹھائی اور پھر ایک نظر چمن پر دوڑائی......

میرا انتظار مت کرنا...... سو جانا...... جلدی آنے کی کوشش کروں گا یہ کہہ کر ثمر رُکا نہیں...... بڑی عجلت میں کمرے سے نکل گیا۔

یہ فون کال تو رحمت بن گئی تھی مشکل رات آسان ہوگئی تھی۔ اس نے دروازہ بند ہوتے ہی کھل کر سانس لیا جیسے ثمر نے اس کا آکسیجن سلنڈر بند کیا ہوا تھا۔

لڑ کر میکے جانے والی عورت جب واپس اپنے گھر آتی ہے تو اپنا کمرہ اور بستر دیکھ کر بہت کچھ بھول جاتی ہے۔ اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ ہزاروں راتوں کے رت جگے سے گزری ہے۔

فون کس کا تھا......؟ پیشنٹ کون ہے...... تھکے ہوئے اعصاب سوالات کا جواب لینے کے لیے عجلت میں نہیں تھے اب تو بس آنکھیں موند کر بیڈ پر گر جانے کو جی چاہتا تھا۔

اس نے شب خوابی کے لباس کی تلاش میں ڈریسنگ میں جھانکا وہ اسی طرح لٹکا ہوا تھا جس طرح وہ لٹکا کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

ندا پتھر کا بت بنی شبیر حسین کو دیکھ رہی تھی۔ چاروں اور وحشت ناک سناٹا راج کر رہا تھا۔ چالیس سال پرانے چھت کے پنکھے سے جو آوازیں پیدا ہو رہی تھیں وہی گھر اور قبر کا فرق مٹا رہی تھیں۔

معاً شبیر حسین نے کراہنا شروع کیا...... ندا بری طرح چونک پڑی خوشی اور بے یقینی کی کیفیت آنکھوں میں ہویدا ہوئی......

نانا جان ہوش میں ہیں...... یا اللہ تیرا شکر ہے وہ کرسی سے اٹھ کر کے چہرے پر جھک گئی......

نانا جان آپ میری آواز سن رہے ہیں...... ؟ پانی پئیں گے...... ؟ ارے حکیم صاحب بہت دیر کر دی آپ نے...... ہماری نواسی تو ہمیں انگریزی شفا خانے میں پھینکنے جا رہی تھی جملہ ادھورا رہ گیا بھرپور کھانسی سرکاری کاروائی کی طرح شروع ہو گئی۔

جس کا کوئی منطقی انجام نہیں ہوتا...... ندا جلدی سے دوڑ کر پانی لائی اور شبیر حسین کا سر اونچا کر کے گلاس منہ سے لگا لیا۔

بمشکل دو گھونٹ پی کر انہوں نے ندا کا ہاتھ پرے کر دیا۔ ہم سمجھے حکیم صاحب آ گئے۔

وہ نہیں آئیں گے ان کے وارنٹ نکلوانے پڑیں گے...... بیمار کو اس حال میں پہنچا دیا ہے...... اب کیا منہ لے کر آئیں گے اور ایک مرتبہ آ جائیں...... پھر دیکھیے میں کیا کرتی ہوں...... ندا دانت کچکچا کر کہہ رہی تھی۔ اسی اثنا میں کال بیل کی آواز کسی چیخ پکار کی طرح ماحول میں اتری۔

حکیم صاحب آ گئے...... شبیر حسین کی اکھڑی سانسیں بحال ہونے لگیں۔ ندا نے غصے کی شدت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

کون...... گیٹ کے قریب پہنچ کر اس نے بڑے نروٹھے پن اور اکھڑ پن سے پوچھا تھا۔

ثمر...... پس در نہایت مختصر جواب ملا۔

لمحہ کی تاخیر کے بغیر ندا نے گیٹ کا ذیلی دروازہ کھول دیا تھا۔ ثمر اپنے معمول کے آفس والے حلیے کے برخلاف گرین ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں اس کے سامنے تھا۔ اس لیے پہلی نظر میں وہ تو ندا کو کوئی اجنبی لگا...... گیٹ کے دونوں سروں پر لگے گول مرکری لیمپ کی روشنی بہت مدھم تھی...... رات کے اس پہر صورت ہیولہ لگتی تھی۔

السلام وعلیکم سر...... آئیے پلیز ابھی ابھی ہوش میں آئے ہیں اور اپنے چہیتے حکیم صاحب کو پکار رہے ہیں۔ اگر آپ آج انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دیتے ہیں تو میں ساری زندگی آپ کا احسان نہیں بھولوں گی میں تو چاہتی ہوں میرے نانا کی عمر پورے دو سو سال ہو کیونکہ اگر وہ دنیا سے چلے گئے تو میرا کیا ہوگا۔

آپ راستہ دیں گی تو میں اندر آؤں گا۔ ندا قدرے شرمندہ ہو کر گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔ ثمر گھر کے اندر داخل ہوا تو ندا نے گیٹ بند کر دیا۔ جتنی دیر آپ گیٹ پر کھڑی ہو کر بولی ہیں اتنی دیر اگر کسی سیریس پیشنٹ کو آکسیجن نہ ملے تو وہ اللہ کو پیارا ہو سکتا ہے۔

کہاں ہے آپ کے نانا...... ؟

سامنے ہی ان کا کمرہ ہے...... آپ خود دیکھ لیجیے ان کی کیا حالت ہے...... اب تو میں Job بھی نہیں کر سکتی...... آپ بہت عظیم انسان ہیں سر...... اتنی رات کو......

خاموش ہو جائیے...... اخبار آپ صبح بھی پڑھ سکتی ہیں ثمر اس سے زیادہ اخلاقیات کا مظاہرہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ ٹوک دیا ندا اب ڈر سی گئی اور چپ چاپ ثمر کو لے کر شبیر حسین کے کمرے میں آ گئی۔ شبیر حسین نے قدموں کی آہٹ پائی تو ایک دم پرجوش ہو گئے

حکیم صاحب دوا ساتھ لائے ہیں ناں...... ارے آج تو ہم مر گئے بہت کمزوری ہو رہی ہے...... آپ نے

شام کو آنے کا جو بولا تھا۔ مطب میں رش بہت ہوگا......

نانا جان...... نانا جان...... آپ کے حکیم صاحب کا انتقال ہوگیا انہوں نے غلط کشتہ کھالیا تھا۔ اسی لیے میں نے ایک نئے ماڈرن حکیم کو بلایا ہے۔

ندا بری طرح تپ کر گویا ہوئی تھی...... ثمر نے تو اپنی زندگی کا ایک تجربہ پایا تھا۔

اس کے سامنے اسی برس کا استخوانی ڈھانچہ شیشم کے قدیم جہازی سائز بیڈ پر یوں دھرا تھا گویا وسیع آسمان پر آخری تاریخوں کا آدھا گہن زدہ چاند۔

غیر جانبدار بندہ تو بزرگی و ناتوانی کی اس بھرپور تصویر کو دیکھ کر بے ساختہ طور پر یہی سوچ سکتا تھا کہ شاید فرشتے بھول گئے۔ ''ندا اپنی زبان کو لگام دو۔'' ہر وقت حکیم صاحب کی توہین کرتی ہو...... اب انہیں مرنے مارنے پر تل گئیں......؟ شبیر حسین برہم ہوئے تو ندا کو بھی اندازہ ہوا کہ وہ مکمل ہوش میں ہیں...... السلام و علیکم...... ثمر کو احساس ہوا کہ اپنی موجودگی کا احساس خود ہی دلانا ہوگا۔

شبیر حسین ایک نامانوس آواز سن کر درحقیقت چونک پڑے کون......؟ ان کا چوکنا ہونے اور کان کھڑے کرنے کا انداز دانہ چگتے مرغے جیسا تھا جو آہٹ پر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ نانا جان میرے باس آئے ہیں...... سلام کر رہے ہیں...... شبیر حسین نے گردن موڑ کر اپنے دائیں جانب دیکھا ثمر بالکل قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔

شبیر حسین کی آنکھیں پہلے سکڑیں اور پھر مقدور پھیلیں...... تشریف رکھیے...... اتنی رات کو کیسے زحمت کی......؟

آپ کی خیریت پتا کرنے آئے ہیں...... آپ بے ہوش ہوگئے تھے...... میں نے فون کر کے بلایا ہے...... تا کہ آپ کو ہاسپٹل لے جائیں ندا نے بڑی صراحت کے ساتھ جواب گوش گزار کیا۔

تمہارا دماغ خراب ہے...... رات کو لوگوں کو پریشان کرتی ہو؟ شبیر حسین برسنے کی کوشش کی مگر کھانسی ان کے عزائم کے آڑے آ گئی۔ سلسلہ کلام جاری نہ رہ سکا۔

ندا اور ثمر بڑی بے بسی کی کیفیت میں کھانسی رکنے کا انتظار کرنے لگے جو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

ہاسپٹل لے کر جانا ہے......؟ ثمر نے آہستہ سے ندا سے پوچھا...... ہاسپٹل کا نام سن کر شبیر حسین تڑپ گئے مگر کھانسی کی وجہ سے کچھ کہنے کا یارا نہ تھا۔ اپنی کھانسی سے خود ہی عاجز آ گئے اور ہاتھ پاؤں پٹخنے لگے...... ثمر تو یہ کیفیت دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا۔

درحقیقت اسے ندا پر بہت ترس آیا...... ایک لڑکی اس نازک صورت حال کا مقابلہ کب تک کر سکتی تھی اگر اس نے گھبرا کر ثمر کو فون کر دیا تو وہ حق بجانب تھی۔ گھر میں اترتی ہوئی خاموشی اور کھانسی خراش آواز حالات کی نزاکت اور ندا کی بے بسی کی ترجمان تھی...... انسانیت کے ناتے دل میں فوری کوئی عملی قدم کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی آپ کے علاوہ ان کے پاس کوئی نہیں ہوتا......؟ ثمر نے بڑی ہمدردی سے ندا کی طرف دیکھا تھا۔

شام چھ بجے تک میڈ ہوتی ہے...... پڑوس میں ایک آنٹی ہوتی ہیں وہ بھی ہمارا بہت خیال رکھتی ہیں آج کل وہ حیدرآباد شادی میں گئی ہوئی ہیں کوئی بات ہو تو میں ان کو بلا لیتی ہوں۔

اوہ...... ثمر کو شدید تاسف ہوا...... اسے احساس ہوا کہ ندا جو ہر وقت حواس باختہ اور پریشان نظر آتی ہے تو

اپنی جگہ درست ہے۔ دیکھا جائے تو بڑی ہمت سے حالات کی جنگ لڑ رہی ہے اسے اپنی اس ڈانٹ پھٹکار پر ندامت محسوس ہوئی جو وہ اکثر کرتا رہتا تھا۔ یہ بھی سمجھ آ گئی کہ ندا کی آنکھیں ہر وقت چھلکنے کو کیوں بے تاب رہتی ہیں؟

آپ کا بہت بہت شکریہ...... آپ نے بہت تکلیف کی...... نا سمجھ بچی ہے...... درگزر فرمائیں...... ہم تو جی سنبھلتے ہی شکرانہ پڑھیں گے کہ ہمیں ہوش آ گیا ورنہ یہ تو ہمیں اسپتال میں پھینک دیتی اور اسپتال والے مردہ خانے پہنچا دیتے۔

بعد مرگ برف کی سلوں پر پڑے رہنے سے تو اچھا ہے کہ گھر سے نکلیں اور قبر میں اتر جائیں۔

کھانسی کا زور ٹوٹتے ہی شبیر حسین نے ثمر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے قیمتی خیالات سے بھی فیض یاب کیا......

ان کی بات سے ثمر کو ندا کی مشکلات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو گیا......

آئی ایم سوری سر...... میں نے آپ کو بہت پریشان کیا...... شارق آفس میں مجھے بہت ہیلپ کرتا ہے میں نے پہلے اسی کو فون کیا تھا مگر شاید وہ آف کر کے سوتا ہے اگر اس سے بات ہو جاتی تو میں کبھی اتنی رات میں آپ کو ڈسٹرب نہ کرتی۔

Its ok۔

No problem ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے Help مانگ لیتے ہیں...... مجھے بتایئے اب کیا کرنا ہے......؟ ثمر نے آہستہ سے پوچھا۔

نانا جان تو ہوش میں آنے کے بعد کسی بھی طرح ہاسپٹل نہیں جائیں گے......

بالکل نہیں جائیں گے...... اسپتال تو مرنے کے لیے جاتے ہیں آخر میں اپنے گھر میں کیوں نہ جان دیں؟ شبیر حسین کی سماعتیں چوکس تھیں...... وہ دونوں کی باتیں بہت توجہ سے سن رہے تھے اسی لیے درمیان میں ہی پھٹ پڑے۔

بہر حال...... میرا ہر طرح کا تعاون آپ کے ساتھ ہے Any Time آپ مجھے فون کر سکتی ہیں اور دل لگا کر نانا جان کی خدمت کیجیے۔ چھٹی کے لیے ایک Mail جنریٹ کر دیجیے گا۔ ہم سے زیادہ آپ کے نانا جان کو آپ کی ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر ثمر کھڑا ہو گیا اور ایک نگاہ شبیر حسین پر دوڑائی۔ جو آنکھیں بند کیے گہری سانسیں لے رہے تھے ہونٹ اور نتھنے ایک ساتھ پھڑک رہے تھے شاید اب مزید گویائی کی تاب نہ تھی۔ ورنہ کچھ نہ کچھ ضرور بولتے۔

حکیم صاحب نے جو دوا دی ہے آپ وہی دیجیے بہر حال حکمت اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، بہت سے لوگ ہربل دوا سے ہی ٹھیک ہوتے ہیں۔ دوا انسان تیار کرتے ہیں شفا اللہ دیتا ہے۔

جی...... ! ندا نے سر ہلایا۔

ثمر نے اطراف میں نظر دوڑائی...... پرانی وضع کا بنا ہوا گھر فرش کا ماربل جو سیاہ اور سفید دانوں کی صورت میں بچھایا گیا تھا کئی جگہ سے اکھڑ رہا تھا۔

فرنیچر کے نام پر جو چیز نظر آتی تھی۔ اپنی تاریخی حیثیت کا اعلان کرتی نظر آتی تھی۔

فرنیچر پرانا ضرور تھا مگر مضبوط اور قیمتی تھا۔ جس سے یہ تو پتا چلتا تھا کہ ماضی کے مکینوں کا شمار خوش حال لوگوں

میں ہوتا تھا۔

وقت ایک سا کسی کا نہیں رہتا۔ بادشاہ خزانوں کے مالک ہو کر کبھی زنگوں میں قید ہو جاتے ہیں۔

کبھی قید خانوں کے روزن سے اپنے خوابوں کی تعبیر تاج محل کی صورت تعمیر ہوتی دیکھتے ہیں۔

☆......☆......☆

خاموشی اور سکون دونوں میسر تھے آرام دہ بستر بھی نصیب تھا۔ مگر نیند کا نام ونشان تک نہ تھا۔ کبھی صبح کا تصور پریشان کرتا کہ ساس سے مڈبھیڑ ہونا باقی تھی۔ کبھی ثمر کا انتظار جان لیوا ہونے لگتا۔ کسی نازک صورت حال کی وجہ سے ہی وہ گھر سے باہر تھا اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ بہر حال ہر بات پر عمل کبھی پہلی بار ہی ہوا کرتا ہے۔ پہلی بار اتفاق ہوتا ہے دوسری بار تجربہ بار بار ایک ہی تجربہ ہو تو وہی عمل اپنے سابقہ نتیجے کی وجہ سے سائنس بن جاتا ہے کیونکہ سائنس بار بار ایک عمل دہرانے پر ہی ایک ہی نتیجہ حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

آج کا اتفاق محض اتفاق ہی تھا کیوں کہ چمن کو سو فیصد یقین تھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا......

حالات دل پسند ہوتے ہیں تو ثمر اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد ہی گھر سے باہر قدم نکالتا۔

مگر......روٹھے ہوؤں کے درمیان گہری خاموشی ہی تو صلح کی بنیاد بنتی ہے۔

طبل جنگ بجتا ہے......

گھمسان کا رن پڑتا ہے......

کانٹے کا مقابلہ ہوتا ہے......

کبھی تلوار ٹوٹتی ہے......

کبھی ڈھال گرتی ہے......

کبھی عزم ابھرتا ہے......

کبھی مورال گرتا ہے

آخر کار جنگ بندی ہو جاتی ہے......

دل کا غبار چھٹ جاتا ہے......

جلے ہوئے خیموں کی راکھ اڑتی ہے......

جنگی جنون تاسف اور پشیمانی پر انجام پزیر ہوتا ہے پھر جن کو ہتھیار اٹھانا آسان لگا تھا انہیں زبان ہلانا مشکل لگا۔

ثمر آیا اسے سوتا سمجھ کر جلے پاؤں کی بلی بن کر بہت محتاط انداز میں اپنا نائٹ سوٹ پہن کر بیڈ کے کنارے پر یوں دراز ہو گیا کہ غلطی سے بھی ہاتھ چمن کو نہ چھو جائے...... جو آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی۔

خوشگوار گھڑیوں میں بندھنے والا بندھن ایک عذاب ایک سزا لگ رہا تھا......

چل کر تو آ گئی ہے......

اب کیا پاؤں چھو کر اپنے ناکردہ گناہ کی معافی بھی مانگے...... پندار کو زخم کے بجائے گہرا گھاؤ لگے تو وہ مندمل نہیں ہوتا ناسور بن جاتا ہے......

اور جب پندار ناسور کی مشقت میں پڑ جائے تو محبت اپنے نادیدہ آبائی وطن رخصت ہو جاتی ہے......

زندگی صرف سمجھوتہ بن جاتی ہے......

اور سمجھوتے کی ریت بار بار ہاتھوں سے پھسلتی ہے۔

بچھڑتے وقت دلوں کو اگرچہ دکھ تو ہوا
کھلی فضا میں سانس لینا مگر اچھا لگا

یاداشت کے روزن سے ایک بھولا بھٹکا شعر جھانکا تو وہ تجربے کا ایک نیا زینہ عبور کرتے کرتے چونک پڑی۔

بے حد...... بے پناہ...... بے انتہا...... چاہت کے بعد ایک نیا موڑ...... جب جدائی نعمت لگتی ہے......

جب کھل کر سانس لینا اچھا لگتا ہے......

کمال ہی ہے...... یہ تجربہ بھی محبتوں کے باب ہی میں ہے دو قطرے آنکھوں سے ٹپکے...... تکیے میں جذب ہو گئے اچھا ہوا سو گئی......

ایسی بھلائی تو بیوی کے سامنے اعتراف گناہ ہی لگتی ہے۔

ثمر سکون کا سانس لے کر سوچ رہا تھا۔

بانو آپا صبح سویرے اپنے معمول کی تسبیح کے ورد میں لگی ہوئی تھیں۔ چہرے پر تفکرات کا جال بچھا ہوا تھا...... تسبیح کے زور پر ثمر کتنا قابو میں آ سکتا تھا جبکہ تعویذ گھول کر پلانے کے عمل بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔ اسی ادھیڑ پن میں انہیں پتا ہی نہ چلا کب ثمر اپنے شب خوابی کے ملبوس میں اس کے قریب چلا آیا۔

السلام علیکم امی...... ثمر کا سلام گویا ایک دھما کہ تھا بری طرح چونک پڑیں۔

یہ نور کے تڑکے ماں کو سلام کرنے چلا آیا...... یا اللہ خیر بانو آپا کا ماتھا ٹھنکنے لگا۔

اشارے سے سلام کا جواب دے کر اشارے ہی سے بیٹھنے کے لیے کہا کیونکہ ابھی تسبیح کے چند دانے باقی تھے۔ ثمر ماں کا اشارہ پاتے ان کے بالکل قریب بیٹھ گیا۔

بانو آپا نے تسبیح مکمل کی اور ثمر کے چہرے پر پھونک ماری۔ پھونک میں اتنا زور تھا کہ گویا گیلی لکڑیاں سلگا رہی ہوں اور انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے ثمر کو پھونک آندھی کے پہلے جھکڑ کی طرح لگی تھی۔

خیریت ہے بیٹا! آج منہ اندھیرے اٹھ گئے۔ دشمنوں کی طبیعت تو خراب نہیں......؟ انہوں نے لاڈ دلار کا آغاز کیا ایسے وقت کو تو وہ ترستی تھیں کہ ثمر خود اپنے ارادے سے ان کے پاس آ کر بیٹھے۔

ہم سے دشمنی کر کے کسی کو کیا ملے گا امی...... ہمیں دوستیاں نبھانے کی فرصت نہیں، ثمر نے دھیرے سے ہنس کر جواب دیا، پھر بھی بیٹا آج بڑی جلدی بستر چھوڑ دیا......؟

آہ...... ہا...... ساتھ ہی انہوں نے ایک آہ سرد سینے سے آزاد کی عورت ذات ہے ہی ناشکری۔ مرد خون پسینہ ایک کر کے گھر کا سکھ دیتا ہے مگر......

امی...... چمن رات کو واپس آ گئی ہے...... آپ سو رہی تھیں اس لیے آپ کو جگانا مناسب نہیں لگا......

ثمر نے بانو آپا کو مزید بولنے سے روک دیا۔ اور وہ بات کی جس کی خاطر وہ صبح دم اپنا کمرہ چھوڑ کر ماں کے پاس آیا تھا۔

اور یہ اقدام حفظ ماتقدم کے طور پر تھا...... اسے اندازہ تھا کہ چمن کو سامنے پا کر بہت گڑبڑ ہو سکتی ہے اس نے تو ماں کی ہر بات پر آج تک آنکھیں بند کر کے یقین کیا تھا۔ اس بات پر بھی کہ شدید Stress کی وجہ سے ان

کے بازو میں درد ہونے لگتا ہے جو ہارٹ اٹیک کی ابتدائی علامت سمجھی جاتی ہے۔

بانو آپا کو یوں لگا جیسا ابھی صبح نہیں ہوئی وہ سو رہی ہیں اور کوئی بہت بھیانک خواب دیکھ رہی ہیں۔ان کی قوت گویائی وقتی طور پر سلب ہوگئی تھی...... بس ٹکر ٹکر ثمر کی صورت تکا کی۔ بس اب جو ہونا تھا ہو گیا...... وہ بھی سب کچھ بھلا کر آ گئی ہے آپ بھی سب کچھ بھلا دیجیے۔امن اسی طرح سے ہوتا ہے۔اور زندگی میں سکون اور امن سے قیمتی کوئی شے نہیں ہے اور نہ اب آپ کی عمر ایسی ہے کہ ہر وقت Stress برداشت کریں ثمر ماں کی دل جوئی کرتے ہوئے انہیں ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔تم لینے گئے تھے......؟ بانو آپا کی آواز کنویں سے ابھری اور وادی کی بازگشت بن کر پھیل گئی۔

عطیہ آنٹی کے ساتھ آئی تھی...... اچھی بات ہے...... گھر برسوں میں بنتے ہیں پل میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ثمر نے پھر بہت حلم اور اپنائیت کے ساتھ ماں کا ذہن تیار کیا۔

ارے...... ان لوگوں نے تو بالکل ہی ناک کٹا کر کچرا کنڈی میں پھینک دی۔ خاندانی لوگوں کی ایک آن بان ہوتی ہے۔کوئی بات ہوتی ہے۔

پرانے وقتوں میں تو زبان سے بیٹی بیاہتے تھے کاغذ پر قول قرار نہیں لکھے جاتے تھے۔

اس خاندان نے تو حیا شرم بیچ کر کھالی ہے۔

کنواری کھائے روٹیاں...... بیاہی کھائے چوتیاں۔دو دن بیٹی کو روٹی نہ کھلا سکے۔اماں انگلی پکڑ کر پھر ہماری دہلیز پر پہنچ گئیں۔ارے تم نے گھر کے اندر آنے کی اجازت ہی کیوں دی...... گالیاں دے کر گئی تھی تمہیں......

بانو آپا کو ثمر کی کمزور یاداشت پر غصہ نہیں طیش آیا تھا وہ ثمر کو کئی دن پہلے کی پوزیشن پر واپس پہنچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگیں...... جس گالی پر ان کے نوالے کڑوے ہو کر حلق سے نیچے اتر رہے تھے۔ان کے بیٹے نے وہ گالی ہی بھلا دی۔

اسے کہو ابھی...... اسی وقت اپنی ماں کے گھر چلی جائے۔

بانو آپا نے ٹھان لیا کہ ابھی کچھ کر سکیں تو بچت ہے ورنہ پھر ان کی ساری بھاگ دوڑ اور شاہ جی کے چلے ضائع ہو جائیں گے اس لیے حتمی، قطعی اور فیصلہ کن انداز تھا۔

ثمر نے نرمی سے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے...... اگر کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے حالانکہ وہ بدلہ لینے کی زبردست قدرت رکھتا ہے۔

بیٹا اللہ کو درمیان میں لے آیا تو بانو آپا نے ہاتھ میں پکڑی تسبیح آہستگی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی...... مبادا وہ چمن کے حق میں وعدے وعید یا حلف برداری تک نہ آ پہنچے۔

تم بھول جاؤ...... میں تو نہیں بھول سکتی۔

کیکر پر انگور کی بیل چڑھاؤ گے تو بہت پچھتاؤ گے۔بانو آپا صدمے اور ناکامی کے احساس سے اندر ہی اندر بری طرح کلس رہی تھیں۔

میری خاطر امی...... سالوں کا ساتھ ہے...... مجھے عادت ہوگئی ہے اس کی۔آپ دوسری شادی کی بات کرتی ہیں۔میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا......

ایک بالکل نئی عورت کے ساتھ نئے سرے سے زندگی شروع کرنا کوئی مذاق ہے امی......؟ یہ کہہ کر ثمر کھڑا ہوگیا گویا اپنی طرف سے بات مکمل کہہ دینے کا اظہار کردیا۔

صدمے سے بانو آپا کی آواز ہی گھٹ گئی۔ اتنی عبرت ناک شکست ایک نا قابل برداشت احساس...... کتنے طمطراق سے اسے گھر سے نکالا تھا۔ بیٹے نے معاف کر کے پھر سر پہ بٹھا لیا تھا۔ ثمر نے جانے کے لیے قدم بڑھائے تو بانو آپا کی آواز نے قدموں کو زنجیر کیا۔

تم ذلت پر سمجھوتے کرو...... مگر ماں کو مجبور نہیں کر سکتے اسے کہہ دینا مجھ سے کلام نہ کرے...... اور نہ میرے کھانے پینے کی فکر کرے۔

ثمر نے سنا اور خود کو باور کرانے لگا کہ یہ وقتی کیفیت ہے وقت کے ساتھ ساتھ اور چمن کے صبر و برداشت سے حالات بہت جلد معمول پر آجائیں گے آگے بڑھتا چلا گیا۔ بانو آپا کا جی چاہا کہ اڑ کر افشاں کے پاس پہنچیں اور اس اندوہناک حادثے کی اطلاع بہم پہنچائیں۔

بے بسی کی کیفیت میں پہلے سینے پر زور سے ہاتھ مارا پھر دو ہتڑ اپنے سر پر مارے۔

☆......☆......☆

چمن واش روم سے باہر آئی تو دیکھا ثمر بڑی بے قراری سے ٹہل رہا ہے چمن پر نظر پڑتے ہی یوں رکا جیسے شدت سے اسی کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

نگاہیں ملیں...... جیسے ٹرین میں نشست سنبھال کر مسافر ایک دوسرے کو جانچتے اور آنکتے ہیں کہ ہمسفر کس ڈھب کا ہے سفر کیسا گزرے گا...... ایسی نگاہ جس میں ماضی نہیں ہوتا صرف حال ہوتا ہے۔

امی کو سمجھا دیا ہے تم ان سے کوئی بات نہیں کرنا سلام کرتی رہو...... کسی دن جواب دے ہی دیں گی۔

بانو آپا ثمر کی ماں تھیں ساس نہیں...... ہر شریف بیٹے کی ماں گنگا میں اشنان کر کے گھر سنبھالتی ہے۔

چمن جواب میں خاموش رہی...... ثمر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگا...... چمن نے ثمر کی طرف دیکھ کر چند ثانیے سوچا...... آپ کا ناشتا بناؤں......؟ اسے اپنی آواز ساتویں آسمان سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

جب سے شادی ہوئی ہے میرا ناشتا تم ہی بنا رہی ہو...... ثمر کے الفاظ میں بلا کی احتیاط تھی کہ غلطی سے بھی لہجہ تیکھا اور الفاظ تنزیہ نہ ہو جائیں۔

وہ پورے خلوص اور سچائیوں کے ساتھ اس کے ہمراہ تھا...... اسے احساس تھا کہ اپنی انا کی قربانی کسی کو فتح کا احساس دینا...... ایک بہت ہی کٹھن عمل ہوتا ہے۔

جو پہلے سے کھڑی زیر باناشتے کا پوچھ رہی تھی اسے کچھ طنزیہ کہنا تو کفر کے زمرے میں ہی آسکتا ہے۔

نرم لہجہ...... بظاہر قدرے اجنبی...... چمن کے نیم مردہ سے وجود میں نئی روح پھونک گیا۔ سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ صبح صبح ماں کو سمجھانے گیا تھا۔

پاؤں دھرنے کے لیے زمین بچھا دی تھی۔ ایک مضبوط بندھن کے احساس کو تقویت دینے کے لیے یہ عمل جہاد سے کم تو نہ تھا۔

☆......☆......☆

فردوس ایک بہت خوبصورت کپڑے کے بیگ میں بچے کے کپڑے اور ضروری لوازمات رکھ رہی تھی۔ بیگ

پر نٹڈ تھا۔ بڑے بڑے سرخ شوخ گلاب عجب بہار دے رہے تھے۔

ارے واہ پوتے کے لیے بیگ بھی زبردست لیا ہے۔ کہاں سے لیا ہے بھئی...... بہت خوبصورت ہے حامد حسین کش لگاتے بیڈروم میں داخل ہوئے تو فردوس کو تیاری میں مصروف پایا۔

میری ایک سہیلی دوبئی سے لائی تھی۔ آج نہیں دس سال پہلے میں نے اس وقت نیت کی تھی کہ جب ہاسپٹل اپنا پوتا لینے جاؤں گی تو اس کی ساری چیزیں اس میں رکھ کر لے جاؤں گی۔

بیگ نیا...... کپڑے نئے...... سب کچھ نیا......

ہاں بھئی...... جس دن بیٹا پیدا ہوتا ہے ماں اسی دن سے بہو کے سپنوں میں کھو جاتی ہے اور جس دن بہو گھر میں آتی ہے اس دن سے پوتے کا انتظار شروع کر دیتی ہے...... حامد حسین بھی آج دل کھول کر خوش ہو رہے تھے۔ اُمیدوں بھری گھڑیاں بہت قریب آ پہنچی تھیں۔

''صرف'' ارے بارہ سوٹ اور وہ بھی صرف بارہ......؟ اتنے ڈھیر کپڑے تیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ شیر خوار کا قد تو ہر ہفتے بڑھتا ہے۔ ایک مہینے میں سب چھوٹے پڑ جائیں گے۔

حامد حسین نے تڑپ کر بیگم کی شاہ خرچی پر واویلہ کیا۔

ارے کیا جن کا بچہ پیدا ہو رہا ہے جو ہر ہفتے بڑھے گا؟ فردوس نے بھویں تانیں......

شوہر کا آبجیکشن می لارڈ تو چلتا تھا مگر یہ ہر روز تنقید جن میں سوائے کنجوسی کی بُو کے اور کچھ نہ تھا اس عظیم خوشی کے موقع پر برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔

اتنے بچے کے ایک دن میں چار مرتبہ کپڑے بدلے جاتے ہیں فردوس نے حامد حسین کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کیا اس گرانی کے دور میں کون اپنے شیر خوار بچے کو چار جوڑے نئے پہنائے گا......؟

ہم پہنائیں گے...... اب خاموش ہو جائیں...... نیک گھڑی آ پہنچی...... منہ سے اچھی اچھی باتیں نکالیں

فردوس نے پوتے کی دادی بننے کے زعم میں حامد حسین کو اچھی خاصی جھاڑ پلا دی...... جو انہوں نے پی بھی لی۔

گویا فردوس کسی فاؤنڈری سے آرڈر کا پوتا لا کر ان کی سات پشتوں پر احسان کر رہی ہوں۔

☆......☆......☆

چمن ثمر کے سامنے ناشتا رکھ رہی تھی کہ اس نے اپنے سیل فون کی آواز ڈائننگ میں سنی۔

تمہارے سیل پر Ring ہو رہی ہے۔ ثمر کو گمان ہوا شاید چمن نے Ring کی آواز نہیں سنی۔ جبکہ چمن Ring سن کر سوچ رہی تھی کہ ثمر کو ناشتا کرا کر دیکھ لے گی...... پتا نہیں کس کا فون ہو اور صبح صبح کوئی لمبی بات کرنا پڑ جائے...... ثمر ویسے بھی آج لیٹ جا رہا تھا۔

سن لو...... ہو سکتا ہے عطیہ آنٹی کا فون ہو...... ثمر نے خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی۔

اس نے قدم بڑھایا تو Ring کی آواز بند ہو گئی...... وہ یہ سوچ کر آگے بڑھی کہ یہی دیکھ لے کہ کس کی کال آ رہی تھی۔

Ring دوبارہ ہونے لگی اب چمن تیز قدموں سے بیڈروم میں داخل ہوئی اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا سیل فون عجلت کے انداز میں اٹھا لیا۔

یاور بھائی...... صبح صبح یاور بھائی کا فون۔ اللہ رحم کرے اس کا ذہن فوراً ایمن کی طرف گیا۔

ہیلو...... اس نے دل سنبھال کر منہ سے آواز نکالی جس میں فطری طور پر ہلکا سا ارتعاش در آیا......
السلام علیکم...... کون چمن......؟ یاور کی آواز کان سے ٹکرائی۔ جی یاور بھائی چمن بات کر رہی ہوں۔
چمن ایسا ہے کہ ایمن کو ایمرجنسی میں لے جانا پڑا۔ خون کی بہت کمی ہے ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں آپریشن سے پہلے کم از کم تین بوتل Blood لگے گا...... یاور بول رہا تھا بیک گراؤنڈ میں بے ہنگم سا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔
آپریشن......؟ پہلی دو ڈیلیوری تو نارمل تھیں یاور بھائی اس مرتبہ سیزر کا کہا ہے۔ چمن کے تو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔
ہاں...... میں نے اس لیے فون کیا تھا کہ میں ایمن کو لے کر ہاسپٹل آ گیا ہوں۔ گھر پر بچیاں اکیلی ہیں امی بھی ہاسپٹل آ گئی ہیں۔ بچیوں کو اپنے ساتھ گھر لے آؤ یا وہیں ان کے پاس رُک جاؤ۔ بس یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا یاور نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اور کسی Statue کی طرح ساکت کھڑی رہ گئی۔ جیسے ذہن نے کام کرنا ہی بند کر دیا ہو۔ چمن......! ثمر کی آواز نے اس کے پتھریلے وجود میں فوراً تحریک پیدا کی۔
جی...... آ رہی ہوں وہ فون کر رکھ واپس ڈائننگ میں آئی۔ کس کا فون تھا......؟ ثمر چمن کے چہرے کی طرف بغور دیکھ رہا تھا جس پر تفکر و پریشانی جلی حروف میں لکھی ہوئی تھی۔
یاور بھائی کا آپا کو ہاسپٹل لے گئے گیں...... بتا رہے تھے کہ ان کو تین بوتل Blood لگے گا۔ بچیاں گھر پر اکیلی ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانا ہو گا۔
اوہ...... ثمر بھی سن کر متفکر ہو گیا۔ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ رکھ کر ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھا......
تیار ہو جاؤ میں تمہیں ایمن کے گھر ڈراپ کر دوں گا۔
بچیاں بہت چھوٹی ہیں ان کا گھر میں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں۔ فطری ہمدردی اور انسانیت کے مظاہرے نے پھر ایک معجزہ کر دکھایا وہ فاصلے جو صدیوں پر محیط لگ رہے تھے۔ نقش براب ثابت ہوئے۔ کیا نرالہ رشتہ ہے میاں بیوی کا...... پانچ ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے آنے والا سمندری طوفان بھی کبھی سیکنڈ میں رُخ بدل لیتا ہے اور بڑی بچت ہو جاتی ہے اور پھر انسان سکون سے غور و فکر کرتا ہے کہ نیلوفر ہوتی ہے یا ہوتا......؟
☆......☆......☆
عطیہ بیگم، فردوس، حامد حسین، یاور، شہر کے مشہور میڈیکل سینٹر کے وسیع و عریض لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔
عطیہ بیگم بڑی سی چادر میں لپٹی سر جھکائے تسبیح پر کوئی ورد کر رہی تھیں حامد حسن یوں ادب سے سینے پر بازو لپیٹے بیٹھے تھے کہ جیسے ہی خوش خبری کانوں میں پڑے گی وہیں کھڑے ہو کر شکرانے کے نفل کی نیت باندھ لیں گے۔
فردوس مریض اور تیماردار خواتین کے کپڑوں کے ڈیزائن اور پرنٹ اور کوالٹی پر غور و فکر کر رہی تھیں۔ دو بوتل Blood لگ چکا تھا تیسری بوتل اسٹارٹ ہو چکی تھی۔
جب تمنائیں تڑپتی ہیں تو وقت رک جاتا ہے۔
☆......☆......☆
خالہ...... مما اور پاپا کب آئیں گے......؟ مہوش منہ بسور رہی تھی۔ بیٹا...... اللہ سے دعا کرو مما آپ کے لیے بہت پیارا سا بھائی لے کر آئیں خالہ...... مما بھائی لینے گئی ہیں؟ ماہ پارہ نے خوشی اور حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔
خالہ...... مما کو بولیں ہمیں بہت چھوٹا بھائی نہیں چاہیے...... اگر وہ چھوٹا ہو گا تو ہمارے ساتھ کیسے کھیلے

گا......؟ ماہ وش نے فرمائش نوٹ کرائی ساتھ ہی وجہ بھی بتادی۔ چمن بے ساختہ انداز میں مسکرا پڑی بچیوں کی معصومانہ باتوں نے ذہن کی ساری تھکاوٹ دور کر دی تھی۔ ثمر اُسے ڈراپ کر کے باہر سے باہر چلا گیا تھا۔ راستے میں کوئی بھی خاص بات نہیں ہوئی مگر چمن کے لیے یہی بہت تھا کہ اس نے موقع کی نزاکت پر بھرپور اپنائیت کا احساس دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

اللہ آپا کو ایک بیٹا دے دے تا کہ ان کی جان چھوٹ جائے۔ اللہ رحم کر دے میری بہن پر...... دل کی دعا ہونٹوں پر لرزاں ہوئی تو ناشتا کرتی ایمن کی بڑی بیٹی ماہ نور نے چونک کر چمن کی طرف دیکھا۔

خالہ...... آپ اللہ میاں سے کیا کہہ رہی ہیں؟

کچھ نہیں بیٹا...... اللہ میاں سے آپ کے لیے بھائی مانگ رہی ہوں...... چمن نے مسکرا کر مہ وش کو سلائس کا ایک بائٹ کھلایا......

خالہ آپ بھی ایک بھائی لے آئیں...... ایک میں لے لوں گی ایک مہ وش، ماہ پارہ نے پھر ایک معصومانہ فرمائش کی۔

چمن کے دل کو کچھ ہوا۔ ہلکی سی نمی آنکھوں میں اترنے لگی۔

دعا کرو بیٹا...... اللہ خالہ کو بھی نواز دے......؟ وہ منہ ہی منہ میں بدبدائی جو دونوں بہنیں سن نہ سکیں ورنہ کوئی نیا سوال اور ہوتا۔

☆......☆......☆

ایمن آپریشن تھیٹر میں تھی اس کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ اس لیے ایمرجنسی آپریشن کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ خوشیوں بھرا انتظار اب عظیم مشقت میں تحلیل ہو چکا تھا...... OT کے بند دروازے سے آنکھیں ٹکرا ٹکرا کر پتھر کی ہو رہی تھیں۔ عطیہ بیگم کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے ایک ماں اولاد کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ جبکہ فردوس اور حامد حسین بڑی بے قراری سے ٹہل رہے تھے۔

جانگسل انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں بالآخر...... ایک بڑی ایکٹیو اسمارٹ سی نرس نے آ کر فردوس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو...... اللہ کی رحمت آئی ہے ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔

بچی......؟!! بارودی سرنگ میں زبردست دھماکہ ہوا۔

عطیہ بیگم کو یوں لگا جیسے ان کا سارا وجود مفلوج ہو گیا ہو اور وہ جنبش کرنے کے قابل نہ رہی ہوں۔

حامد حسین کے اعصاب مردانہ اعصاب تھے۔ دھچکہ لگا تو ردِعمل کے لیے بے تاب ہو گئے۔ عطیہ بیگم کی طرف دیکھا اور طنزیہ بولے مبارک ہو...... چھپڑ پھاڑ کر خوش خبری آئی ہے۔

اس وقت یاور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باپ کے قریب آیا تھا اس نے پہلے صدمے سے پتھر بنی ماں کی طرف دیکھا پھر باپ کی طرف حامد حسین اسی طرف دیکھ رہے تھے۔

مبارک ہو بہت برا تیر مارا ہے آپ کی بیگم نے...... طنز کی چبھن دماغ سے ہوتی ہوئی دل میں ترازو ہو گئی۔

(رشتوں کی نزاکت اور سفا کی دکھاتے اس سحر انگیز ناول کی اگلی قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

تیرے عشق نچایا

عشق کی راہداریوں، طبقۂ اشرافیہ اور اپنی مٹی سے
جڑے لوگوں کی عکاسی کرتے سلسلے وار ناول کی

آخری قسط

''چاچا جی بزرگ ہیں اسی لیے تو اتنی تمیز سے بات کر رہی ہوں۔ اگر کوئی عام بندہ ہوتا تو آپ بھی دیکھتے میں اُس کا حشر کیا کرتی۔''

''ماہین پہلی بات یہ کہ میں نے کسی سے ایسا کچھ نہیں کہا۔ میں اور تمہاری چاچی خود ہر وقت مصطفیٰ علی کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔''

''چاچا جی آپ اور آپ کی برادری یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لے ملک قاسم علی کے گھرانے کی خواتین کے سروں پر تین مردوں کا ہاتھ ہے اور ان چھ ہاتھوں سے بڑھ کر اللہ پاک کا ایک ہی ہاتھ ہماری حفاظت کے لیے بہت کافی ہے۔ میں ملک عمار علی کی بیوہ دس مردوں کی جگہ اکیلی رکھتی ہوں۔ کوئی سوچے بھی نہ کہ یہ دو خواتین کمزور ہیں۔ اس بھول کو سب دماغ سے نکال دیں بس مجھے آپ سے اتنا ہی کہنا تھا۔ امید کرتی ہوں آپ برادری کو بھی سمجھا دیں گے۔ ہمارا گائیڈ برادری کا کوئی شخص نہیں بنے گا بلکہ اللہ جل شانہ بنے گا۔''

''سنو تو ماہین پتر، تم بہت غصے میں ہو۔ تمہیں کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔'' ماہین نے فون بند کر دیا تھا۔ دل کی بھڑاس نکال کر اب قدرے اطمینان میں تھی۔

وہ اٹھی اور وضو کرنے کی نیت سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ رات کافی ڈھل چکی تھی وہ جائے نماز بچھائے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئی۔ اُس نے اپنے مالک سے مدد مانگی تھی اور وہ مدد کرنے کے لیے تیار تھا۔ اب گہرا سکون اُسے میسر آ چکا تھا۔ اللہ کے ذکر سے بندہ گہری تقویت پاتا ہے۔ روح کے تمام نہاں خانوں میں سکون اتر جاتا ہے۔ اس وقت ماہین کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔

☆......☆......☆

اسماعیل دکان پر جانے سے پہلے اُم فروا کو یہاں ڈراپ کر جاتا۔ اسماعیل کا کام اچھا چل رہا تھا۔ اب اُس نے گاڑی بھی خرید لی تھی۔ وہ خوشحال ہو چکے تھے۔ لیکن مولوی ابراہیم بخش کے گھر کا ماحول سابقہ سادگی برقرار رکھے ہوئے تھا۔ مہر النساء بیگم ارسلان کی کارکردگی سے مطمئن تھیں۔ لین دین کا حساب تو مہر

النساء ہی کے پاس تھا۔ ماہین کی مشاورت سے وہ تمام امور انجام دیتیں۔
ویک اینڈ کے اس دن لاہور کا موسم بہت اچھا تھا۔ آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ سبک خرام ہوا میں ہلکی سی خنکی عود رہی تھی۔ جو طبیعت کو اچھا محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت ماہین سی ایم ایچ جا رہی تھی کہ راستے میں کاشان احمد کا فون آ گیا۔
''تم کہاں ہو؟''
''سی ایم ایچ جا رہی ہوں۔''
''ٹھیک ہے تم ریسیپشن پر میرا انتظار کرنا میں دس منٹ میں پہنچتا ہوں۔''
سکیورٹی کو شناخت اور کارڈ لینے کے بعد علی بخش کو اس نے مین انٹرنس پر رکنے کو کہا وہ گاڑی سے اتر گئی تو علی بخش گاڑی پارکنگ ایریا کی طرف لے گیا۔ یہاں پر باوردی سکیورٹی گارڈ نے اسے سلام کیا تھا۔ وہ کشادہ برآمدے کے ایک ستون کے پاس رُک کر کاشان احمد کا انتظار کرنے لگی۔ ماہین نے وہیں کھڑے کھڑے اُم فروا کا نمبر ملایا تھا۔
''اسلام علیکم ماہین۔''
''وعلیکم اسلام فرو تم پہنچ گئی ہو؟''
''جی۔''
''کیسے ہیں مصطفیٰ بھائی؟'' اُمِ فروا مسکرائی۔
''بہت اچھے ہیں۔''
''ہوں۔'' ماہین بھی افسردگی سے مسکرائی ملک مصطفیٰ علی کو کوما میں گئے دو ماہ ہونے والے تھے۔ ماہین جب گھر سے نکلتی تو فروا کے ساتھ ایسے ہی مختصر مکالمے چلتے تھے۔ کاشان احمد دور سے آتا ماہین کو دکھائی دیا۔ ماہین کو دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔
''ہیلو گورجیس لیڈی۔''
''ہائے ہینڈسم مین۔'' جواباً اُس نے بھی نہایت خوشی سے اپنے بچپن کے دوست کا خیر مقدم کیا۔ دونوں ایک سال بعد مل رہے تھے۔
''ملک مصطفیٰ علی کی طبیعت کیسی ہے؟''
''شان دعا کرو مصطفیٰ بھائی کے لیے۔'' اس ذکر پر وہ رنجیدہ ہو گئی تھی۔
''انشاء اللہ بہت جلد کوما سے باہر آ ئیں گے۔'' باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں او پی ڈی اور دو تین کوریڈور کراس کرنے کے بعد لفٹ کی جانب بڑھے تھے۔
''انکل اور آنٹی کیسے ہیں۔''
''اچھے ہیں۔ ماہین اس دوران تم سے رابطہ نہ رہا۔''
''ہاں عمار کے جانے کے بعد کچھ یاد نہیں رہا سوائے عمار کے۔'' اچانک سے یورش کرتی آنکھوں کے درمیان سفاکی سے مسکراتی ہوئی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کاشان احمد کی تمام توجہ اُس پر تھی اس کے بچپن کی دوست کس قدر بدل گئی تھی۔ جسے وہ لڑکا بار بار سائیکل سے گرایا کرتا تھا۔

وہ باتیں کرتے مصطفیٰ علی کے روم تک پہنچ گئے تھے۔ باوردی مستعد نرسیں اور باقی عملہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہلکی سی دستک دے کر ماہین اندر آ گئی اُس کے پیچھے کاشان احمد تھا۔ اُمِ فروا مصطفیٰ علی کے قریب ایزی چیئر پر بیٹھی تھی۔ انہیں دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔ اُمِ فروا نے سلام کیا۔ کاشان احمد ایک ٹک اُمِ فروا کو دیکھتا رہا۔ تجسس حیرت تھی اُس کی آنکھوں میں۔ اس وقت اُمِ فروا سادہ سے ڈریس میں کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ دوپٹے کے ہالے میں اُس کا دمکتا چہرہ جس پر مقناطیسیت سے مزین سیاہ آنکھیں کاشان احمد کو شش و پنج میں مبتلا کر گئیں۔ ماہین نے کاشان احمد کا انہماک توڑا۔

''شان یہ اُمِ فروا ہے مصطفیٰ بھائی کی بیوی تین ماہ پہلے ان کا نکاح ہوا تھا۔ اب رخصتی ہونی تھی کہ مصطفیٰ بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔''

''اوہ!'' واقعی کاشان احمد کو دکھ ہوا تھا۔

''فروا یہ کاشان احمد ہیں۔ اسلام آباد میں ہمارا بچپن ساتھ گزرا ہے۔ ہم بیسٹ فرینڈز تھے۔'' اُمِ فروا نے اثبات میں آنکھوں کو جنبش دی۔

''آپ بیٹھیں۔'' اُمِ فروا نے سامنے پڑے صوفوں کی جانب اشارہ کیا۔ کاشان مصطفیٰ علی کو دیکھتا رہا۔ اُس نے فرسٹ ٹائم مصطفیٰ علی کو دیکھا تھا۔ بدستور اُن کے چہرے پر تازگی تھی۔ نین نقش نمایاں تھے۔ کاشان احمد نے دل ہی دل میں انہیں سراہا۔ اور ماہین کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

اُمِ فروا پھر سے کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اُس کی نظریں ملک مصطفیٰ علی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ انہیں دیکھتے دیکھتے وہ تھکتی ہی نہیں تھی۔ اللہ نے کتنی انسیت بھر دی تھی۔ اُمِ فروا کے دل میں ملک مصطفیٰ علی کے لیے۔ مصطفیٰ علی سے دوریوں کا مدوجذر اُس کے اندر واویلا برپا کرتا۔ وہ رب کو پکارتی انشاء اللہ میرے ملک جی اس ظالم بے حس سیاہ نیند کی اوٹ سے نکل آئیں گے۔ ملک مصطفیٰ علی نے اُس لڑکی کو اپنی زوجیت میں لے کر اس پر احسانِ عظیم ہی تو کیا تھا۔ ایسا اُمِ فروا بار بار سوچتی تھی۔

کن اکھیوں سے کاشان احمد اُمِ فروا کی طرف دیکھ لیتا۔ لیکن وہ یہاں پر باقی نفوس سے لاتعلق صرف اپنے ملک جی کو سوچ رہی تھی۔ جن کے ایک ہاتھ پر ڈرپ لگی تھی اور دوسرا ہاتھ اُن کے پہلو میں گرا ہوا تھا۔ چمکدار اسکن والا ہاتھ جس کی لانبی مضبوطی انگلیاں آج بھی اُمِ فروا کو اپنی پناہوں میں لینے کے لیے بے قرار تھیں۔

ماہین اور کاشان احمد مصطفیٰ علی ہی کی بابت باتیں کر رہے تھے کہ اب رخصتی کی تاریخ مقرر کرنی تھی۔ تب تک ممی نے بھی آ جانا تھا۔ انہوں نے پندرہ دن کے لیے آنا تھا۔ ماہین کاشان کو اپنے مسائل کے متعلق بتا رہی تھی کہ اُن کی برادری کے لوگ کس طرح کی باتیں پھیلا رہے ہیں۔ کئی رشتے دار تو چاہتے ہی نہیں کہ مصطفیٰ بھائی ٹھیک ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں تنہا خواتین کیا کریں گی۔ جن میں ایک ضعیف اور دوسری نو عمر ہے آسانی سے انہیں قابو کر لیں گے۔''

کاشان احمد ماہین کے لیے فکر مند دکھائی دینے لگا تھا۔ شان میں اب پہلے والی ماہین نہیں رہی ہوں ان سب کو لگ جائے گا پتا۔ ملک محمد خان کی پوتی اور قاسم علی کی نواسی ہوں۔ اگر کوئی بھول اُن کے دلوں میں ہے تو وہ جلد نکل جائے گی۔ میرے بھائی مصطفیٰ علی جئیں میرے بچے جئیں۔ کسی کی جرأت ہے جو ملک قاسم

علی کی ریاست کی طرف میلی آنکھ کر کے دیکھے۔‘‘
’’ماہی پھر بھی تم احتیاط کرو تمہارے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ایسے غنڈے ٹائپ لوگوں سے دور رہو تو بہتر ہے۔‘‘
’’شان ایسے لوگ کمزوروں کو اور دباتے ہیں۔ مصطفیٰ بھائی جب ٹھیک تھے تو کسی کی جرأت نہیں تھی کہ جہان آباد کی حدود عبور کر لے۔ اب گیڈر خود کو شیر کہلانے لگے ہیں۔ ماموں جان کے دوستوں کے فون آتے رہتے ہیں کہ کوئی مسئلہ ہو تو انہیں ضرور بتاؤں۔‘‘
’’ماہی تم اُس علاقہ کے ڈی سی یا مجسٹریٹ سے کیوں بات نہیں کرتی ہو۔ ماہین وہاں کون ہے ڈی سی۔‘‘ کاشان احمد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
’’ہاں ایک مرتبہ مصطفیٰ علی نے ذکر کیا تھا۔ وہ اُس سے ملے بھی تھے۔ شاید شاید......‘‘ وہ سوچتے ہوئے بدستور انگلی گال پر ٹیک رہی تھی۔ آئی مین...... ہاں ’’التمش بخاری میرا قریبی دوست ہے۔ ایک مرتبہ فون پر اُس نے بتایا تھا آج کل وہ ضلع خوشاب میں تعینات ہے۔ میں اُس سے بات کروں گا۔ وہ خود ہی پتا لگوا لے گا۔ بس تم لال حویلی کا پہرہ بڑھا دو بچوں کا خاص خیال رکھو۔ کوئی مشکوک شخص بھی لال حویلی کے صدر گیٹ کے آس پاس نہ بھٹکے۔‘‘
’’ہاں شان ایسا ہی کروں گی۔‘‘
’’ماہی تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔‘‘ شان ماہین کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کیے آہستگی سے بولا تھا۔ ماہین کی آنکھوں میں اس مخلص دوست کے لیے احترام عقیدت اور اپنائیت اُمڈ رہی تھی۔ شان نے ہمیشہ ہمیشہ ہر موقع پر اُس کی مدد کی تھی۔ ہر بار وہ رحمت کا فرشتہ بن کر اُس کے سامنے آ جاتا۔ ہمیشہ اُس کے ڈگمگاتے قدموں کو سہارا دیا۔ اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھایا۔ ماہین کی ازدواجی زندگی کی نیا سرکش سمندر کے گہرے پانیوں میں ہلکورے کھا رہی تھی۔ کاشان احمد ہی اُسے کنارے تک لایا تھا۔
آج ان دونوں نے خوب باتیں کی تھیں۔ اس کے دل پر پڑی گانٹھیں اپنی ایک ایک گرہ کھولتی اس کے دل کو کس قدر ہلکا کر گئیں تھیں۔ عرصہ بعد وہ عمیق گہرائیوں سے مسکرائی تھی۔
نہ فروان کی باتیں سُن رہی تھی نہ ہی وہ اُم فروا کے دل کا حال جانتے تھے۔ وہ تو بس اپنے ملک جی کی ذات میں گم تھی۔ اپنے شفاف ہاتھ کی پشت بار بار اُن کے گال پر سرسراتی تب ہونٹ اُن کے کان کے نزدیک لے جا کر سرگوشی میں کہتی۔ ملک جی آپ میرا لمس محسوس کر رہے ہیں ناں؟ وہی آپ کی فروا ہوں جس کے فراق کی گھڑیاں آپ کو بے کل رکھتی تب کتنے لمحات بیت جاتے آپ اپنی بے قراریوں کے ان گنت موتی پروتے چلے جاتے۔ اور میں سیل فون کان سے لگائے مسکراتے ہوئے آپ کی باتیں سنتی رہتی۔ میں بھی تب آپ کا مذاق اڑاتی۔ آپ ہنس کر گویا ہوتے۔ ’’فرو کر لو تنگ اب دشتِ فراق کی یہ لمبی گھڑیاں سمٹ کر اختتام پذیر ہونے والی ہیں۔ تم سے ایک ایک بات کا حساب لوں گا۔‘‘ وہ شوخ ہونے لگتے۔
’’ملک جی پلیز اب اٹھ جائیں۔ میں آپ کو اس حالت میں اب نہیں دیکھ سکتی۔‘‘ جانے اُم فروا کو کیا ہوا کہ آنسو ایک دم بغاوت پر اُتر آئے جو اچانک سے اُس کے چہرے کو جل تھل کر گئے۔ اُس نے جلدی

سے ہتھیلیوں میں تمام آنسو جذب کر لیے مبادا ماہین نہ دیکھ لے۔ لیکن وہ آج شان کی باتوں میں ایسی محو تھی۔ ماہین کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔ اچانک دروازہ کھلا آرمی یونیفارم میں ملبوس نرس اور روم بوائے سلام کرتے انٹر ہوئے۔

''ایکسکیوز می مسز ملک، انہیں اسپنج باتھ دینا ہے۔'' اُم فروا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ماہین اور کاشان احمد بھی کھڑے ہو گئے۔ تینوں باہر آ گئے۔ ماہین اُم فروا کی گلابی ڈوروں سے بھری آنکھیں دیکھ کر چونکی۔ یہ نئی بات تھوڑی تھی۔ اکثر و بیشتر وہ اُم فروا کی گلابی آنکھیں دیکھتی تھی۔ ماہین نگاہیں کتراتی یہ نہ کہتی فرو جان تم ان خوبصورت آنکھوں کو گلابی نہ کیا کرو۔''

''کینٹین چلتے ہیں وہاں چائے پیتے ہیں۔'' ماہین نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ ماہین اور اُم فروا قدرے ایک سنسان کارنر پر آ کر بیٹھ گئیں۔ شان کاؤنٹر پر چلا گیا تھا۔ واپسی پر بھری ہوئی ٹرے اُس کے ہاتھوں میں تھی۔ چیز چکن سینڈوچ بون لیس چکن بریسٹ وداسٹیم اور اسپیشل چائے۔

''شان اخلاقاً تو مجھے تمہیں یہ سب آفر کرنا چاہیے تھا۔'' ''ماہی کوئی بات نہیں سوچا اتنے عرصہ بعد بچپن کی دوست ملی ہے۔'' اُم فروا ان دونوں کی باتوں پر مسکرائی۔

''پلیز ماہین۔'' کاشان احمد نے اُم فروا کو دیکھتے ہوئے ماہین کی طرف اشارہ کیا کہ اُم فروا کی پلیٹس اُس کے سامنے رکھے۔ ماہین نے اُم فروا کے سامنے دو پلیٹس اور چائے کا مگ رکھ دیا۔ آرمی کینٹین کا ماحول خوشگوار اور باوقار تھا۔ یہاں پر معزز گیدرنگ موجود تھی۔ اکثریت آرمی کی فیملیز کی تھی۔ پرائیویٹ افراد کم کم تھے۔ کینٹین میں موجود نفوس کی نگاہیں غیر ارادی میں بار بار اُم فروا کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ شعلہ آتش بے مثال حسن اور اُس پر اُداسی کی دبیز تہہ ایسا مکمل حسن تو خداوند کسی کسی کے نصیب میں دیتا ہے۔ کیا وہ کوئی یونانی شہزادی تھی یا پرستان سے آئی پری تھی۔ خود پر لوگوں کی نگاہوں کا اٹھنا۔ اُم فروا کو شدید کوفت محسوس ہوتی۔ حجاب میں رہتی تھی تو وہ اس کے لیے بہتر تھا۔ یہ ملک مصطفیٰ علی ہی کی فرمائش تھی نکاح کے چندروز بعد انہوں نے اُس سے کہا تھا۔

''فرو تم صرف دوپٹہ لیا کرو۔ عبایا چھوڑ دو۔''

''کیوں ملک جی۔'' اُس کی آواز میں خاصی حیرانی تھی۔

''بس میرے ساتھ جہاں جاؤ گی دوپٹا لو گی ہاں جہان آباد جاتے ہوئے یا بازار کے لیے تم چادر لے سکتی ہو۔ ماہین عمار بھائی کی خواہش پر چادر لیتی تھی۔ اور ماں جی نے بھی ہمیشہ چادر لی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''ملک جی حیرت ہے پھر آپ مجھے عبایا سے کیوں منع کر رہے ہیں۔''

''فرو میں باہر نکلنے والا آدمی ہوں بخوبی جانتا ہوں عبایا کا استعمال کس قدر غلط طریقے سے کیا جارہا ہے۔ اور پھر تمہارا حسن ایسا ہے اس پر مکمل حجاب۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میری بیوی کے بارے میں ایسا ویسا سوچے۔ ہاں عبایا کی جگہ تم تین گز کا دوپٹا ضرور لے سکتی ہو۔''

''ٹھیک ہے سرتاج جو آپ کا حکم!'' اب وہ جب بھی باہر نکلتی چادر سے چہرہ ڈھانپ لیا کرتی۔ مصطفیٰ علی کے روم میں آ کر وہ چادر اُتار دیتی اور دوپٹے میں اچھی طرح خود کو کور کر لیتی۔ ماہین اور شان اب بھی

اپنی باتوں میں منہمک تھے۔ اُم فروا خاموشی سے اپنے سامنے رکھی پلیٹس کی طرف متوجہ تھی۔ ایک گھنٹہ گپ شپ لگانے کے بعد وہ تینوں کینٹین سے باہر کاشان احمد نے رسٹ واچ دیکھی ایک بج رہا تھا۔

''بہت ٹائم ہو گیا اب مجھے چلنا چاہیے پاپا کو لنچ کے لیے ایک دوست کے گھر ڈراپ کرنا ہے۔ ماہی التمش بخاری سے بات کر کے کل میں تمہیں بتاؤں گا۔''

''شان تم کل لال حویلی آ جاؤ ناں۔ پھوپی ماں سے تمہیں ملواؤں گی۔ تم سے مل کر وہ یقیناً خوش ہوں گی۔ وہ بھی پریشان رہتی ہیں۔ کل ڈنر بھی ہمارے ساتھ کرنا۔''

''ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے میں آ جاؤں گا۔''

''شان بھول گئے تم میرے بچپن کے دوست ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''اوکے بائے۔'' اب کاشان نے اُمِ فروا پر الوداعی نگاہ ڈالی اور پارکنگ کی جانب بڑھا۔ وہ دونوں لفٹ ڈور کی طرف چلنے لگیں۔

☆......☆......☆

بلال حمید اب دل ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا۔ اللہ کرے ملک مصطفیٰ علی کبھی کوما سے باہر نہ آئیں وہ بدنیتی پر اُتر آیا تھا۔ اپنے رب سے اُس نے کیسے کیسے توبہ استغفار کی تھی۔ خدا کو منانے کے لیے طویل سجدے کیے تھے۔ دوبارہ سے شیطان کے ورغلانے میں آ رہا تھا۔ اپنی تمام وضاحتیں ضائع کر رہا تھا۔ جو اللہ سے معافی اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُس نے کی تھیں۔ اُس وقت تو اس نے سچے دل سے توبہ کی تھی۔ اب پھر سے پرانی رفاقتوں کی طلب اُس کے اندر کیوں واویلا ڈال رہی تھی۔

کیا اُم فروا اب بلال حمید کی طرف لوٹ آئے گی اس پر اعتبار کرے گی۔ وہ تو اُس کی شکل کیا اُس کے ذکر سے بھی گھن محسوس کرتی ہوگی۔ کیا کروں میرے روم روم کے وجدان میں صرف اُسی کے احساس کی گونجیں کلبلاتی ہیں۔

وہ اب بھی نماز باجماعت پڑھتا تھا۔ اپنے لیے سیدھا راستہ مانگتا تھا۔ پانچ ٹائم کی نماز میں لیکن گھناؤنی سوچوں کو دماغ سے نہیں نکال پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ملک مصطفیٰ علی کو کوما میں گئے دو ماہ سات دن ہو چکے تھے۔ اب تو اُمِ فروا کا دل پھٹنے لگا تھا۔ اُسے لگتا اگر اب اس کے ملک جی اس بھیانک نیند سے نہ جاگے تو اُس کا دل بند ہو جائے گا۔ وہ بیٹھے بیٹھے مر جائے گی۔ اُسے چپ لگ گئی تھی کوئی بات کرتا تو مختصر جواب دیتی۔ ماں جی اور ماہین سے دل نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے باتیں کرنا پڑتیں۔

ان تینوں خواتین کا درد مشترکہ تھا۔ مہر النساء، ماہین اور اُم فروا سے یکساں محبت کرتی تھیں۔ عرفان اسلم نے بھی اب مصطفیٰ علی کی کنڈیشن کے بارے میں بات کرنا کم کر دی تھی۔ روزانہ کئی بار ملک مصطفیٰ علی کو آ کر دیکھتے۔ دوسرے دن کاشان احمد نے ماہین کو فون پر بتایا تھا۔

''میری ڈی سی التمش بخاری سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اب تم بے فکر ہو جاؤ۔''

''ناراض تو نہیں ہو گی؟''

''بھلا میں تم سے ناراض ہوسکتی ہوں۔ کل آجانا اور ڈنر ہمارے ساتھ ہی کرنا۔''

''سوری کل بھی فارغ نہیں ہوں، فرائی ڈے کو ضرور آؤں گا۔''

''اب عین ٹائم پر پروگرام کینسل نہ کردینا۔''

''انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔''

فرائی ڈے کی شام کو ماہین نے شاہ جی سے کہہ کر پُر تکلف ڈنر تیار کروایا تھا۔ بہت عرصہ بعد اس نے شاہ جی سے چائنیز اور اٹالین چند ڈشز کی فرمائش کی تھی۔ شاہ جی بہت خوش ہوئے تھے۔ عرصہ بعد ماہین نے اُن سے فرمائش کی تھی ورنہ جب بھی شاہ جی پوچھتے کہ چھوٹی ملکانی کیا بناؤں؟'' تو وہ کہتی۔

''شاہ جی کچھ بھی بنالیں۔''

اُم فروا کا کھانا پینا برائے نام رہ گیا تھا۔ بے بے جی اُس کے لیے فکر مند تھیں۔ اُم زارا بھی اصرار کرتی لیکن وہ دو چار نوالے لے کر ہاتھ کھینچ لیتی۔ جب سے اس کے ملک جی اس سفاک نیند کی نذر ہوئے تھے۔ اُس نے رغبت سے کھانا نہ کھایا تھا۔ سب ہی پُر امید تھے کہ وہ جلد کوما سے باہر آئیں گے۔ اب تو اُمِ فروا کی نیند بھی برائے نام رہ گئی تھی۔ وہ دیر تک عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتی۔ کئی کئی گھنٹے ہتھیلیاں ملائے رب سوہنے سے اپنے ملک جی کا سچا اور دائمی ساتھ مانگتی۔

اس فرائی ڈے کی شب واقعی کاشان احمد آگیا تھا۔ ماہین نے سکیورٹی گارڈ کو انٹر کام پر کہا تھا۔ لاہور کی نیم پلیٹ والی سیاہ کرولا حویلی کے احاطے میں ہے اس کے لیے اندر کا گیٹ کھول دیا جائے۔'' لال حویلی کے صدر گیٹ پر بھی دربان نے فون کر کے پوچھا تھا۔ اجازت ملنے پر کاشان کی گاڑی لال حویلی کی حدود میں داخل ہوئی تھی۔

تمام مرحلے طے کرنے کے بعد اب رہائشی ایریا کے ڈرائیو وے پر گاڑی رُک چکی تھی۔ لال حویلی کی سکیورٹی ماہین کی ہدایت پر مزید سخت کردی گئی تھی۔ کاشان احمد باہر نکلا۔ بیک سیٹ سے سفید گلابوں کے بکے اور کیک کا بیگ اٹھایا۔ کرم دین نے اُس کی رہنمائی کرتے ہوئے حویلی کی دوسری منزل کے رہائشی پورشن کی سیڑھیوں کی طرف اوپر جانے کا اشارہ کیا۔ سر کی جنبش سے شکریہ ادا کرتے ہوئے انتہائی قیمتی اور نفیس میرون سیڑھیاں پھلانگتا صدر دروازے پر آکر رُک گیا۔ ہلکی سی دستک دینے پر ماہین ہی نے دروازہ کھولا تھا۔

''میں نے سوچا اپنے بچپن کے دوست کا خیر مقدم میں خود کروں۔'' جواباً کاشان احمد مسکرایا۔ لاؤنج کی آرائش یہاں کے مکینوں کی امارت کا منہ بولتا ثبوت پیش کررہی تھی۔ اُس نے طائرانہ نگاہ سے جائزہ لیا۔

''شان یہاں بیٹھو گے یا ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔''

''ماہی ڈرائنگ روم مہمانوں کے لیے ہوتا ہے۔'' ''اور لاؤنج اپنوں کے لیے ہوتا ہے۔'' ماہین نے اُس کی بات اچک لی۔

''بالکل۔''

''اچھا بیٹھو تو سہی۔'' وہ سامنے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ ماہین اُس کے لفٹ ہینڈ صوفہ پر ٹک چکی تھی۔

''تمہارے بچے اور ساس کہاں ہیں؟''
''آتی ہیں۔'' گل پری فریش جوس اُن دونوں کے سامنے رکھ کر چلی گئی تھی۔
''گل پری پھوپی ماں کو بتاؤ کاشان احمد آئے ہیں۔''
''جی اچھا۔''
مہرالنساء بیگم کو آتے دیکھ کر کاشان احمد کھڑا ہو گیا انہوں نے حسان علی کی انگلی پکڑی ہوئی تھی۔ حازم علی کو گل پری نے اٹھایا ہوا تھا۔
''السلام علیکم جی۔''
''وعلیکم السلام تشریف رکھیے۔'' کاشان احمد مہرالنساء کی پرسنالٹی سے مرعوب ہوا تھا۔
''آنٹی آپ خیریت سے ہیں۔''
''الحمد للہ!'' اُن کی دھیمی شیریں آواز میں قناعت کا عنصر نمایاں تھا۔
''ماہین اکثر آپ کا ذکر کرتی ہے۔''
''اِن کا شکر گزار ہوں۔'' کاشان احمد اس وقت مقابل کی شان کے مطابق اپنی گفتگو کو رنگ دینا چاہ رہا تھا۔
''آنٹی انشاء اللہ بہت جلد ملک مصطفیٰ علی کوما سے باہر آجائیں گے۔''
''انشاء اللہ۔'' پھوپی ماں اور ماہین نے بیک وقت کہا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران وہ اصلی مدعا کی طرف آیا تھا۔ گل پری بچوں کو اُن کے کمرے میں لے گئی تھی۔
''میری ڈی سی التمش بخاری سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ کل وہ لاہور میں تھا اُس کے ساتھ ایک طویل نشست بھی تھی۔ جہان آباد کے ملکوں کو وہ جانتا ہے۔ ملک قاسم علی کو اچھے الفاظ میں یاد کر رہا تھا۔ التمش نے تو یہ جملے کہہ کر بات ہی مکمل کر دی تھی کہ جس علاقہ کی رعایا اپنے مالک سے خوش ہو اُس سربراہ کے متعلق رائے تو خود بخود سامنے آ گئی ناں۔''
''واقعی ملک صاحب ایسے ہی تھے۔'' اپنے خاوند کے ذکر پر وہ اُداسی سے بولی تھیں۔
''آنٹی التمش نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ پہلی فرصت میں جہان آباد کا سروے کرے گا۔ اطراف کی تمام ریاستوں کے ملک صاحبان کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے گا کسی کی ہمت نہیں کہ جہان آباد کی ریاست کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ التمش بخاری بہت جلد جہان آباد کا وزٹ کرے گا اور سب لوگوں کو اکٹھا کر کے سمجھائے گا۔''
''شکریہ کاشان احمد۔''
''آنٹی یہ میرا فرض تھا۔ آئندہ بھی جس قدر مجھ سے ممکن ہوا میں آپ سے رابطے میں رہوں گا۔ انشاء اللہ وہ دن قریب ہے جب ملک مصطفیٰ علی کوما سے باہر آئیں گے۔ آپ اور ماہین کو ہمت سے کام لینا ہوگا۔'' وہ نپے تلے لفظوں میں بول رہا تھا۔
''کاشان احمد آپ نے اس سے پہلے بھی ایک بہت بڑا احسان کیا ہے ہم پر۔''
''نہیں آنٹی میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

''کاشان ماہین نے آپ کی بہت ساری باتیں مجھ سے کیں ہیں۔ ماہین آپ کی بات مانتی ہے۔''
تب کاشان احمد نے ممنون نگاہوں سے ماہین کی جانب دیکھا تھا۔
''کاشان احمد اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آج میں تنہا ہوتی۔ ماہین ہی تو ہے جو میری ہمتیں بندھاتی ہے۔ عمار کی جگہ اس نے رکھی ہوئی ہے۔ عمار ہی کی طرح مجھے گلے لگائے ہوئے ہے۔ میرے ڈگمگاتے حوصلوں کو ہمتوں میں بدل دیتی ہے۔'' کاشان نے کن اکھیوں سے ماہین کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ ماہی میں سمجھ نہیں پا رہا تمہاری ساس کی باتیں۔'' ماہین نے اثبات میں سر ہلایا گہری مسکان اُس کے چہرے پر عود آئی۔
''کاشان احمد آپ ہی نے اس کا گھر ٹوٹنے سے بچایا ہی۔ عمار علی کس قدر اچھا انسان ہے اور کیسے ٹوٹ کر اس سے محبت کرتا ہے۔ یہ احساس آپ نے اس کے دل میں جگایا۔ آج آپ میرے سامنے آئے ہیں تو میں کھل کر آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ جانے پھر زندگی موقع دے نہ دے۔''
''آنٹی آپ شرمندہ نہ کریں۔ یہ میری بچپن کی دوست ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے مخلص ہیں۔ اب بھلا وہ یہ کیسے کہہ دیتا۔ میں نے ماہین کو ٹوٹ کر چاہا میں سوچتا اگر یہ مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔ میری سانسیں بند ہو جائیں گی۔ میں دنیا میں ناکارہ ایک ناکام شخصیت بن کر رہ جاؤں گا۔ میں نے تو اسے فلاح کی طرف لے کر جانا تھا۔ آنے والے عذاب لمحوں سے بچانا تھا۔ گلنار نے کھانا لگ جانے کی اطلاع دی۔ تینوں طویل راہداری عبور کرتے وسیع و عریض ڈائنگ ہال میں آ گئے۔
سوموار کے اس دن مہر النساء بیگم چند روز کے لیے جہان آباد جا رہی تھیں۔ التمش بخاری نے جہان آباد کا وزٹ کیا تھا۔ ارسلان سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ارسلان نے تمام معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ اب اسی سلسلے میں مہر النساء بیگم جہان آباد جا رہی تھیں۔ ناشتے کی ٹیبل پر وہ ماہین سے کہہ رہی تھیں۔
''ماہین پتر کئی دنوں سے ایک بات سوچ رہی ہوں۔''
''کیا پھوپی ماں۔'' وہ خاموش ہو گئیں تھیں بلاوجہ چائے میں چمچ چلا رہی تھیں کتنی گرہیں اُن کے ذہن میں اُلجھتی جا رہی تھیں۔
ہمیں مولوی ابراہیم بخش کے گھر جانا چاہیے۔''
''کسی دن چلے جائیں گے۔'' وہ سلائس پر شہد لگاتے ہوئے بولی۔
''ماہین میں چاہ رہی ہوں۔ مولوی صاحب ہمیں اُمِ فروا کی رخصتی دے دیں۔'' ماہین نے چونک کر حیرت سے پھوپی ماں کی طرف دیکھا۔ ماہین سوچ رہی تھی دولہا کے بغیر بھی کبھی رخصتی ہوئی۔
''پھوپی ماں انشاء اللہ مصطفیٰ بھائی بہت جلد کومہ سے باہر آ جائیں گے۔ پھر رخصتی بھی کرا لیں گے۔''
''ماہین بس میں چاہتی ہوں مولوی صاحب اُمِ فروا کو رخصت کر دیں۔'' مہر النساء بیگم گلوگیر لہجے میں گویا تھیں۔ گہرا اضمحلال اُن کی آنکھوں میں عیاں تھا۔ برجستگی میں جواب دینے والی ماہین بھی اُداس ہو گئی تھی۔ امید کے جگنو انہیں بند مٹھی سے آزاد نہیں کرنے تھے۔
''پھوپی ماں پریشان نہ ہوں اپنے آپ کو سنبھالیں۔''
''ماہین پتر میری بات پر غور تو کرو۔'' اُن کے ذہن میں اس وقت صرف یہی ایک بات گھسی ہوئی تھی۔

مولوی صاحب سے درخواست کرتے ہیں وہ اُمِ فروا کو رخصت کر دیں، مصطفیٰ علی کی جب یہ نیند ٹوٹے گی تو پھر ہم بہت بڑا فنکشن کریں گے۔'' اس وقت مہر النساء اپنی آنکھیں گیلی ہونے سے بچا رہی تھیں۔

''پھوپی ماں بس آپ دعا کرتی رہیں۔ مصطفیٰ بھائی کوما سے باہر تو آئیں پھر ایک ہفتے تک جشن منائیں گے۔''

''ماہین تم اُمِ فروا سے بات تو کر کے دیکھو۔ کیا اُس کے والدین مان جائیں گے۔''

''آپ پریشان نہ ہوں میں اُمِ فروا سے بات کروں گی۔'' اس وقت مہر النساء کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔ ماتھے کی نسیں ابھر آئی تھیں۔ اکثر ڈپریشن کی حالت میں اُن کا بی پی شوٹ کر جاتا تھا۔

''پھوپی ماں آپ بلڈ پریشر کی میڈیسن باقاعدگی سے کھا رہی ہیں ناں۔ جب میں گھر پر نہیں ہوتی تو گلنار آپ کو دوا ٹائم پر دیتی ہے ناں؟'' پھوپی ماں اپنی خواب گاہ میں چلیں میں آپ کو دوائی دیتی ہوں۔ کچھ دیر آرام کر لیں۔'' ماہین پریشان تھی اگر یونہی بات بات پر اُن کا بی پی ہائی ہوتا رہا تو کیا ہوگا؟ انہیں دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ اب ماہین کو مہر النساء کی فکر ستانے لگی تھی۔ اب پھوپی ماں کو کیسے سمجھاؤں کہ دولہا کے بغیر کبھی بارات دلہن کے گھر گئی؟ مجھے نہیں لگتا مولوی صاحب رخصتی دیں گے۔

اُس رات وہ ایسی ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ ممی کا فون آ گیا۔ خیریت معلوم کرنے کے بعد ماہین پوچھ رہی تھی۔

''ممی آپ کب آئیں گی؟'' ان دنوں اُسے ممی پاپا بھائی بہت یاد آ رہے تھے۔ اُن سے ملے بہت عرصہ ہو گیا تھا۔

''کل تمہارے پاپا ٹکٹ کے لیے اپلائی کریں گے۔ جیسے ہی ٹکٹ کنفرم ہوتے ہیں ہم آنے کی تیاری شروع کر دیں گے۔''

''ممی میں آپ کو مس کرتی ہوں۔''

''ماہی جان اب آ رہے ہیں ناں۔''

''ممی مصطفیٰ بھائی کے ایکسیڈنٹ نے ہماری لائف بہت ڈسٹرب کر دی ہے۔ وہ تنہا تھی ہر طرف بحر بیکراں کے طویل سلسلے تھے جو اسے اپنی اسیری میں لیے لیے پھرتے جن سے نبرد آزما ہونا اس کے لیے دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ بظاہر پُر اعتماد اور باہمت دکھائی دیتی۔

''ممی پھوپی ماں چاہ رہی ہیں مصطفیٰ بھائی کی بیوی کو رخصت کرا لائیں۔ مجھے تو یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں لگی، بغیر دولہا کے فرو کے پیرنٹس کیسے رخصت کر دیں گے بیٹی۔ داماد جو کوما میں ہے۔ جانے کب اُس کی نیند ٹوٹے۔ والدین تو سوچتے ہیں ناں بیٹیوں کے بہتر مستقبل کے لیے۔''

''ماہی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن مہر بھابی بھی درست ہیں۔ اُمِ فروا اُن کے اکلوتے بیٹے کی منکوحہ ہے وہ یہی چاہیں گی فروا ہمیشہ اُن کی بہو بنی رہے۔ مصطفیٰ کی بیوی کے روپ میں اُسے دیکھنا چاہتی ہیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے مصطفیٰ کی بیوی کو دیکھیں گی تو پُرسکون رہیں گی۔ اس طرح اُن کی امیدوں میں آس کی رمق مضبوط ہو جائے گی کہ مصطفیٰ علی کو خداوند ضرور ٹھیک کر دیں گے۔'' انشاء اللہ رب ضرور اپنا معجزہ دکھائے گا۔''

’’آمین۔‘‘ ماہین نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔
’’ماہی فروا کے آجانے سے تمہیں بھی خاصی ڈھارس ملے گی۔ پھر تم تینوں مل کر حالات ہینڈل کرسکو گی۔‘‘ ’’ممی مجھے پہلے اُم فروا کا سوچنا ہے اپنا مفاد پسِ پشت رکھ کر۔‘‘ ’’ماہین تم اُمِ فروا سے کھل کر بات کرو۔ وہ کیا چاہتی ہے کیا وہ مصطفیٰ علی کے بغیر رخصت ہوکر سسرال آنا چاہتی ہے۔ اگر وہ ایسا چاہتی ہے تو تب مہر بھابی مولوی صاحب سے رخصتی کی بات کریں۔‘‘
’’ممی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی پہلے فروا سے بات کرلوں۔‘‘

☆......☆......☆

فرائی ڈے کی اس سہ پہر ملک مصطفیٰ علی کے روم میں صوفہ پر بیٹھی ماہین نے اُمِ فروا کو آہستگی سے پکارا۔ اُس نے چونک کر ماہین کی طرف دیکھا۔
’’فرو یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔‘‘ وہ چیئر سے اٹھی اور ماہین کے پاس آکر بیٹھ گئی۔
’’جی ماہین؟‘‘ وہ ہمہ تن گوش تھی۔
’’فرو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔‘‘ ماہین غیر ارادی طور پر سرگوشی انداز میں گویا تھی معاً مصطفیٰ علی ان خواتین کی باتیں نہ سن لیں۔
’’فرو پھوپی ماں آج کل ایک ہی بات مسلسل سوچ رہی ہیں تکرار کررہی ہیں۔ وہ جب زیادہ سوچنے لگتی ہیں تو اُن کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ بی پی شوٹ کرجاتا ہے۔ اُن کے ذہن پر ایک ہی بات مسلط ہے۔‘‘
’’کیا؟‘‘ اُمِ فروا نے توجہ سے ماہین کی طرف دیکھا۔
’’وہ مولوی صاحب سے تمہاری رخصتی کی تاریخ لینا چاہتی ہیں۔ میں نے انہیں تسلی تشفی دی ہے۔ سوچا پہلے تم سے بات کرلوں۔ فرو تم کیا چاہتی ہو؟‘‘ اُمِ فروا ایک بارگی دم سادھ چکی تھی۔
’’بولو اُمِ فروا جو تم چاہو گی وہی ہوگا۔ بلا جھجک اپنا فیصلہ سنادو کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ہے تم پر۔‘‘
’’ماہین میرے والدین جو فیصلہ کریں گے وہی میرے لیے مقدم ہوگا۔‘‘
’’ہاں فروا میں جانتی ہوں وہ تمہاری بہتری کے لیے ہی فیصلہ کریں گے۔ لیکن یہاں پچویشن مختلف ہے بغیر مصطفیٰ علی کے تمہیں رخصت ہوکر لال حویلی آنا ہوگا یقیناً مولوی صاحب تمہاری رائے کو اولیت دیں گے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ دیکھو اُمِ فروا جو فیصلہ کرنا اپنی خوشی اور مطمئن سوچ کے ساتھ کرنا۔‘‘
’’ماہین میرا خدا کی ذات پر بھروسا بہت مضبوط ہے۔ انشاء اللہ یہ جلد اس سفاک نیند سے باہر آئیں گے۔‘‘ اُمِ فروا نے ملک مصطفیٰ علی کی طرف دیکھا۔
’’ماہین اگر یہ ہیں تو میں ہوں ورنہ میں، میں نہیں ہوں۔ میں آخری سانسوں تک اِن کی ہوں اور رہوں گی۔ یہ میری پہلی سچی محبت ہیں جس کی گواہی میرا روم روم دیتا ہے۔ میں تو اپنے ملک جی کے اندر گم ہوں۔ خدا کے بعد اِن کے نام کی تسبیح میری ہر سانس جپتی ہے۔‘‘ ماہین مسکرائی ملک مصطفیٰ علی کے لیے اُن کی ایسی فیلنگز اُسے بہت اچھا لگا تھا۔
’’فرو تم کھل کر بتاؤ ہم تمہیں رخصت کرالائیں۔ پھوپی ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اُن کی خوشی کے

لیے میں اور ممی بھی یہی چاہ رہے ہیں۔''

''پھر ٹھیک ہے۔'' اُم فروا گویا ہوئی۔

''تھینک یو فروا۔'' ماہین نے اسے گلے لگالیا۔

''تم نے ہم سب کے دل رکھ لیے۔ واقعی تم اپنے ملک جی سے بہت محبت کرتی ہو۔'' اُم فروا جھینپی۔

''میں آج ہی پھوپی ماں سے بات کروں گی پھر ہم جلد تمہارے گھر آئیں گے مولوی صاحب سے درخواست کرنے کے لیے کہ وہ ہماری امانت ہمیں سونپ دیں۔'' تب اُم فروا آسودگی سے مسکرائی تھی۔

اُم فروا کو امید تھی کہ ابا جی اُس کی رخصتی ضرور کرا دیں گے۔ کیونکہ میں اب ملک جی کی منکوحہ ہوں وہ مجھے زیادہ دیر اپنے گھر میں نہیں بٹھائیں گے۔ اللہ کے حکم کو مقدم جانیں گے۔ میری رضامندی پائیں گے تو رخصتی کا ارادہ کرلیں گے۔ اس کے اندر نئی نئی کونپلیں مہک رہی تھیں۔

☆......☆......☆

محمد علی کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو چکی تھی۔ پنجاب رجمنٹ کی جانب سے وہ کوئٹہ جا چکے تھے۔ اُن کا سامان بھی ملٹری ٹرکوں پر کوئٹہ پہنچ گیا۔ امل نے اپنے بیٹے احمد علی کا ایڈمیشن بھی کرانا تھا وہاں کے حالات ان دنوں سازگار نہیں تھے۔ زندگی کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ کوئٹہ جانے سے پہلے وہ ایک چکر لال حویلی کا لگالے۔ اسی شام وہ بائے ایئر لاہور پہنچی تھی۔ اُس نے اپنے آنے کی اطلاع صرف ماہین کو دی تھی۔ لیکن ماں جی کے لیے سرپرائز تھا۔ مہر النساء بیگم نے جب اچانک اپنے سامنے امل اور اس کے بچوں کو پایا تو بے حد خوش ہوئیں۔

''امل فون تو کردیتی۔'' اُس کی خنداں پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے وہ کھل اٹھی تھیں۔

''ماں جی اگر آپ کو بتا دیتی تو اس وقت آپ کے چہرے پر جو خوشی ہے اس سے محروم رہ جاتی۔'' وہ ماں کے ہاتھ آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اچانک بیٹی کو سامنے پاکر اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ احمد اور مریم اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ امل کے آنے سے پہلے شام کی چائے پر ماہین نے مہر النساء کو بتایا تھا۔

''میں نے اُم فروا سے بات کرلی ہے رخصتی کی اُس نے جواب دیا ہے آپ ابا جی سے بات کریں۔''

''یعنی اُم فروا کو اعتراض نہیں ہے۔ مصطفیٰ علی کے بغیر رخصت ہوکر آنے کا؟''

''نہیں اور مجھے امید ہے پھوپی ماں مولوی صاحب کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ مذہبی شخصیت ہیں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بتائے احکامات پر عمل کرنے والے۔''

''ہوں۔'' وہ مطمئن دکھائی دینے لگی تھیں۔ ماہین پتر تو نے میرا بوجھ ہلکا کردیا ہے اور اب اچانک امل آگئی تھی۔ آج کا دن اُن کے لیے خوشیاں لایا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں امل سے کہوں گی کچھ دن رُک جائے اور بھابی کو رخصت کرالائے۔''

ماہین اس وقت کچن میں جاکر شاہ جی کو چند مخصوص ڈشز بنانے کے لیے کہہ رہی تھی جو امل کو پسند تھیں۔

امل سوچ رہی تھی ماہین کتنی بدل گئی ہے۔

ماہین اور مہر النساء بیگم نے امل کو تفصیلی بتایا تھا اُم فروا کی رخصتی کے لیے۔ وہ بھی خوش تھی امل نے اپنا

قیام چند دن مزید بڑھا دیا تھا۔ میجر محمد علی سے بھی کہا تھا آپ ضرور شرکت کریں گے۔ میجر صاحب کا شیڈول ان دنوں بہت ٹف تھا۔ پھر بھی انہوں نے حامی بھر لی تھی۔

کھانے کے بعد امل اور ماہین مصطفیٰ علی کو دیکھنے سی ایم ایچ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

جب سے ملک مصطفیٰ علی کوما میں گئے تھے کوئی ایسا دن نہیں گزرا تھا جب اُم فروا ہاسپٹل اُن کے پاس نہ آئی ہو۔ وہ صبح ہی اپنے ملک جی کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ جبکہ ماہین دن کے بارہ بجے تک سی ایم ایچ پہنچی تھی۔ آج ماہین نے رائے ونڈ روڈ پر فیکٹری میں جانا تھا۔ فیکٹری کے حالات قدرے بگڑ رہے تھے۔ میر صاحب نے اُسے بریفنگ دی تھی۔ آج اُس نے ارجنٹ میٹنگ کال کر رکھی تھی۔ سپلائی کا کام کچھ کھٹائی کی روش اختیار کر رہا تھا۔

مال ٹائم پر ڈیلیور نہیں ہو پا رہا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی ہی کی طرح ماہین سنجیدگی و دلچسپی سے تمام امور پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ میر صاحب نے بتایا تھا بلال حمید جو ڈیلیور سپر وائزر ہے۔ اُس کی شکایات موصول ہو رہی ہیں۔ ہمیشہ سے شاہ جہان فوڈز کا شمار پاکستان کے معتبر بزنس فیکٹریز میں ہوتا تھا۔ جس کی مصنوعات کی مانگ کا گراف بہت اوپر تھا۔

امل کو ماہین نے سی ایم ایچ چھوڑا اور خود ڈرائیور کے ساتھ فیکٹری چلی گئی۔ اسے تفصیلی بریفنگ دی گئی تھی۔ میٹنگ کافی گھنٹوں تک چلی تھی، جہاں تمام امور پر کھل کر بات ہوئی وہیں کھپت ڈیلیوری چارجز تمام ڈیٹا ماہین نے چیک کیا تھا۔ میٹنگ میں ہر ایشو پر تمام اراکین کو ڈیٹیل سے بات کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ تین ڈیلور سپر وائزر کی کارکردگی کی ماہین نے تفصیل مانگ لی تھی۔

''میر صاحب پلیز آپ آج ہی تمام ڈیٹا مجھے ای میل کریں۔''

''میم میں ویکلی رپورٹس ملک صاحب کے ای میل ایڈریس پر سینڈ کر دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے اُن کا لیپ ٹاپ میرے پاس رہتا ہے۔ میں وقتاً فوقتاً چیک کرتی رہتی ہوں۔'' ماہین ملک قاسم علی کی بہو تھی۔ ایسے کاموں میں وہ کبھی نہ پڑی تھی۔ اب اُسے یہ سب بہت سمجھداری اور ذمے داریوں سے انجام دینا تھا۔ ریاست کا خیال تو ارسلان کر رہا تھا۔ جو ماہین اور مصطفیٰ علی کا کزن تھا۔

امل نے اُم فروا کو بتایا تھا آج شام ہم تمہارے گھر آئیں گے۔ ماہین شاہ جہان فوڈز فیکٹری سے سی ایم ایچ چھ بجے پہنچی تھی۔ پہلے اُس نے اُم فروا کو اُس کے گھر چھوڑنا تھا کیونکہ آج اسماعیل بخش نے اُسے لینے نہیں آنا تھا۔ وہ شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ پھر ان سب نے پھوپی ماں سمیت مولوی صاحب کے گھر آنا تھا۔ اندرونِ موچی گیٹ جامعہ مسجد کے قریب براؤن گیٹ والے گھر میں اُم فروا کو چھوڑنے کے بعد ماہین اور امل لال حویلی آ گئیں تھیں۔

مہر النساء بیگم پہلے ہی تیاری کر کے بیٹھی تھیں۔ فروٹس کے کئی کریٹ اور مٹھائیوں کے ٹوکرے انہوں نے منگوا لیے تھے۔ آٹھ بجے یہ لوگ مولوی ابراہیم بخش کے گھر پہنچے تھے۔ مولوی صاحب گھر پر ہی تھے۔ سیماں نے مٹھائی اور فروٹس کے کریٹ وسیع و عریض برآمدے میں رکھ دیے تھے۔ سبھی پر تپاک انداز میں ملے تھے۔ امل سب کے لیے تحائف لائی تھی۔ تمام نفوس سنبل کے نرم و گداز فلور کشن پر بیٹھ چکے تھے۔

مولوی ابراہیم بخش اپنے کمرے سے نکلے۔علیک سلیک کے بعد انہوں نے سب کی خیریت پوچھی۔
''آپ باتیں کریں میں چلتا ہوں۔''
''بھائی صاحب آپ بیٹھیں مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' مولوی صاحب بے بے جی کے نزدیک بیٹھ گئے اُم فروا اور اُمِ زارا کچن میں چلی گئیں۔ مہر النساء بیگم کچھ سوچ رہی تھیں۔ ماہین نے انہیں بات کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ موزوں الفاظ تلاش کر رہی تھیں۔ وہ جو کہنا چاہ رہی تھیں عجیب ہی تو بات تھی۔ ساڑھے تین ماہ سے اُن کے داماد ملک مصطفیٰ علی کوما میں تھے۔ داماد کے بغیر اپنی بیٹی کو رخصت کر دیں کہ یہ ایک بیٹے کی ماں کی خواہش ہے۔ مولوی صاحب منتظر تھے۔ مہر النساء گویا ہوئیں۔
''دراصل مولوی صاحب ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنی امانت کو آپ کے گھر سے اپنے گھر میں لے جانے کی درخواست آپ سے کریں۔'' مولوی صاحب بے طرح چونکے تھے اُن کی جھکی نگاہیں تیزی سے اوپر اٹھی تھیں۔
''دراصل مولوی صاحب پھوپی ماں کی یہ شدید خواہش ہے وہ اپنی بہو کو رخصت کرا کر اپنی زندگی میں اپنے گھر لے جائیں۔ انشاء اللہ مصطفیٰ بھائی بہت جلد کوما سے باہر آئیں گے۔ کئی مرتبہ اُن کی انگلیوں اور آنکھوں میں جنبش ہوئی ہے۔ ڈاکٹرز پُر امید ہیں کہ مصطفیٰ علی بہت جلد کوما سے باہر آ جائیں گے۔'' ماہین ملتجانا نگاہوں سے خاموش بیٹھے مولوی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ بے بے جی اچانک حیرت زدہ ہوئی تھیں۔
''پلیز مولوی صاحب آپ ہمیں یہ خوشی سونپ دیں۔'' بات کرتے امل کا لہجہ رندھ گیا تھا۔ آنکھوں میں نمی پھیلی جسے اُس نے پلکیں جھپک کر جبراً روکا تھا۔
''بے بے جی آپ بھی تو کچھ بولیں۔'' ماہین نے اُن کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ بے بے جی مصلحتاً مسکرائیں لیکن بولیں کچھ نہیں۔ اُن کی بیٹی کے مستقبل کا سوال تھا۔ آگے چل کر کچھ بھی بعید تھا۔
''ہم مشورہ کر لیں پھر آپ کو بتا دیں گے۔'' مولوی صاحب اس دوران پہلی مرتبہ گویا ہوئے تھے۔
''مولوی صاحب ہمیں مایوس نہ کیجیے گا۔'' مہر النساء کی آنکھوں میں امیدوں کی جوت ڈگمگا رہی تھی۔
''بہن اللہ بہتر کرے گا۔'' مولوی صاحب سوچ رہے تھے اُمِ فروا سے پوچھ لیں وہ کیا چاہتی ہے۔ اگر اُس کی مرضی کے خلاف رخصتی کرا دوں تو گناہ گار ٹھہراؤں گا۔
''بہن جی دو دن تک فون کر کے آپ کو بتا دیں گے۔'' بے بے جی گویا ہوئیں۔
''بے بے جی ہمیں ہر صورت ہاں میں جواب چاہیے۔ میں اسی لیے یہاں رُک گئی ہوں۔'' امل نے کہا۔
''امل پتر! میرا رب جیسا چاہے گا اور جو اُسے منظور ہو گا وہی ہو گا ناں۔'' بے بے جی مسکرائیں۔
تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب اُٹھ کر مسجد چلے گئے تھے۔ انہوں نے اجازت چاہی لیکن بے بے جی نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ تھوڑی دیر بعد اُم فروا اندر آئی۔
''کھانا تیار ہے ماں جی اِدھر ہی دستر خوان لگا دیں۔'' اُم فروا نے ساس سے اجازت چاہی۔
''ہاں پُتر اِدھر ہی لگا دو۔'' اُم زارا دستر خوان لے آئی تھی۔ کھانا بہت مزے دار تھا۔ سب نے رغبت سے کھانا کھایا اور کھانے کی تعریف بھی بہت کی۔

☆......☆......☆

اس دوپہر امل اور ماہین سی ایم ایچ کے لیے نکلنے ہی والی تھیں کہ مہرالنساء کے سیل فون پر بے بے جی کا فون آ گیا۔ علیک سلیک کے بعد مہرالنساء بیگم کی ہمت ہی نہیں تھی کہ اصل مدعا پر بات کرتیں۔ بے بے جی خود ہی گویا ہوئیں۔

''بہن جی تمام گھر والوں کے باہمی مشورے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اُم فروا آپ کی بہو ہے۔ ملک مصطفیٰ علی کی بیوی ہے۔ ہم اس کی رخصتی کے لیے رضا مند ہیں۔ آگے ہماری بیٹی کا نصیب۔ ہم نے اس کے تمام معاملات خدا کے حوالے کر دیے ہیں وہ ضرور اس کے حق میں بہتری کرے گا۔ جو مالک کی رضا اُس کے حوالے ہماری بچی۔''

''بہت بہت شکریہ فاطمہ بہن۔'' رقت آمیزی سے مہرالنساء کی زبان گنگ ہو رہی تھی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے یہ احساس ہی اُن کے لیے کس قدر خوش کن تھا اُن کے مصطفیٰ علی کی دلہن اپنے سسرال آ رہی ہے۔

''بہن مولوی صاحب سے مشورہ کر کے رخصتی کے لیے کوئی مناسب دن مقرر کر دیں۔''

''مولوی صاحب نے کہا ہے جمعہ کا دن مبارک ہے۔''

''ٹھیک ہے، ہم صرف گھر کے لوگ ہی آئیں گے۔ جہیز وغیرہ یا کسی قسم کے تکلفات کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں جو کچھ ہے انہی بچوں کا ہے۔ بہت مہربانی۔ آپ سے پھر بات ہوتی ہے۔ میں امل اور ماہین کو بتاتی ہوں۔''

امل اپنے کمرے سے نکلی تو ماں جی کو اس قدر خوش دیکھا۔

''کیا ہوا اماں جی!''

''مولوی صاحب نے رخصتی کے لیے حامی بھر لی ہے اسی جمعہ کو۔''

''واہ زبردست!'' خوشی سے امل چیخی۔

''کیا ہوا بھئی۔'' ماہین حازم کو اٹھائے سیڑھیاں اترتی بولی۔

''ماہین مولوی صاحب نے جمعہ کا دن رخصتی کے لیے دے دیا ہے۔''

''ویری گڈ! پھوپی ماں بہت بہت مبارک ہو۔'' ماہین اُن کے گلے لگ گئی تھی۔ انہوں نے اُس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور حازم کو اُس کی گود سے لے لیا۔ سیماں، گلنار اور گل پری بھی آ گئی تھیں۔ وہ بھی خوش تھیں کہ اُن کی دلہن آ رہی ہیں۔ ملک مصطفیٰ علی کی بیوی۔'' عرصہ بعد خوشی کی نوید آئی تھی یہاں کے مکینوں کے لیے سب ہی کے چہرے دمک رہے تھے۔

''امل محمد علی کو فون کر کے بتاؤ تاکہ وہ جلدی پہنچ جائے۔''

''ماں جی آپ بے فکر رہیں علی رخصتی میں ضرور شامل ہوں گے۔''

''پھوپی ماں تھوڑی دیر پہلے ممی سے میری بات ہو رہی تھی۔ کل پانچ بجے کی اُن کی فلائٹ ہے۔ پہلے وہ دبئی لینڈ کریں گی، وہاں سے لاہور پہنچیں گی۔''

''اچھا، اچھا میرے مالک تیرا شکر ہے۔ ایک ساتھ تُو نے کتنی خوشخبریاں دے دی ہیں۔'' مہرالنساء بیگم یوں خوش تھیں جیسے اُن کا اکلوتا بیٹا گہری کسیلی مہیب اندھیری نیند سے جاگ گیا ہو۔

''اچھا ہم ہاسپٹل جارہے ہیں۔ اُم فروا کا فون آیا تھا۔ وہ وہیں پر ہے۔ پھوپی ماں میں کچھ کیش رکھ لیتی ہوں واپسی پر لبرٹی کا چکر بھی لگاتے آئیں گے۔ اور اُمِ فروا کی پارلر میں بکنگ بھی کرالیں گے۔ ماہین نے مصروف سے انداز میں انہیں بتایا۔

ماہین ڈرائیور سے کہنا وہ لال حویلی کی مسجد کے امام صاحب سے کہے۔ سوا لاکھ کلمہ شریف اور آیت کریمہ کا ختم کرادیں اور زردہ پلاؤ کی دیگیں پڑھنے والے بچوں میں تقسیم کرادے۔''

''پھوپی ماں میں علی بخش سے کہے دیتی ہوں۔ آپ اکرام کو فون کریں کہ جہان آباد کی مسجد میں رات کو شبینہ کرائے۔ اور مصطفیٰ لالہ کی صحت کے لیے خصوصی دعا کرائی جائے۔'' امل اُن کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں ابھی فون کرتی ہوں۔ تم لوگ جاؤ ناں بہت کام باقی ہیں۔'' مہرالنساء بیگم بات بات پر مسکرا رہی تھیں۔

''خداوند میری ماں کو ہمیشہ خوش رکھنا۔'' امل نے چپکے سے اُن کے لیے دعا کی تھی۔ یسماں نے آکر بتایا گاڑی مردان خانے کے ڈرائیو وے پر آچکی ہے۔ آج لال حویلی کے سبھی نفوس خوش تھے۔

☆......☆......☆

امل اور ماہین پہلے سی ایم ایچ آئیں حسبِ معمول اُمِ فروا پہلے سے موجود تھی۔ خوشی بھری اُداسی ہنوز اُس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ ماہین اور امل نے اُسے گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ بے تحاشا دعائیں دی تھیں۔ وہ دبی دبی مسکان کے ساتھ شکریہ ادا کرتی رہی، آنکھوں کی سطح میں اترے آنسوؤں کو جھڑک کر پیچھے دھکیلتی رہی۔

''اُمِ فروا کچھ دیر پہلے بے بے جی کا فون آیا تھا۔'' امل اُس کا ہاتھ پکڑے اُمِ فروا کو صوفے تک لے آئی۔ انہوں نے جمعہ کو رخصتی کردینے کے لیے کہا ہے۔'' اُمِ فروا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور اپنے حنائی ہاتھوں کو بغور دیکھنے لگی جن کا رنگ اُس نے کبھی پھیکا نہیں پڑنے دیا تھا۔ ماہین بھی اُس کے قریب بیٹھ چکی تھی۔

''فروا اُداس ہو۔'' امل نے اُس کی تھوڑی اپنی جانب ہلکے سے موڑی۔

''خوش ہوں امل آپی۔'' وہ بمشکل کہہ پائی۔

''جب تم آجاؤ گی تو انشاء اللہ لالہ بہت جلد جاگ جائیں گے۔''

''انشاء اللہ۔'' اُم فروا کے ہونٹ سرگوشی میں کپکپائے۔ بار بار پلکیں جھپک کر اُمِ فروا آنسوؤں کا سیلاب روکنے کی کوشش کررہی تھی۔

''اُمِ فروا میں اکیلی بور ہوتی رہتی تھی اب تم آجاؤ گی تو خوب مزہ کریں گے۔ پھوپی ماں کو میری وجہ سے یہاں رُکنا پڑتا ہے۔ پھر وہ جہان آباد چلی جائیں گی۔''

''ماہین ایسا نہیں ہوسکتا انہیں ہم گھر لے جائیں۔ تب ہر لمحہ یہ میرے سامنے رہیں گے۔'' سسکاریاں عمیق پاتالوں میں جبراً روکتے ہوئے اُمِ فروا نے ملک مصطفیٰ علی کی طرف اشارہ کیا، جو ساڑھے تین ماہ سے بے خبری کی نیند اوڑھے سورہے تھے۔ اُن کے پیاروں پر کیا گزر رہی ہے؟ وہ بے خبر تھے۔ اس وقت چھاتی تک چادر اوڑھے وہ کتنی طمانیت آمیزی چہرے پر لیے دکھائی دے رہے تھے۔

''فرو۔'' امل نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ بے طرح چونکی۔

''بھلا ہم لالہ کو کیسے گھر لے جا سکتے ہیں۔ یہاں پل پل اُن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک ڈرپ ختم ہونے کے بعد دوسری لگتی ہے ان ڈرپس میں جانے کون کون سے انجکشن شامل کیے جاتے ہیں۔ کئی کئی بار اُن کی نبض ہارٹ بیٹ چیک ہوتی ہے۔''

''امل آپی یہ سب گھر پر بھی تو ہو سکتا ہے۔'' اُم فروا بضد تھی۔

''نہیں ہو سکتا فروا۔'' امل نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ماہین خاموشی کے ساتھ دونوں کی گفتگو سنتی رہی۔

☆......☆......☆

مہر النساء بیگم نے اپنے اور ملک قاسم علی کے بہن بھائیوں کو رخصتی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ یہ کیسی رخصتی تھی جو دولہا کے بغیر ہونے جا رہی تھی۔ جہاں سب خوش تھے۔ پُر ملال بھی تھے۔

''اُم فروا نے ایک بار پھر دلہن کا روپ دھار لیا تھا۔ اُس کے حسن کا دم بخود کر دینے والا فسوں اور کچھ کمال بیوٹیشن کے باکمال ہنر کا جس نے مزید نکھار بخش دیا تھا۔ بار بار بیوٹیشن گویا تھی۔ ''میں نے اپنے کیریئر میں ایسی مکمل حسین دلہن نہیں دیکھی۔'' سب کا یوں سراہنا اُم فروا کو اچھا لگ رہا تھا۔ جس کے لیے وہ سجی تھی کاش وہ اسے دیکھتا تب نازاں ہونے پر اُس کا بھی دل چاہتا۔

مہر النساء بیگم بہت خوش تھیں۔ اُم فروا کا روپ دیکھ کر سورتیں پڑھ پڑھ کر اُس پر پھونکتی رہیں۔ ماہین اور امل بھی اُمِ فروا کے دو آتشہ حسن کے سامنے جیسے توصیفی الفاظ زبان کے اندر گنگ کر بیٹھی تھیں۔ جو دیکھتا بے اختیار کہہ جاتا ایسی حسین دلہن ہم نے آج سے پہلے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔

رات کو اُم فروا رخصت ہو کر لال حویلی آ چکی تھی۔ اُس کا دل ہمکتا رہا۔ وہ پہلے سی ایم ایچ جانا چاہتی تھی۔ آج دوپہر لال حویلی کے تمام مزارعوں میں پُر تکلف کھانا تقسیم کیا گیا تھا۔ رعایا ملک مصطفیٰ علی کی صحت یابی کے لیے دعائیں کر رہی تھی۔ لال حویلی کی مسجد میں ہر عشاء کی نماز کے بعد ملک مصطفیٰ علی کی صحت یابی کی خصوصی دعا ہوتی تھی۔ جہان آباد میں بھی یہ سلسلہ جاری تھا۔

مہر النساء نے تمام رسمیں ادا کی تھیں۔ فوزیہ کو اُم فروا اور اس کی فیملی بہت پسند آئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اُم فروا کے سامنے بیٹھی فوزیہ اُس کے سہاگ کے ٹھیک ہو جانے کی مسلسل دعائیں کرتی رہیں۔ وہ نپے تلے لفظوں میں اُم فروا کی ہمتیں بڑھا رہی تھیں۔

اُم زارا اور اسماعیل بھی تھوڑی دیر بعد لال حویلی آئے تھے۔ اُم زارا بہت خوبصورت لگ رہی تھی آف وائٹ پشواز اور چوڑی دار پاجامے دوپٹا سلیقے سے سر پر ہے۔ وہ خطرناک حد تک اچھی لگ رہی تھی۔ اُم فروا بہت حسین تھی لیکن اُم زارا بھی کم نہیں تھی۔ جانے کتنے لوگوں نے اُسے اپنے سیل فون کے کیمروں میں قید کیا تھا۔ میجر ڈاکٹر عرفان اسلم کے بھائی عدیم اسلم حال ہی میں امریکہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے ساتھ لوٹا تھا۔ اُم زارا کے ہر ہر لمحے کو اُس نے کیمرے میں اسیر کیا تھا۔ عدیم کی تو مسکراہٹ رُک ہی نہیں رہی تھی۔ طمانیت آمیز مسکان کے بیچوں بیچ ہونٹ کھلے جا رہے تھے۔ رخصتی کے وقت بھی عدیم کی نگاہیں اُم زارا پر ہی مرکوز رہیں اور اب لال حویلی میں اُم زارا کو دیکھ کر اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پیرنٹس شادی کے لیے لڑکیاں دیکھ رہے تھے۔ کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آ رہی تھی اُسے۔ عدیم کی چھوٹی بہن خولہ بھی لمحہ بہ لمحہ بھائی کی نگاہوں کے زاویے کے تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔ خولہ خوش ہو گئی۔ چلو اس کے

نخریلے بھائی کی نگاہ کسی لڑکی پر ٹھہری تو سہری اور پھر اُمِ زارا ایسی ویسی لڑکی تھوڑی ہی تھی وہ تو پرستان کی سردارنی تھی بے پناہ خوبصورت اور آج تو اس آف وائٹ ومیرون ہیوی کامدار ڈریس اُس کی جلوہ آرائیوں کی حدیں انتہاؤں کو چھو رہی تھیں۔ اس وقت مہر النساء بیگم سوچ رہی تھیں کاش اُن کا ایک اور بیٹا ہوتا تو اُم زارا کو بھی اپنی بہو بناتیں۔ ماہین نے سوچا میرے بھائی بہت چھوٹے ہیں ورنہ میں اسے بھابی بناتی۔ امل کو بھی اُمِ زارا بہت اچھی لگی تھی۔ لیکن اُس کا اکلوتا دیور بھی شادی شدہ تھا۔ خولہ نے عدیم کے کان میں سرگوشی کی۔

''بھائی آج تو بہت خوش نظر آ رہے ہو۔'' عدیل خجل ہو کر مسکراتا ہوا آگے نکل گیا تھا تو قف بعد گھوم کر پھر سے اُمِ زارا کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اُم زارا جو اُم فروا کے پاس ہی صوفہ پر بیٹھی بہن سے باتیں کر رہی تھی۔ اُم فروا کی اُداسی دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُم فروا بس یہی سوچ رہی تھی وہ کب سی ایم ایچ جائے گی۔ ملک مصطفیٰ علی کو دیکھے گی۔ لیکن وہ تو اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔ دو دن سے اُمِ فروا نے ملک مصطفیٰ علی کو نہیں دیکھا تھا لگ ایسے رہا تھا جیسے صدیاں بیت گئیں انہیں دیکھے۔

آج سب لوگ خوش تھے۔ ملک مصطفیٰ علی کی دلہن جو آ گئی تھی ماں جی کی خوشی دیدنی تھی۔ امل ماہین آج دل سے مسکرا رہی تھیں۔ آج اُن کی تیاری بھی خصوصی تھی۔ ماہین وہی پہلے والی ماہی دکھائی دینے لگی تھی۔ ماہین کو یوں تیار دیکھ کر فوزیہ خوش تھیں۔ ماہین نے آج اپنی بری کے وراثتی زیورات پہنے تھے۔ اکثر فوزیہ کا دل دکھی بھی ہو جاتا اُن کی بیٹی بیوہ ہو گئی۔ ایک سال ہونے والا تھا۔ ملک عمار علی کو اس دنیا سے گئے پہاڑ جیسی زندگی تنہائی میں کیسے گزارے گی؟

☆......☆......☆

رات کو پُر تکلف ڈنر تھا۔ عدیم تو پاگل ہو رہا تھا اُم زارا کے لیے۔ اُسے اُمِ فروا سے زیادہ حسین اُمِ زارا لگ رہی تھی یہ تو عدیم اسلم کی نظر کا سحر تھا۔ ورنہ اُم فروا کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ خولہ نے اپنی والدہ کو بھی اُمِ زارا دکھائی تھی جبکہ وہ بھی متاثر ہوئیں تھیں۔ اُمِ زارا کی خوبصورتی سے۔

اگر عدیم اسلم کا بس چلتا تو آج ہی اُم زارا کو رخصت کرا کر اپنے سنگ اپنے آبائی ضلع خوشاب کے گاؤں چک سردار پور لے جاتے مگر ایسا ممکن نہیں تھا سو انہیں صبر ہی کرنا تھا۔

اُمِ زارا کے جانے کے بعد اب عدیم کا بھی یہاں دل نہیں لگ رہا تھا۔

''ماہین اور امل اب بہو کو اس کے کمرے میں لے جاؤ، تھک گئی ہوگی۔'' مہر النساء نے محبت پاش نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ اُمِ فروا کے دل میں گانٹھیں پڑ گئیں۔ وہ ساس سے کیسے کہہ دیتی تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنے ملک جی کے پاس جانے دیں۔ ماہین اُس کے چہرے پر اُداسی دیکھ کر بولی۔

''فروکل ہم صبح صبح مصطفیٰ بھائی کے پاس جائیں گے۔ اب تو رات بہت ہو چکی ہے۔ وہ ملک مصطفیٰ علی کے کمرے میں آ گئی۔ اندر پہلا قدم رکھتے ہوئے وہ مبہوت ہو کر رہ گئی۔ اُسے ایک بارگی لگا جیسے بہشت میں آ گئی ہے۔ اُس کی مسہری موتیا چنبیلی اور سرخ گلابوں سے سجی ہوئی تھی۔ ریڈ مہین شنیل کا بیڈ پوش تھا جس پر انڈرے جیسا سفید بادلوں کے گلابوں جیسا گداز کمبل تھا۔ سفید کارپٹ پر اُس کی چھ انچ والے سینڈل غائب ہو چکے تھے۔ اُس کی نرم فرل کے اندر انتہائی نفیس کرسٹل ٹیبل میچنگ آبنوسی صوفہ جس پر بے شمار یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ بیڈ کے دائیں جانب کی دیوار پر اُس کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئی۔

اس کے نکاح کی دیوار گیر تصویر نفیس فریم میں آویزاں تھی، جس نے پوری دیوار کو اپنے پیچھے چھپالیا تھا۔ وہ تو بس عالمِ شوق میں خواب آگیں کیفیات میں اپنے بجائے اپنے ملک جی کو دیکھ رہی تھی۔ جو کس قدر وجیہہ لگ رہے تھے۔ ساٹ گز کی سفید گھیرے دار شلوار پر دو گھوڑے بوسکی کا کرتا، نفیس کام والی آف وائٹ شیروانی سر پر سفید کُلا جس کے بارڈر پر ہلکا سا نفیس کام تھا پیروں میں انتہائی بیش بہا قیمتی زری کھوسہ جوان کے لمبے مضبوط پیروں کو مزید چارم بخش گیا تھا۔ مضبوط سراپا چھ فٹ سے نکلتا قد بر اؤنش شہد آگیں آنکھوں کی خیرہ کرتی چمک عجب ہوش ربائی تھی ان غلافی آنکھوں میں۔ اُن کے ساتھ کھڑی اُمِ فروا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس وقت اُم فروا کا دل چاہ رہا تھا ایک لمحے کے لیے اُس کے ملک جی تصویر سے نکل کر اُس کے سامنے آجائیں اور کہیں کہ فروا اپنی خواب گاہ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔''

امل نے اُس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔

''فروا ب لالہ کے خیال سے باہر بھی آجاؤ۔'' وہ جھینپ کر مسکرائی۔

''یہ لالہ ہی کی خواب گاہ ہے آج سے یہ تم دونوں کی ہوئی۔ اب تم آرام کرو۔ تمہارے ڈریسز ڈریسنگ روم کی وارڈ روب میں ہیں۔'' امل نے دائیں جانب کے ڈور کی طرف اشارہ کیا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیل دے دینا۔ گلنار اور گل پری کوریڈور میں ہی ہوتی ہیں۔ رات بہت ہو چکی ہے تم چینج کر کے اب آرام کرو۔'' ماہین نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''جی۔'' اُم فروا نے اثبات میں ہونٹوں کو جنبش دی۔ ماہین اور امل جا چکی تھیں وہ کاؤچ پر آکر بیٹھ گئی۔ دل افسردہ تھا آج اُس کی سہاگ رات تھی لیکن اُس کا سہاگ اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ سی ایم ایچ کے ایک سفید بستر پر دنیا و مافیہا سے بے نیاز اپنی ہی دنیا میں گم تھا۔

☆......☆......☆

دن کافی چڑھ آیا تھا۔ وہ گہری اور ایسی پُرسکون نیند سوئی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ اٹھ گئی۔ دوپٹا درست کرتے ہوئے اُم فروا دروازے تک آئی۔ سامنے ماہین کھڑی تھی۔

''ویلکم مسز ملک مصطفیٰ علی۔'' ماہین مسکرائی۔ تو اُس کی آنکھوں میں حیا کی رمق پھیلی۔ وہ لجائی۔ جیسے رات بھر اس کے خدائے مجازی اس کے ساتھ تھے۔ اس وقت اپنی ذات میں سمٹی آنکھوں میں نیند کا کچا خمار گلابی پپوٹے تلے پُرکیف آنکھیں۔ ماہین دل و جان سے اُم فروا پر فدا ہوا ٹھی۔ ماہین کے پیچھے امل تھی۔ دونوں نے اُسے گلے لگا کر پیار کیا اس کے چہرے پر گداز طمانیت آمیز چمک چھلک رہی تھی۔ انہوں نے اُم فروا کو بہت ساری دعاؤں سے نوازا۔

''رات نیند ٹھیک سے آئی۔'' وہ دونوں صوفے پر بیٹھتے ہوئے درمیان اُم فروا کو بٹھا چکی تھیں۔

''جی۔'' آواز اُس کی اب بھی بوجھل تھی۔

''فریش ہو جاؤ ماں جی ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔'' اُس نے وال کلاک پر نگاہ دوڑائی۔ پونے دس بج رہے تھے۔ اُسے شرمندگی محسوس ہوئی۔ فجر کی نماز پڑھ کر سوئی تھی۔ آنکھ ہی نہیں کھلی۔ اُم فروا خجل ہو کر گویا ہوئی۔

''ارے تو کیا ہوا۔ اب فٹافٹ آجاؤ۔''

''میں پانچ منٹ میں آئی۔'' وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔
ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو جاری رہی۔ ماں جی اُس سے کہہ رہی تھیں۔
''چھوٹی دلہن مصطفیٰ علی ٹھیک ہو جائیں تو ہم دعوت ولیمہ کریں گے۔''
''جی ماں جی۔'' اُم فروا نے سر ہلایا۔
''چھوٹی دلہن ناشتے کے بعد تیار ہو جاؤ اور ماہین امل کے ساتھ جا کر اپنے شوہر سے مل آؤ۔''
''جی ماں جی۔'' اندر سے وہ اُداس تھی لیکن سب کے درمیان مسکرا رہی تھی۔ یہاں کی ایک ایک چیز کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ جو یہاں کے مکینوں کی امارات کا منہ بولتا ثبوت تھا۔
وہ ابھی ابھی امل اور ماہین کے ساتھ سی ایم ایچ پہنچی تھی۔ سفید چادر اُس نے اوڑھ رکھی تھی اس وقت وہ پیچ کلر کے ڈریس میں ملبوس تھی۔ کلائیوں میں گولڈ کی زرقون جڑواؤں چوڑیاں اور انگلیوں میں ڈائمنڈز رنگز اُس کی مہندی لگے ہاتھوں میں خوب سج رہی تھیں۔ ماہین اور امل باہر رُک گئیں تھیں۔
''فروتم اندر جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔'' اُم فروا نے پھیکی مسکان اُن دونوں کی طرف اچھالی۔ یہ سبھی لوگ بہت اچھے ہیں۔'' اُس نے سوچا۔ اس نے سہج سہج کر کمرے کے اندر پیر رکھے۔
وہ آنکھوں میں وارفتگی سموئے ٹکر ٹکر ملک مصطفیٰ علی کو دیکھ رہی تھی۔
''ملک جی۔'' کمالِ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُم فروا نے انہیں پکارا۔ پہلو میں گرے اُن کے ہاتھ پر اس نے اپنا حنائی ہاتھ رکھ دیا۔ ملک جی کل میں رخصت ہو کر آپ کے گھر آ گئی ہوں۔ پلیز اب تو اٹھ جائیں۔ کیا یہ خوشی ہم دونوں مل کر نہیں منا سکتے؟'' اگر ایک بار ملک مصطفیٰ علی کی نگاہیں اس سوگوار حسنِ جوالا پر پڑ جاتیں تب وہ کبھی یوں آنکھیں موندے نہ سوتے۔
''ملک جی۔'' اُم فروا نے اُن کے چہرے کو چھوا۔
''آپ کب جاگیں گے؟'' اُس کی سوچیں بے بسی سے سلگ رہی تھیں۔ بے ربط لفظ اپنی ادائیگی بھولتے گنگ ہونے لگے تھے۔ اب کی بار اُس کے پیر اپنا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہو رہے تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اب بھی پلکیں جھپکائے بغیر انہیں اپنی روح میں اتار رہی تھی۔ غیر ارادری طور پر اُن کی مخروطی انگلیاں اُن کے ہاتھ پر لرزش کھا رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ میں سمٹ کر بے خودی میں مسکرائی جیسے اُن کی مشکبار ہونٹ اس کے خنداں ماتھے پر اپنے لمس کے ستارے ٹانک رہے ہوں۔ اس عزیز از جان شخص کی خاموشیاں اُسے دار پر لٹکا گئی تھیں۔
ماہین اور امل نے دروازے پر دستک دی وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اب امل اور ماہین اِس جوڑے کے پاس آ گئیں۔ وہ بھی اُداس تھیں۔ اُم فروا کھل کر مسکرائی۔

☆......☆......☆

اُم فروا کو لال حویلی میں رخصت ہو کر آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ یہاں آ کر ملک مصطفیٰ علی اُسے اور بے تابیوں سے یاد آتے اکثر اُس کی بے بسی کی شدتیں دیدنی ہو جاتیں۔
وہ ہمیشہ سادہ لباس میں ملبوس دکھائی دیتی۔ بس ایک بار میرے ملک جی جاگ جائیں۔ پھر روز دلہن بنوں گی ہر دن عید اور رات شب رات ہو گی۔ وہ زور سے ہنستی۔ اُس کی ہنسی بھی پیاری تھی ملک مصطفیٰ علی نے

آج تک اُس کی ہنسی کی آواز نہیں سنی تھی۔
''گل پری اسے بلانے آئی تھی۔ چھوٹی دلہن جی، نکی ملکانی جی آپ کو بلا رہی ہیں۔''
''آ رہی ہوں۔'' ہینڈ بیگ کی زپ دوبارہ کھول کر موبائل چیک کرتے ہوئے وہ دروازے لاک کرتی باہر آ گئی۔ ماہین اسی کا انتظار کر رہی تھی۔
''فرو تمہیں سی ایم ایچ چھوڑ کر مجھے فیکٹری جانا ہے۔'' رخصتی کے بعد اُمِ فروا میں بہت اعتماد آ گیا تھا۔ یہ اعتماد اس کے ملک جی کی ہی وجہ سے اس میں آیا تھا۔
اس وقت ملک مصطفیٰ علی کا روٹین کا چیک اپ ہو رہا تھا۔ اُمِ فروا باہر ہی رک گئی تھی۔ دو کرنل سرجنز کے ساتھ میجر ڈاکٹر عرفان باہر آئے۔ اُس نے سب کو سلام کیا۔ عرفان نے اُن سے اُمِ فروا کا تعارف کرایا۔
''یہ مسز مصطفیٰ ہیں۔'' وہ سراہتی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔
''آپ دعا کرتیں ہیں ناں مسٹر مصطفیٰ کے لیے۔'' کرنل عاطف پراچہ اُمِ فروا اُمِ فروا سے گویا تھے۔
''سر میں اپنے ہزبینڈ کے لیے بہت دعائیں کرتی ہوں۔''
''انشاء اللہ بہت جلد ان کی بے ہوشی ٹوٹ جائے گی۔'' کرنل پراچہ کی بات پر میجر عرفان تائیدی انداز میں مسکرائے۔
''بھابی آپ مصطفیٰ کے پاس جائیں۔'' وہ اندر آئی۔ آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ غلافی بند آنکھیں اس وقت اُن کے بیضوی چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ گھنی مڑی ہوئی پلکیں ساکت تھیں۔
''میرے مالک یہ آنکھیں کھول دے رب تُو ہی اس ظالم نیند سے انہیں نجات دلانے والا ہے۔'' اُمِ فروا نے دل و جان کی گہرائیوں سے اس وقت اللہ کو پکارا تھا۔
''ملک جی۔'' اُس نے اُن کے ہاتھ پر دہکتے ہونٹ رکھ دیے تھے۔ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش میں اُس کی آنکھیں گلابی ہوگئیں کمالِ ضبط سے رندھے گلے میں تمام سسکیاں اُتار گئی تھی۔ اب ملک مصطفیٰ علی کا مضبوط ہاتھ اس کے مرمریں ہاتھ میں تھا۔ اچانک سے اُمِ فروا کو لگا انہوں نے بازو کھینچا ہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اُس کے پیر کانپ رہے تھے۔ وہ اللہ اٹھ کر انٹرکام کی بیل نہیں دبا سکتی تھی۔ اس نے جب اٹھنا چاہا ٹانگوں نے جواب دے دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اس دوران مصطفیٰ علی دو تین بار پلکیں جھپک چکے تھے۔ وہ ڈاکٹرز کو پکارنا چاہتی تھی۔ چیخنا چلانا چاہتی تھی لیکن آواز دھوئیں کے گولے بناتی گلے میں پھنس چکی تھی۔ وہ بمشکل دروازے تک آئی، گزرتی نرس سے بولی۔
''پلیز ارجنٹ میجر عرفان اسلم کو بلوالیں۔'' پانچ منٹ سے بھی پہلے میجر عرفان اُس کے سامنے تھے۔ وہ سرعت سے مصطفیٰ علی کی طرف بڑھے تھے۔ اب بار بار مصطفیٰ علی پلکیں جھپک رہے تھے۔ میجر عرفان کے چہرے پر گونا گو اطمینان تھا۔ جو اُن کے چہرے سے عیاں ہوتا اُمِ فروا بھی دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے سسٹر سے کہہ کر سرجنز کو بھی بلوالیا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی کا معائنہ ہو رہا تھا۔ اُمِ فروا صوفے پر بیٹھی اپنے رب سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہی تھی۔ اُن کے پیر کا انگوٹھا بھی کئی بار حرکت میں آیا تھا۔ ڈاکٹرز جا چکے تھے اب

پھر وہ اُسی پوزیشن میں تھے۔
ماہین فیکٹری سے کافی لیٹ لوٹی تھی۔ اُمِ فروا بے چینی سے اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اب وہ ماہین کو تفصیل سے بتا رہی تھی کہ ڈاکٹر بہت پُر امید ہو چکے ہیں۔ ماہین بہت خوش تھی۔
''ماہین میں نے ماں جی کو جان کر نہیں بتایا کہ وہ بے چین ہو جائیں گی۔ ہر لمحہ منتظر رہیں گی کہ کب انہیں ہوش آتا ہے۔''
ماہین نے فوراً امل کو میسج کیا تھا۔
''امل تم بہن ہو، خوب خوب دعائیں کرو۔'' امل خوش تھی اللہ کی ذات سے پُر امید تھی فوراً امل کا فون آ گیا دیر تک بات کرتی رہی۔
''فروا اب گھر چلنا چاہیے بچوں کو جا کر دیکھو۔''
''ماہین میں آج یہیں رُک جاتی ہوں۔''
''فروہم صبح صبح آ جائیں گے۔ رات کو یہاں پر نرس ہوتی ہے جو بہت کیئر فل ہیں۔''
''ماہین اگر رات کو انہیں ہوش آ گیا تو؟'' ماہین اُس کی بات پر مسکرائی۔
''فوراً ہمیں انفارم کر دیا جائے گا۔''
''ماہین میں رُک جاتی ہوں۔''
''فرو گھر چلو رات کو پُر سکون نیند لو۔ پورا دن تم اسی چیئر پر بیٹھی رہتی ہو۔ تھک جاتی ہو گی۔''
''بخدا میں کبھی تھکان محسوس نہیں کرتی۔'' لیکن ماہین اُسے زبردستی لے آئی تھی۔ یوں دن رات بیٹھے بیٹھے وہ بیمار پڑ سکتی تھی۔

☆......☆......☆

مزید دو دن آس و یاست میں گزر گئے۔ ماہین ابھی ابھی اُمِ فروا کو سی ایم ایچ ڈراپ کر کے فیکٹری کے لیے نکلی تھی۔ روزانہ صبح پہلے اُن کے کمرے کی صفائی ہوتی پھر ملک مصطفیٰ علی کو فریش کیا جاتا۔ اُمِ فروا روم سے باہر سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ اندر بوائے کیئر اور نرس تھے۔ اُن کی شیو بنائی گئی، چہرے کو اسپنج کیا گیا۔ اُن کے گون تبدیل ہوئے۔ اُن کے بیڈ کور چینج ہوئے۔ باہر نکلتے ہوئے اُن دونوں نے اُمِ فروا کو سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا انہیں تھینکس کہا۔ اور تیزی سے روم کی جانب بڑھی۔ ملک مصطفیٰ علی اس وقت کھلے لگ رہے تھے۔ اُمِ فروا نے مسکرا کر دیکھا اور اُن کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت اُس نے وہ ڈریس پہنا ہوا تھا جو مصطفیٰ علی نے نکاح کے بعد اُسے گفٹ کیا تھا۔
وہ کافی دیر تک اُن کے پاس کھڑی ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتی رہی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ کھڑی رہی۔ اس کے پاؤں سوج گئے تھے لیکن اُسے پتا نہ چلا۔ وہ چونکی۔ پھر چونکتی چلی گئی۔ اُس نے پھر دیکھا۔ پھر دیکھا۔ دیکھتی چلی گئی۔ ملک مصطفیٰ علی مسلسل پلکیں جھپک رہے تھے۔ وہ سانسیں روکے ساکن تھی۔ حیران آنکھوں میں خوشی کی جھانجریں بج رہی تھیں۔ وہ اُڑ کر باہر جانا چاہتی تھی ڈاکٹرز کو بلوانے۔ لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکی جیسے زمین نے اُس کے پیر پکڑ لیے تھے۔ وہ حیران رہ گئی اب اس کے ملک جی نے آہستہ آہستہ ہاتھ پہلو سے اُٹھا کر سینے پر رکھا۔ اُمِ فروا نے اپنے کپکپاتے ہونٹوں پر ہتھیلی رکھے سختی سے بھینچا ورنہ

اُس کی چیخ نکل جاتی۔
اب ملک مصطفیٰ علی مسلسل پلکیں جھپک رہے تھے تقریباً چالیس سیکنڈ سے۔
وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بھیگی آنکھوں کے ساتھ یوں ہی مسکراتی رہی۔ اب اُن کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ وہ ہول اٹھی اس کا گلا نوکیلے کانٹوں سے بھر گیا زہر آلود دھواں اُس کے گلے میں اُتر گیا۔ چند لمحوں بعد انہوں نے پھر پلکیں جھپکی۔ اب وہ نیم وا آنکھوں سے سامنے کی دیوار کو دیکھ رہے تھے۔ کتنے لمحے بیت گئے۔ وہ سانسیں روکے کھڑی رہی۔ اُس نے انہیں پکارا نہیں۔ اُس میں ہمت ہی نہیں تھی زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی تھی۔ اب آہستہ آہستہ انہوں نے پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ اب بھی سامنے کی سفید دیوار کو دیکھ رہے تھے۔ وہ شاکڈ تھی۔
''ملک جی۔'' وہ بمشکل بول پائی۔ انہوں نے سر کو ہلکا سا خم دے کر اُس کی طرف دیکھا جہاں سے انہیں آواز آئی تھی۔ چند لمحے وہ اُسے دیکھتے رہے۔
''ملک جی۔'' اُن کے ہاتھ کو اُس نے زور سے دبایا۔
''فرو۔'' نقاہت بھری آواز سے بمشکل کہہ پائے۔
''جی......جی آپ کی فرو۔'' جواباً وہ مسکرائے۔
''میں یہاں کیوں ہوں۔'' وہ آہستہ روی سے زبان ہلا پا رہے تھے۔ جو اُن کے لیے خاصا دشوار تھا۔ انٹر کام اُس نے زور سے ہاتھ مارا۔ ہاتھ اوپر اٹھا اور پھر دبتا چلا گیا۔
چند لمحوں میں نرس کمرے میں موجود تھی۔
''پلیز ڈاکٹرز......'' نرس نے ملک مصطفیٰ علی کی کھلی آنکھیں دیکھیں۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی کی لہر کوندی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔
''ملک جی آپ بے ہوشی سے نکل آئے ہیں۔''
''فروا تم یہاں کیسے اور میں اس بستر پر؟'' آنکھوں میں کئی سوالیہ نشان تھے۔ میجر عرفان تقریباً بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔
''مصطفیٰ۔'' وہ اُن کے چہرے کو تھپتھپا رہے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی مسکرائے میجر عرفان اسلم بے حد ایموشنل ہو رہے تھے۔ فرطِ جذبات میں وہ بہت اونچا بول رہے تھے۔
''میں یہاں کیوں ہوں عرفان۔''
''ابھی تمہیں سب بتاتے ہیں۔'' آن کی آن میں سرجن بھی آگئے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی کے چیک اپ کے دوران سب مسکرا رہے تھے۔ اُم فروا سے کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُسے لگ رہا تھا خوشی سے اُس کا دل بند ہو جائے گا۔ کانپتی انگلیوں سے اُس نے ماہین کو میسج بھیجا تھا۔
''میں آرہی ہوں۔'' اُس کا فوراً جواب آ گیا۔
راستے میں ماہین نے ماں جی اور امل کو بھی فون کر دیا تھا۔ ممی کو اُس نے ٹیکسٹ کیا تھا۔ ماں جی اور امل ابھی ابھی نکلنے کا کہہ رہی تھیں۔ اُن سب کی جیسے نئی زندگی لوٹ آئی تھی۔
کرنل سرجن ظہیر الدین ملک مصطفیٰ علی کے سامنے کھڑے آہستہ آہستہ بتا رہے تھے کہ کس طرح اُن کا

ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ کوما میں چلے گئے تھے۔ مصطفیٰ علی کی نگاہیں اُم فروا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ سرجن جا چکے تھے عرفان یہی رُکے ہوئے تھے۔

''بھابی مبارک ہو آپ کی اور ہم سب کی دعائیں خدا نے قبول کرلیں۔'' وہ پھر مسکرائی۔

آج وہ دل سے مسکرا رہی تھی۔ سات ماہ چودہ دن اٹھارہ گھنٹے گیارہ منٹ اکیس سیکنڈ بعد ملک مصطفیٰ علی نے دوبارہ یہ دنیا دیکھی تھی۔ اُم فروا نے اُم زارا کو بھی میسج کر دیا تھا۔

''بھابی آئیں ناں اِدھر تو آئیں مصطفیٰ کے پاس۔'' وہ کشاں کشاں چلتی اُن کے قریب آ گئی۔ مصطفیٰ علی نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اُن کی نگاہوں کی تپش سے جھکتی چلی گئیں۔

اُن کی آنکھیں اُم فروا کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ بمشکل ضبط کی طنابوں کو تھامے ہوئے تھی۔ آنکھیں چھلک پڑنے کو بے قرار تھیں۔

''بھابی اب رخصتی کی کہانی آپ اسے سنائیں۔''

''رخصتی؟'' وہ چونکے۔ میجر عرفان بات بات پر مسکرا رہے تھے۔ کیئر ٹیکر اور نرس اندر آ گئے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں اسپیشل فریش جوس کا گلاس تھا۔ ساتھ ایک سلپ بھی تھی جو ڈاکٹر عرفان کی طرف بڑھائی گئی یعنی مصطفیٰ علی کے میڈیسن ڈاکٹر نے اس جوس کو 'اوکے' کیا ہے۔ کیئر بوائے نے انہیں سہارا دے کر بیڈ پر بٹھایا۔ اتنے عرصے بعد جسم کو حرکت دینا انہیں قدرے مشکل لگا تھا۔ ان کی ڈرپ اتار دی گئی تھی۔ تھوڑا تھوڑا جوس انہیں پلایا جا رہا تھا۔

''مصطفیٰ بھائی میں کون ہوں؟'' دیدنی خوشی سے چیخ نما آواز اُس کے گلے سے برآمد ہوئی۔

''ماہین، میری بھابی، لالہ کی بیوی۔'' وہ رُک رُک کر بولے۔

''ہاں...... بالکل۔'' ماہین کا لہجہ لڑکھڑایا۔ اور اب وہ بلند آواز سے ہنس رہی تھی۔

☆......☆......☆

شام تک ملک مصطفیٰ علی گھر آ چکے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لاہور میں رہنے والے تقریباً سارے رشتے دار یہاں موجود تھے۔ تمام نفوس خوش دکھائی دے رہے تھے۔ اُن کی نگاہیں بار بار اُم فروا کو تلاش کر رہی تھیں۔ زندگی تو آج لال حویلی اور جہان آباد کے باسیوں کے اندر اتری تھی۔ دونوں جگہوں پر کھانا تقسیم کرایا گیا تھا۔ امل بائے ایئر پہنچ چکی تھی۔ اور پھر ماں جی بھی آ گئیں۔

وہ منظر سب کی آنکھوں میں نمی لے آیا تھا جب ایک ماں اپنے بیٹے سے مل رہی تھی۔ دو دن کی ریسٹ کے بعد آج وہ سب لوگ جہان آباد جا رہے تھے۔ جہاں کل ملک مصطفیٰ علی اور اُم فروا کی دعوتِ ولیمہ تھی۔

اِن دو دنوں میں ملک مصطفیٰ علی نے اُم فروا سے بے حساب بے انتہا لامحدود کبھی نہ ختم ہونے والی خوب خوب باتیں کی تھیں۔ اور اُم فروا نے فراق کے اُن دنوں کی اپنی بے تابیاں کرب ناکیاں اذیتیں، تنہائیاں ہر ہر لمحہ اُن سے شیئر کیا تھا۔ جو اُم فروا نے اُن کے بنا گزارہ تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اُم فروا کو دیکھتے رہتے۔ ملک مصطفیٰ علی اُسے کاندھے سے لگا لیتے۔ نہایت سچائی اور لگن کے ساتھ خداوند قدوس سے اُم فروا کا دائمی ساتھ اپنے لیے اور اپنا ساتھ اُم فروا کے لیے مانگتے۔ تب مسکرا کر دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے۔

(ختم شد)

رحمٰن، رحیم، سدا سائیں

''تمہیں گانا آتا ہے......؟'' اس کا لہجہ تلخ تھا۔ خشک تھا قدرے جیسے اس کی آواز پہ ہی چونک کر اس کی موجودگی سے آگاہ ہوئی تھی۔ اس توجہ پہ اس سوال پہ وہ جتنی حیران ہوئی وہ اس کے چہرے پر عیاں تھا۔ مگر اس کی نظروں کا انداز خفگی چھلکاتا تھا۔ یہ جاننے میں اسے ایک لمحہ......

زندگی کے ساتھ سفر کرتے کرداروں کی فسوں گری، ایمان افروز ناول کا انیسواں حصہ

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

بیک وقت حال و ماضی کے دریچوں سے جھانکنے والی یہ کہانی دیا سے شروع ہوتی ہے۔ جسے مرتد ہونے کا پچھتاوا، ملال، رنج، دکھ اور کرب کا احساس دل و دماغ کو شل کرتا محسوس ہوتا ہے۔ دیا جو درحقیقت علیزے ہے اور اسلام آباد چاچا کے ہاں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مکین ہے۔ یوسف کرسچن نوجوان جو اپنی خوبروئی کی بدولت بہت سی لڑکیوں کو استعمال کر چکا ہے۔ علیزے پر بھی جال پھینکتا ہے۔ علیزے جو دیا بن کر اس سے ملتی ہے اور پہلی ملاقات سے ہی یوسف سے متاثر ہو چکی ہے۔

یہ ملاقاتیں چونکہ غلط انداز میں ہو رہی ہیں۔ جبھی غلط نتائج مرتب کرتی ہیں۔ یوسف ہر ملاقات میں ہر حد پار کرتا ہے علیزے اسے روک نہیں پاتی مگر یہ انکشاف اس پر بجلی بن کر گرتا ہے کہ یوسف مسلمان نہیں ہے۔ دنیا میں آنے والے اپنے ناجائز بچے کو باپ کا نام اور شناخت دینے کو علیزے یوسف کے مجبور کرنے پر اپنا مذہب نا چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرتی ہے مگر ضمیر کی بے چینی اسے زیادہ دیر اس پر قائم نہیں رہنے دیتی۔ وہ عیسائیت اور یوسف دونوں کو چھوڑ کر رب کی ناراضگی کے احساس سمیت نیم دیوانی ہوتی سرگرداں ہے۔ سالہا سال گزرنے پر اس کا پھر سے بریرہ سے ٹکراؤ ہوتا ہے

علیزے اور بریرہ جن کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ بریرہ علیزے کی بڑی بہن مذہب کے معاملے میں بہت شدت پسندانہ رویہ رکھتی تھی۔ اتنا شدت پسندانہ کہ اس کے اس رویے سے اکثر اس سے وابستہ رشتوں کو تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ بریرہ سے بالکل متضاد صرف پرہیزگار نہیں عاجزی و انکساری جس کے ہر انداز سے جھلکتی ہے اور اسیر کرتی ہے۔ در پردہ بریرہ اپنے بھائی سے بھی خائف ہے۔ ہارون اسرار شوبز کی دنیا میں بے حد حسین اور معروف شخصیت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ گھر کی دینی محفل میں وہ بریرہ کی پہلے آواز اور پھر حسن کا اسیر ہو کر اس سے شادی کا خواہاں ہے۔ مگر بریرہ ایک گمراہ انسان سے شادی پر ہرگز آمادہ نہیں۔ ہارون اسرار کسی
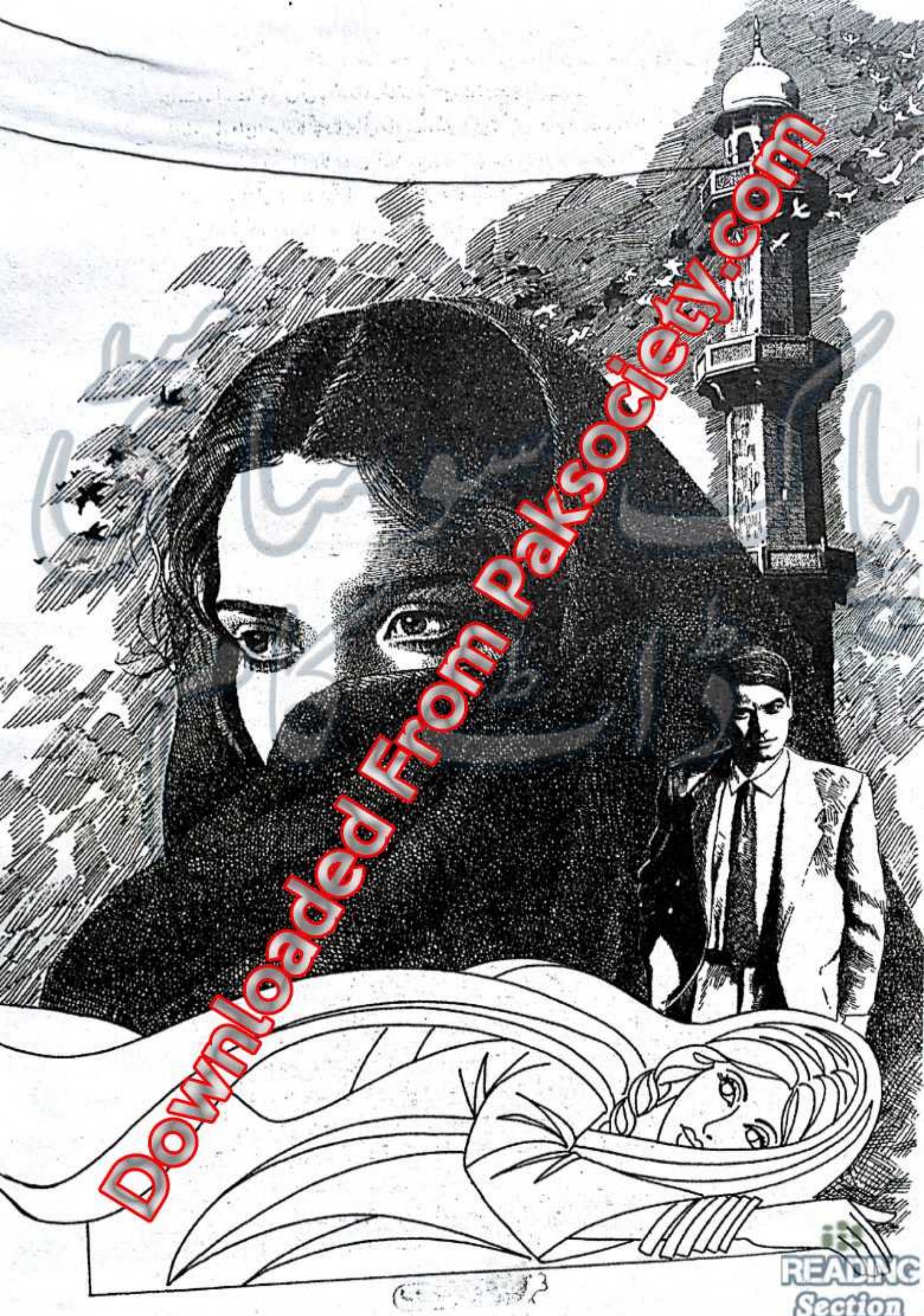
بھی صورت عبدالغنی کو اس رشتہ پر رضامندی پر التجا کرتا ہے۔ عبدالغنی سے تعاون کا یقین پا کر وہ مطمئن ہے۔ اسے عبدالغنی کی باوقار اور شاندار شخصیت بہت بھاتی ہے۔

اسامہ ہارون اسرار کا چھوٹا بھائی حادثے میں اپنی ٹانگیں گنوا چکا ہے۔ ہارون کی ممی اپنی یتیم بھتیجی سارہ سے زبردستی اس کا نکاح کراتی ہیں۔ جس کے لیے اسامہ ہرگز راضی نہیں اور نہ ہی سارہ کو اس کے حقوق دینے پر آمادہ ہے۔ لیکن دھیرے دھیرے سارہ کی اچھائی کی وجہ سے وہ اس کا اسیر ہونے لگتا ہے لاریب ہارون کی چھوٹی بہن جو بہت لاابالی نظر آتی ہے۔ ہارون کے ہمراہ کالج واپسی پر پہلی بار عبدالغنی کو دیکھ کر اس کی شخصیت کے سحر میں خود کو جکڑا محسوس کرنے لگتی ہے۔ علیزے لاریب کی ہم عمر ہے۔ دونوں میں دوستی بھی بہت ہو چکی ہے۔ وہ لاریب کی اپنے بھائی میں دلچسپی کی بھی گواہ ہے۔

شادی کے موقع پر بریرہ کا رویہ ہارون کے ساتھ بھی بہت لیا دیا اور سرد مہر ہی نہیں حاکمیت آمیز بھی ہے۔

ساتھی اداکارہ سوہا کی ہارون سے بے تکلفی اسے سخت گراں گزرتی ہے۔ ممی کو اپنی بیٹی کا عبدالغنی جیسے نوجوان میں دلچسپی لینا ایک آنکھ نہیں بھاتا جبھی ایک معمولی بات پر وہ لاریب کے سامنے عبدالغنی کی بے حد تحقیر کرتی ہیں۔

بریرہ لاریب کو ناپسند کرتی ہے۔ جبھی اسے یہ اقدام ہرگز پسند نہیں آتا مگر وہ شادی کو روکنے سے قاصر ہے۔ لاریب عبدالغنی جیسے منکسر المزاج بندے کی قربتوں میں جتنا سنورتی ہے۔ ہارون بریرہ کے حوالے سے اسی قدر اذیتوں کا شکار ہے۔ بریرہ کے دل شکن رویے کے باوجود ہارون اس کی توجہ کا منتظر بار بار اس کی طرف پیش رفت کرتا ہے۔ اس خواہش کے ساتھ کہ وہ بھی لاریب کی طرح سدھار کا متمنی ہے۔ مگر بریرہ جو علیزے کی بے راہ روی کا باعث خود کو گردانتی ہے اور احساسِ جرم میں مبتلا رب کو منانے ہر صورت علیزے کی واپسی کی ملتمس ہے۔

ہارون اس بے نیازی کو لاتعلقی اور بے گانگی سے تعبیر کرتے ہوئے مایوسی کی انتہا وہ گہرائیوں میں اترتا نا صرف شوبز کی دنیا میں دوبارہ داخل ہوتا ہے بلکہ ضد میں آ کر بریرہ کو جھنجوڑنے کی خاطر سوہا سے شادی بھی کر لیتا ہے۔ علیزے کے حوالے سے بالآخر بریرہ کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ لیکن تب تک ہارون کے حوالے سے گہرا نقصان اس کی جھولی میں آن گرا ہوتا ہے۔

عبدالہادی اپنے روحانی استاد کے زیرِ تربیت ایک کامل مومن کی شکل میں ان کے سامنے ہے۔ وہ اسے نور کی روشنی پھیلانے کو ہجرت کا حکم دیتے ہیں۔

عبیر ایک بدفطرت عورت کے بطن سے جنم لینے والی باکردار اور باحیا لڑکی ہے۔ جسے اپنی ماں بہن کا طرزِ زندگی بالکل پسند نہیں۔ کامیاب علاج کے بعد اسامہ پھر سے اپنے پیروں پر چلنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اسامہ چونکہ فطرتاً کاملیت پسند ہے۔ کسی بھی چیز کا ادھورا پن اسے ہرگز گوارا نہیں مگر اس کے بیٹے میں بتدریج پیدا ہونے والی معذوری کا انکشاف اسے سارہ کے لیے ایک سخت گیر شوہر، متکبر انسان کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ وہ ہرگز اس کی کے ساتھ بچے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ عبیر کو حالات اس نہج پر پہنچا دیتے ہیں کہ وہ ایک مسجد میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ عبدالغنی سے مؤذن صاحب بہت متاثر تھے۔ وہ اُس سے اپنی اِس پریشانی کا ذکر کرتے ہیں اور اُسے قابلِ بھروسہ جان کر عبیر کو عقد میں لینے پر زور دیتے ہیں۔ عبدالغنی انتہائی مجبوری کی حالت میں اُن کا یہ فیصلہ قبول کر کے عبیر سے نکاح کر لیتا ہے۔

لاریب کے لیے یہ سب کچھ سہنا آسان نہیں ہوتا، وہ اُسی وقت گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ چونکہ گھر میں کوئی بڑا نہیں ہوتا، اِس لیے لاریب کو سمجھانا عبدالغنی کے بس سے باہر تھا۔ علیزے،

عبدالہادی کے ساتھ اُس کی ماں سے ملنے اُن کے آبائی گھر چلی جاتی ہے۔ جب عبدالہادی علیزے کو اپنی ماں سے ملوانے کے لیے کہتا ہے تو وہ ایک غیر مسلم عورت سے ملنے کے لیے فوری طور پر انکار کر دیتی ہے۔ علیزے بدگمان تھی مختلف مواقع پر عبدالہادی کو پرکھنے کے بعد بالآخر اپنا دل صاف کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

ہارون اسرار کا رویہ بریرہ سے بہت برا ہو جاتا ہے اور وہ اُسے اپنے ساتھ اسلام آباد اپنی دوسری بیوی کے ساتھ چلنے کے لیے کہتا ہے۔ بریرہ اسے بھی اپنا امتحان مان کر راضی ہو جاتی ہے۔ ہارون اسرار کی دوسری بیوی، پہلی بیوی کو برداشت نہیں کر پاتی اور اُس سے اپنے نام لکھی گئی جائیداد اور روپے پیسے لے کر طلاق لے لیتی ہے۔ بریرہ اور ہارون پھر سے محبت کے بندھن کو جوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ عبدالغنی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ لاریب اور عمیر میں اس حادثے کے بعد دوستی ہو جاتی ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

اب کے اس زبردست داد ملی تھی۔ بہت دیر تک اُسے سراہا جاتا رہا۔ قدر کو عبدالعلی کی پرتپش نگاہوں کا احساس بھی ہوا اتنے بہت سارے لوگوں میں وہ کس کی نگاہوں کو الگ سے بنا دیکھے بھی محسوس کرنے کی قدرتی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس نگاہ کی گرمی و سردی سے آشنا تھی۔ اس وقت بھی جان سکتی تھی۔ عبدالعلی کو اس کا یوں سب کے سامنے خود کو عیاں کرنا اچھا نہیں لگا ہے۔ جب ہی اس نے لب بھینچ لیے تھے اور دانستہ اُسے دیکھنے سے گریز برتا۔ بعد میں گو کہ عبداللہ اصرار کرتا رہا۔ مگر وہ پھر سے مزید کچھ سنانے پہ قائل نہیں کر سکا تھا۔ عبداللہ تھک ہار کر عبدالعلی کے سر ہو گیا۔

''یار اتنی دلچسپی نہیں ہے شاعری میں۔ اتنی کچھ خاص بھی نہیں ہے جو یاد ہے۔''

وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔ قدر نے سرد آہ بھرلی۔ اسے ایک اور ثبوت ملا تھا۔ اپنی ذات سے عدم دلچسپی کا اس کا خیال تھا۔ جو لوگ محبت کرتے ہیں ان کی لازمی طور پہ شاعری میں دلچسپی گہری ہوتی ہے۔ عجیب یقین تھا۔ بے ثبات قسم کا مگر تھا ضرور۔

''چلو آپ سناؤ تو یہ تو بعد میں فیصلہ ہوگا کہ پسند آتی بھی ہے یا نہیں۔'' امن نے مسکرا کر ٹکڑا لگایا تھا۔ عبدالعلی آہستگی سے مسکرا دیا۔ پھر بہت سادہ اور عام انداز میں گویا ہوا۔

بہت معصوم بنتے ہو
ستم بھی خوب ڈھاتے ہو
ستم چھوڑ دیا نہ چھوڑو
مگر مجھے مت چھوڑو

سب سے زیادہ عبداللہ پھڑک اٹھا تھا۔ اسی قدر فراخدلی سے داد سے بھی نوازا۔

''یہ تو مجھے کہنے کا حق بنتا ہے آپ کے بھائی نے خوامخواہ پوزیشن سنبھال لی۔''

اتباع کی طرف ترچھی نگاہوں سے تکتا ہوا وہ ہرگز سرگوشی سے بلند آواز میں نہیں بولا تھا۔ اتباع بوکھلا سی گئی۔ جبکہ دوسری طرف قدر تھی۔ اپنی جگہ پہ شدید قسم کی بدگمانی کا شکار سخت ہرٹ ہوئی تھی۔ عبدالعلی کا امن کے لیے نرم لہجہ نرم نگاہیں اور سب سے بڑھ کر اس کی بات ماننا اہمیت دینا اسے عجیب سی رقابت بھری کیفیت سے دوچار کرتا جا رہا تھا۔ سب ایک بار پھر مرکز سے ہٹ گئے تھے۔ ہنسی مذاق شروع ہو چکا تھا۔ جب امن نے اتباع سے فرمائش کر دی تھی کچھ سنانے کی۔ اس کی گھبراہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں آتا پلیز۔ جانتی ہو نا تم...... اور بھائی جان کے سامنے......شرم کرلو۔''

وہ امن کو گھرک رہی تھی۔ جب عبداللہ نے اُس کی گلو خلاصی کرائی تھی۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ان کی طرف سے بھی ہم گا لیں گے۔ ان کی یہاں موجودگی ہی کافی ہے۔ سب سے بڑا انعام ہے سب سے زیادہ تقویت کا باعث......''

اس کی آنکھیں معنی خیزیت سمٹ لائیں۔ چہرہ شرارت کا عکس لیے جگمگا رہا تھا۔ اتباع کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑتی چہرہ جھکا گئی تھی۔

''ٹھیک ہے تو پھر آپ سنایئے۔'' امن نے بھی اتفاق کرلیا تھا۔ عبداللہ نے کارنش بجایا اور بڑے انداز میں گلا کھنکارا تھا۔ پھر اتباع کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔ اپنی ڈیئر وائف کو ڈیڈیکیٹ کروں گا آف کورس۔''

زندگی میں تو سب ہی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جان تمہیں چاہوں گا
تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے مجھ کو
یہ میری عمر محبت کے لیے تھوڑی ہے

رات کا تیسرا پہر......ستاروں کا دھیما سفر، پر کیف چلتی ہوئی ہوا اور سچے جذبوں سے معمور اس کی خوبصورت بھاری آواز کی دلکشی......ماحول میں جیسے ایک طلسم چھانے لگا۔ قدر نے دیکھا۔ عبداللہ کی شوخ جذبوں سے لبریز نگاہوں کا مرکز اتباع کا شرمایا لجایا دلکش روپ تھا۔ اس نے دل میں ایک کمی ایک چبھن محسوس کی تو بے اختیار عبدالعلی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ سیل فون پہ بری طرح مصروف نظر آیا۔ اللہ جانے واقعی مصروف تھا یا یہ اس ماحول سے فرار تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ عبدالعلی کا روڈ بی ہیویئر اسے عجیب سی خود ترسی کا شکار کر رہا تھا۔ شاید ایسا نہ بھی ہوتا۔ اگر جو شعوری یا لاشعوری طور پر وہ اپنا موازنہ اتباع سے نہ کر رہی ہوتی۔

اتباع جسے عبداللہ کا بس نہ چلتا تھا سر آنکھوں پہ بٹھالے۔ دل میں چھپالے جبکہ عبدالعلی کے بے نیازی لاتعلقی اس صورت میں تکلیف دہ محسوس ہوتی تھی۔ عبدالعلی کے سیل پر شاید کوئی کال آ رہی تھی۔ اس نے معذرت خواہانہ نظروں سے ناظرین کو دیکھا اور اٹھ کر خاصے فاصلے پر چلا گیا۔ قدر نے ٹھنڈی سانس کھینچی اور عبداللہ کی سمت متوجہ ہوئی جو اس جذب سے گا رہا تھا۔

تیری ہر چاپ پر جلتے ہیں خیالوں میں چراغ
جب بھی تو آئے جگاتا ہوا جادو لائے
تو پھر آئے......جان تمنا آ چھولوں تم کو
دیر تک اپنے بدن سے تیری خوشبو آئے

وہ خاموش ہوا پھر دانستہ اتباع کی جانب جھکا تھا اور شوخ وشنگ نظروں کی گرفت میں اس کا حیا آمیز تاثر سے سجا چہرہ لیتا ہوا ہنسا تھا۔

''کچھ یقین آیا ہے جناب......!'' اور اتباع بے اختیار چہرہ پھیر گئی تھی۔ یہ انداز گریز پائی کا ہی نہیں تھا۔ اس کی نگاہ کی شدت سے گھبراہٹ کا بھی تھا۔ عبداللہ کی ہنسی دو چند ہوگئی تھی۔

نکالو اپنا چاند سا چہرہ آغوش آنچل سے
آنکھیں ترس رہی ہیں تیرے دیدار کو

اس پر سوار شرارت اور بڑھنے لگی اور اتباع کی گھبراہٹ اور سراسیمگی بھی۔

ان ہاتھوں پہ مہندی کا کچھ فائدہ ہمیں بھی ہوا کہ رات بھر ان کے چہرے سے زلفیں ہٹاتے رہتے

عبداللہ نے آہ بھر کر کہا تھا اور اس کا حنائی ہاتھ ذرا سا چھوا تھا۔ اتباع تڑپ گئی تھی بدک گئی تھی۔ عبداللہ کی نگاہوں میں حیرت ابھرنے لگی۔

''اب بھی......؟'' وہ کتنا شاکی ہوا تھا۔ پھر متاسفانہ سرد آہ بھری اور اس کیفیت میں مزید گویا ہوا۔

کوئی نہر کوئی سزا
کوئی روش کوئی راز
کوئی تو طریقہ بتا
کہ دل ٹوٹے بھی نا
ساتھ چھوٹے بھی نا
اور چین آ جائے

اس کا انداز ایسا تھا۔ اتنا شاکی اس قدر احتجاج آمیز کہ اتباع خاموش نہ رہ سکی۔

''محبت کر لینا بڑی اور اہم بات نہیں۔ بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ محبت نبھائی جائے۔ اور محبت نبھانا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ خیر برداشت اور ایثار کے بغیر محبت کبھی مکمل نہیں ہوتی۔''

اس کا انداز ہلکی سی سرزش ہلکی سی تنبیہ لیے تھا۔ عبداللہ جتنا حیران ہوا تھا سو ہوا پھر گہرا طویل مضطربانہ سانس بھر کے متاسفانہ انداز میں اسے دیکھتا ہوا سیدھا ہو گیا تھا۔

''ہاں ...... آپ تو یہیں کہیں گی آپ تو یہی کہہ سکتی ہیں۔ ظالم لوگ بے حس لوگ کسی کی کیفیت کو کیا سمجھیں۔'' وہ جیسے اسے قائل کرنا چاہتا تھا مگر اتباع کا چہرہ سپاٹ تھا۔ عبداللہ کو گہرے اضمحلال نے آن لیا۔ پتا نہیں کیوں وہ اس لڑکی کو یقین سونپ دینا چاہتا تھا۔ وہ ہی اپنی بات پہ زور دیتے ہوا مزید گویا ہوا۔

''کچھ الفاظ محض الفاظ نہیں ہوتے۔ وہ کفیات ہوتی ہیں اتباع! جو تب آپ کو سمجھ آ سکتی ہیں جب آپ کے اوپر گزرتی ہیں۔ جب آپ نے محبت ہی نہیں کی تو پھر آپ میری کیفیات کو کیا سمجھیں گی۔ اس کے وجیہہ چہرے پر گھمبیر قسم کا تاثر اتر رہا تھا۔ اتباع نے پھر بھی اسے نہیں دیکھا۔ اہمیت نہیں دی۔ اس کے دل کا بوجھ بڑھنے لگا۔

مجھ کو بھی بے وفا سمجھتا ہے
جانے وہ خود کو کیا سمجھتا ہے

اس کی خاموشی اور بے نیازی پہ عبداللہ کو ہلکا سا غصہ آیا تھا۔ جب ہی آہ بھر کر گویا ہوا۔ اتباع کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ مچلی مگر اس نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

''میرے دل نے مجھ پہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ محبت عاشق کا ہی مرتبہ نہیں بڑھاتی۔ محبوب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ کر دیتی ہے۔ آپ جب تک چاہو مجھے میری محبت کو آزمالو۔ اللہ نے چاہا تو جیت کر دکھاؤں گا۔'' ٹھیک ہے لیکن آپ کو وعدہ کرنا پڑے گا جب میری محبت آپ کے دل کو تسخیر کرے۔ آپ پوری دیانتداری کے ساتھ مجھے آگاہ کریں گی۔ میں سمجھتا ہوں یہ میرا حق ہے۔''

اس محبت میں وہ صابر بھی ہوا تھا۔ اعلیٰ ظرف بھی۔ مگر یہ جو شرط رکھی تھی وہ اتباع کو کیسے قبول ہو سکتی تھی۔ اس جیسی شرم حیا سے معمول لڑکی بھلا یہ بے حجابی کرے کیونکہ کیتی۔ وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکی تو عبداللہ ایک بار پھر ہرٹ ہونے لگا تھا۔

تیرے جواب کے وقفے طویل کر رہے ہیں
بہت
گزرتے جاتے ہیں میرے سوال کے موسم

اس کا احتجاجی انداز کس قدر خفگی لیے تھا۔ اتباع نے گھبرا کر اُسے دیکھا وہ جیسے ہنوز منتظر تھا۔ مگر اتباع کے اپنے مسائل اپنی مجبوریاں تھیں۔ جنہیں وہ شاید سمجھنے سے قاصر تھا۔

کیا طبیعت تھی کس راہ پہ ڈالی نہ گئی
کٹ گئی عمر مگر خیالی نہ گئی

وہ آہ بھر کے رہ گیا۔ اتباع ہونٹ کاٹتی رہی۔ قدر نے گہرا سانس بھرا۔ اور جیسے اس اس رازو نیاز سے روکنے کو گلا کھنکارا تھا۔

''عبداللہ صاحب اور کتنے شعر لڑھکائیں گے۔ کچھ ہمیں بھی موقع دیں۔''

وہ مصنوعی انداز میں خفا ہوئی۔ عبداللہ چونکا اور گہرا سانس بھرتا ہوا کاندھے اچکا کر رہ گیا۔

''ضرور عرض کریے۔ جو بھی کرنا چاہتی ہیں۔''

''مجھے ایک بہت خوبصورت گانا یاد آرہا تھا۔ سوچا گا ہی لوں۔'' اس نے عبدالعلی کو اس جانب واپس آتے دیکھ کر کہا تھا۔ ارادہ عبدالعلی کو پھر سے زچ کرنے کا بن گیا تھا۔ اس پر عجیب متضاد کفیت طاری ہورہی تھیں۔

عبدالعلی کی محبت اسے اس دائرے میں رہنا اس کی مرضی پہ چلنا سکھاتی تھی اور اس کی بے اعتنائی وہ آگ تھی جب سب کچھ جلا کر بھسم کرتی ہوئی جواب میں اسے اسی آگ میں کھینچ لینے پر تل جاتی۔ اس وقت وہ دوسری کیفیت کے زیر اثر تھی۔ اس پر کچھ جتلانا بھی مقصود تھا۔ واضح کرنا بھی اور اس کے مخالف چلنا بھی۔ جب ہی جب تک عبدالعلی وہاں پہنچ کر کرسی سنبھال رہا تھا۔

وہ اپنی آواز کا جادو جگانے لگی۔

ہمیں تم سے پیار کتنا یہ ہم نہیں جانتے
مگر جی نہیں سکتے تمہارے بنا......
یہ دل بے قرار کتنا ہم نہیں جانتے
مگر جی نہیں سکتے تمہارے بنا

عبدالعلی نے سیل فون جینز کی جیب میں ڈالتے ہوئے چونک کر حیرانی بلکہ غیر یقینی سے اسے نغمہ سرا ہوتے دیکھا اور جانے کس احساس کے تحت ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ ورنہ اس کی نظروں کا انداز بتا دیتا وہ اس پل کتنا خفا تھا اس سے۔

تمہیں کوئی دیکھے تو جلتا ہے دل
بڑی مشکلوں سے پھر سنبھلتا ہے دل

عبدالعلی نے یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ اتباع خود حیران تھی۔ قدر کو آخر ہوا کیا ہے۔ قدر نے آنکھیں میچے جیسے کسی اور جہاں میں گم تھی۔ گلے میں دکھ اتر رہا تھا۔ نگاہ میں وہ منظر تھا۔ جب سب سے الگ تھلگ امن اس کے پاس کھڑی تھی۔ اس سے کوئی اہم بات کرتی۔ عبدالعلی کے ہر دم سنجیدہ رہنے والے چہرے پر اس لمحے کتنی شرارت تھی۔ وہ کتنا شوخ لگ رہا تھا ہر انداز سے...... ایسے کیا رازو نیاز تھے جو وہ سب سے دور ہو کر کرنے میں مصروف تھے۔ کتنا دل دکھا تھا قدر کا...... یہ کوئی کیسے جانتا۔

سنا ہے غم جدائی کا اٹھاتے ہیں لوگ
جانے زندگی کیسے بتاتے ہیں لوگ

''میرا خیال ہے اب اس محفل کو برخاست ہو جانا چاہیے...... تہجد کی اذان شروع ہوگئی ہے۔''

عبدالعلی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا لہجہ بے حد خشک ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اٹھنے والی جیسے اس مرحلے کی منتظر اتباع تھی وہ اگلے لمحے عبدالعلی کے پہلو میں اکر کھڑی ہوگئی۔

''جی بھائی جان! پلیز گھر چلیے۔''

''ارے یہ کیا بات ہوئی آدھی رات کو گھر سے بھاگنے کا کیا مقصد ہے۔ کمرے میں چلو۔ آرام کرو۔ صبح ناشتے کے بعد تسلی سے۔''

عبداللہ نے خفگی سے اتباع کو دیکھتے ہوئے

البتہ ٹو کا عبدالعلی کو ہی تھا۔ عبدالعلی نے محض شانے جھٹک دیے تھے۔ اندرونی حصے کی طرف جاتے وہ سب آگے پیچھے تھے۔ اور سب سے پیچھے قدر...... عبدالعلی کے قدموں کی رفتار سست ہونے لگی یہاں تک کہ وہ بے خیال سی چلتی قدر کے برابر آ گیا تھا۔

''تمہیں گانا آتا ہے......؟'' اس کا لہجہ تلخ تھا۔ خشک تھا قدر جیسے اس کی آواز پہ ہی چونک کر اس کی موجودگی سے آگاہ ہوئی تھی۔ اس توجہ پہ اس سوال پہ وہ جتنی حیران ہوئی وہ اس کے چہرے پر عیاں تھا۔ مگر اس کی نظروں کا انداز خفگی چھلکاتا تھا۔ یہ جاننے میں اسے ایک لمحہ درکار تھا۔ اور وہ ایک لمحہ اس کے گمان کو ادراک بخش چکا تھا۔

''جی آتا ہے اچھا گایا نا میں نے......؟'' بلکہ مجھے تو ڈانس بھی آتا ہے۔ اتباع کی شادی پر کروں گی۔'' اب کی مرتبہ قدر نے دانستہ اسے آگ لگائی تھی۔ غلط بیانی کرتے اور کامیاب بھی رہی وہ اس توقع سے بھی کہیں زیادہ بھڑکا تھا یوں جیسے آتش فشاں لاوا جب ہی خود پہ ضبط کیے بغیر دھاڑا تھا۔

''شٹ اپ......'' اتنی بلند اس کی آواز کہ ان سے آگے چلتے ہوئے لوگ بھی حیرانگی میں مبتلا کر اچھنبے میں گھرے پلٹ کر دیکھنے لگے تھے۔ تب عبدالعلی کو اپنے طیش کا احساس ہوا تھا۔ قدر بھی خائف نظر آنے لگی۔ صد شکر کہ کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

''اس قسم کی غلطی کر لینا۔ ورنہ اس میں شک نہیں رہے گا کہ میں تمہاری ٹانگیں توڑ ڈالوں گا۔''

اس کا موڈ ہنوز قہر زدہ تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔ قدر بھیگی نظروں سے اسے دیکھتی زیرِ لب مسکراتی رہی تھی۔

اتباع نے تشویش میں گھر کر اسے دیکھا اور اس کے قریب آ گئی۔

''خیریت......؟ بھائی جان اتنے خفا کیوں تھے......؟'' وہ سخت تشویش کا شکار تھی۔ قدر کچھ نہیں بولی۔

''ڈانٹ رہے تھے نا تمہیں......؟'' اتباع کی فکرمندی کا انداز بھی ملاحظہ کرنے والا تھا۔ قدر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ہاں صرف ڈانٹ نہیں رہے تھے ٹانگیں توڑنے کی بھی پیش گوئی کر گئے ہیں۔'' وہ عجیب انداز میں ہنسی اتباع نے اسے ایسے دیکھا۔ گویا اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔ پھر سر جھٹک دیا اور اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتی ہاتھ پکڑ کر کمرے میں آ گئی۔ اتباع کی فکر ختم تو نہیں ہوئی البتہ اس نے مزید سوال نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کا ایڈمیشن میڈیکل کالج میں ہوا ایک مرحلہ نپٹ گیا۔ علیزے کو تو خاص کر سر سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ اب وہ مستقل یہاں رہتی۔ اس کی خوشی کا اس سے بڑھ کر کیا راز ہو سکتا تھا جبکہ قدر کوئی اتنا خاص خوش نہیں تھی۔ پہلے تو اس نے ہاسٹل میں رہنے کی ضد لگائے رکھی جو بظاہر ہے نہیں مانی جا سکتی تھی۔

سمجھانے قائل کرنے والے لوگ ایسے تھے۔ عبدالغنی، عبدل ہادی اور لاریب کہ اس کو مانتے بن پڑی تھی۔ البتہ ایک اور شوشہ ضرور چھوڑ دیا۔ جسے سن کر سب ہی پریشان نہیں بھی ہوئے تو بھی الجھن کا شکار تھے۔

وہ اپنی ایک کلاس فیلو کے ایڈمیشن کی خواہش مند تھی جس کے گھر والے اسے مزید تعلیم دلوانا

نہیں چاہتے تھے جبکہ وہ بضد تھی کہ اس کے گھر والوں کو قائل کیا جائے کیونکہ وہ سمعیہ (وہ دوست) تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے۔عبدل ہادی سے اس نے فرمائش کی تھی کہ وہ اس کی تعلیم کا خرچ برداشت کریں تاکہ سمعیہ اپنی خواہش کے مطابق ڈاکٹر بن کر مسیحائی کر سکے۔

''تو ٹھیک ہے بیٹے! یہ تو ویسے بھی نیکی کا کام ہے۔آپ بچی کے والد سے میری فون پر بات کروادو۔میں انہیں قائل کرلوں گا۔

عبدل ہادی اس کے چہرے کی مسکان کی خاطر کچھ بھی کر سکتے تھے۔یہ تو بہت معمولی بات تھی ان کے نزدیک۔

''نہیں ناں پاپا جانی! وہ لوگ خاصے بیک واڈ ہیں۔فون پہ کبھی راضی نہیں ہوں گے۔سمعیہ کہہ رہی تھی میں اگر اس کی والدہ سے گھر آ کر بات کروں انہیں منالوں تو شاید ممکن ہو سکے۔

اس جواب پر عبدل ہادی کے ساتھ علیزے بھی سوچ میں پڑ گئی اور قدرے متامل بھی تھیں۔

''اللہ جانے کیسے لوگ ہیں فون پہ مانتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہیں نہیں بھیجوں گی۔''اور وہ سمجھنے کے بجائے الٹا اینٹھ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے تو پھر میں بھی نہیں پڑھوں گی کرے جو کوئی مرضی۔''اس نے اکھڑپن سے کہا تھا اور وہاں سے اٹھ گئی تھی علیزے نے یہ مسئلہ سب کے سامنے رکھا تھا۔عبدالعلی کو جتنا طیش آیا تھا اس فضول اور بچکانہ ضد پر عبدالغنی ہمیشہ کی طرح یہاں بھی کول ہی رہے۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہم مل لیں گے اس بچی کے گھر والوں سے۔قائل بھی کرلیں گے میں چلوں گا تمہارے ساتھ۔'' جب فیصلہ ہوگیا تھا تو پھر عبدالعلی بھی اختلاف نہیں کر سکا۔قدر سنتے ہی کھل اٹھی تھی۔اپنی دوست کو فون پہ خوشخبری بھی سنادی کہ وہ کچھ دنوں میں تشریف لائے گی۔

''مجھ سے سمی پوچھ رہی تھی مجھے کون کون سی ڈشز پسند ہیں۔میں نے جھٹ گنوادیں۔''

اس وقت وہ جھولے پر بیٹھی تھی۔گود میں دھرے باؤل میں پاپ کارن بھرے ہوئے تھے۔جنہیں وہ بڑی نزاکت سے ایک ایک اٹھا کر کھا رہی تھی۔

''تم چلوگی ساتھ......؟''اس نے اتباع کو بھی دعوت دی وہ بدک سی گئی۔

''جی نہیں۔میں نہیں جارہی اتنا لمبا سفر وہ بھی گاؤں کا۔معاف رکھو مجھے۔''قدر نے برا سا منہ بنالیا۔

''دیکھو بادل گھرے ہو رہے ہیں مجھے لگتا ہے بارش ہوگی۔''اس نے جھولا جھلایا تھا۔

''گرج چمک کے ساتھ بارش ہو تو مزہ دوبالا ہو جائے۔''اس نے حسرت سے کہا۔اتباع اسے بلا دابا غ گھورنے لگی۔

''اللہ نہ کرے جو طوفان آئے میری ساری رات کی نیند حرام ہو جائے گی۔اتنا ڈر لگتا ہے مجھے۔''

اس کے جھرجھرا کے کہنے پر قدر نے قہقہہ لگاتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔

''فضول ہو تم بھی اتنے رومینٹک موسم کو طوفان سمجھتی ہو۔اونہہ۔عبداللہ صاحب تمہارے اس خوف سے خوب فائدہ اٹھایا کریں گے۔اس نے آخر میں معنی خیزی سے کہا تو اتباع بے تحاشا سرخ پڑ گئی۔

''بہت بدتمیز ہو تم......'' وہ خجالت مٹانے کو یہی کہہ سکتی تھی۔

''اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے تم دونوں

بہن بھائی ہو ہی بور، رومینس نام کو نہیں تم دونوں میں...... سڑی ہوئی اکتائی ہوئی بوڑھی سوچیں ہیں ۔'' وہ تاسف سے سر جھٹک رہی تھی۔ اتباع نے اسے گہرا سانس بھر کے دیکھا۔

''مجھے خود اپنے اوپر اور عبداللہ بھائی پر بس ترس آ سکتا ہے۔ کیسے بدذوق لوگوں سے ٹکرا گئے ہم۔''

اب کی مرتبہ وہ سراسر شرارت سے کہہ رہی تھی۔ مگر وہاں سے گزرتے عبدالعلی کو اس کی اس بے حجابانہ گفتگو نے ضرور تاسف و ملال میں مبتلا کر دیا تھا۔ جبکہ وہ اس کی آمد سے بے خبر اسی تبسم خیز شرارتی انداز میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے تو بارش بہت پسند ہے۔ میرا دل کرتا ہے میں ہوں تمہارا بھائی ہو اور لانگ ڈرائیو ہو بارش ہو طوفان ہو۔ بادلوں کی گرج چمک...... بارش کی سر تال...... زندگی میں اور کیا چاہیے۔''

وہ کھلکھلا رہی تھی جب اتباع نے اسے جھڑکا۔

چپ کرو بدتمیز...... !بھائی نے سن لیا ہوگا۔''

اتباع کے چہرے پہ خفت کی لالی تھی۔ قدر نے گردن موڑ کر برآمدے کے سرے پہ غائب ہوتے عبدالعلی کے لمبے چوڑے مضبوط سراپے کو دیکھا اور کاندھے جھٹک دیے۔

''تو سن لیں ڈرتی ہوگی تم ان سے میں نہیں۔ اونہہ۔'' وہ ننھی سی ناک سکوڑ کر نخوت سے کہہ گئی تھی۔ اتباع نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔ جبکہ قدر کی آنکھوں میں نمی سی پھیلنے لگی تھی کہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔

آس اس در سے ٹوٹتی ہی نہیں
جا کے دیکھا نہ جا کے دیکھ لیا
وہ میرے ہو کر بھی میرے نہ ہوتے
ان کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

کتنا حوصلہ کر کے اس نے عبدالعلی کے روبرو کہہ دیا دیئے تھے۔ یہ شعر وہ بھی کم گائیاں نہیں تھا لمحوں میں مقدر اور شکوہ سمجھ گیا اور ہمیشہ کی طرح نظر انداز کرنے کے بجائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواباً گویا ہوا تھا۔

کوئی تو بات ہو جو تم کو نمایاں کر دے
میں کسی عام سی لڑکی کا نہیں ہو سکتا

تو طے ہوا تھا وہ عام لڑکی تھی کم از کم عبدالعلی کے نزدیک۔ پھر وہ کیوں خود کو مزید گرانی کیوں خود کو خوار کرتی۔ وہ خود کو جتنا سمجھاتی تھی مگر دل تھا کہ ہر بار آڑے آ جایا کرتا تھا وہ اس دل کے ہاتھوں بے بس تھی۔ تمہارا فون ہے اتباع۔''

عبیر ہاتھ میں اس کا موبائل لیے وہیں چلی آئی تھیں۔ اتباع ایک دم شرمندہ نظر آنے لگی۔

''امی جان کیوں زحمت کی میں خود آ جاتی یا آپ مجھے بلا لیتیں۔''

''کال عبداللہ بیٹے کی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ مس ہو۔ بچہ فیل کرے گا مگر میں پھر بھی ہو گئی۔

ان کا لہجہ بند ہو جانے والے فون کو تکتے متاسفانہ ہوا البتہ اتباع پرسکون ہوئی تھی۔ اسے سخت شرم آ رہی تھی کہ وہ ماں کے سامنے عبداللہ سے بات کرے۔ اس کی نظریں جھکی تھیں۔ ورنہ قدر کی شوخ نظریں مزید اسے شرمندہ کرتیں۔ عبیر واپس پلٹیں تھیں کہ فون پھر سے بجنا شروع ہوا۔

قدر نے مسکراہٹ دبائی۔

'چلو جاؤ تم اب اپنے کمرے میں اور ان سے بات کرو۔ میرے سامنے تم کہاں کرو گی۔''

''میں ویسے بھی نہیں کر سکتی۔ انہیں تو اور کوئی کام نہیں ہے۔'' وہ حیا آمیز کوفت سے بڑبڑائی۔

قدرے افسردہ قسم کی آہ بھری تھی۔
''خدا جب قسمت دیتا ہے تو بے نیازی آ ہی جاتی ہے مغرور تو ہو گئے تم لوگ۔ وہ اپنے انداز میں اس کی عزت افزائی میں مصروف ہوئی جس پہ اتباع نے کان نہیں دھرا۔
''کچن میں جا رہی ہو چائے پینی ہو تو بتا دو۔''
عبداللہ صاحب کو دیتی ہوں یہ آفر......! سر کے بل تشریف لائیں گے۔ اتباع کوئی تاثر دیے بغیر چلی گئی۔ مگر کمرے میں فون رکھنے تک عبداللہ کی مسلسل کالز آتی رہی تھیں۔ اسے نا چاہتے ہوئے بھی ریسو کرنی پڑی۔

سخن میزان میں تو لو نہ تو لو
مگر نزدیک آ کر بھید کھولو
کہیں خوشبو سے نہ سن لے بات کوئی
میری جان اور بھی آہستہ بولو

جذبات سے بوجھل گھمبیر تر لہجہ اتباع کی پیشانی سلگنے لگی۔
''کیوں زحمت کی......؟'' اس کا لہجہ بے مروت اور خشک ہوا۔

حسرت دید میں گزراں ہیں زمانے کب سے
دشت امید میں گرداں ہیں دیوانے کب سے

یہ جواب تھا جو آہ بھر کے دیا گیا تھا۔ اتباع اس قدر بھنائی مگر پھر نصیحت کا ارادہ باندھ لیا کہ اس کی تربیت ہی ان کی خطوط پر ہوئی تھی۔
''لامحدود آرزوئیں زندگی کو مشکل بنا دیا کرتی ہیں۔ عبداللہ صاحب! سب کچھ عشق و عاشقی نہیں ہے۔'' جواباً عبداللہ نے آہ بھری تھی بلکہ آہیں بھری تھیں۔
''ہمیں تو آپ کے سوا دنیا میں اور کچھ نظر ہی نہیں آ رہا ہے محترمہ زوجہ! کیا کریں بتایئے کہ......

دل مرحوم کو خدا بخشے
اک ہی غمگسار تھا نہ رہا......

مزید آہیں بھری گئیں۔ اتباع اس قدر عاجز ہوئی تھی۔
''پلیز !! اس انداز میں بات نہ کیا کریں۔ میں اریٹیٹ ہوتی ہوں۔ وہ جھنجھلانے لگی۔ جواباً وہ جیسے کراہ اٹھا۔
''آپ بھی حد کرتی ہیں۔ آپ تعریف بھی کر سکتی ہیں مثلاً کہ یہ کہتیں یعنی مجھے ڈیڈیکیٹ کر دیتیں۔

کون جیتے گا ان سے باتوں میں
ان کی آنکھیں کلام کرتی ہیں
ان کی آنکھیں سوال کرتی ہیں
میری ہمت جواب دیتی ہے

اتباع کا حال یہ تھا بس نہ گویا چلتا تھا سر پیٹ لے اپنا۔
''کیوں کال کی......؟ میں تو کچن میں جا رہی تھی۔'' اس نے گویا جان چھڑانا چاہی۔
''طبیعت خراب ہے بستر پہ ہوں دل اداس ہے۔'' وہ بچوں کی طرح بسورا۔
''آپ ڈاکٹر کو دکھا لیتے۔ دوا لیتے۔'' اتباع نے صحیح راستہ بتایا۔ اس نے منہ بگاڑ لیا تھا۔
''حق ہا......کوئی فائدہ نہیں ہوا آپ کو بتانے کا کہ......

سب سمجھتے ہیں بات مطلب کی
کس نے سمجھا ہے بات کا مطلب

اور اتباع واقعی چکرا گئی تھی۔ اور اس کے جھانسے میں بھی آ گئی لفظوں کے اس ہیر پھیر سے۔

''آئی ایم ساری میں قطعی نہیں کبھی۔ وہ گھبرائی وہ مسکرایا پھر گھمبیر تر لہجے میں بولا تھا۔
وہی وحشت وہی حسرت وہی تنہائی رقصاں ہے
میرا کمرہ خوابوں سے کتنا ملتا جلتا ہے
انداز پھر دردیلا اور آہ بھرنے والا ہوا تھا۔ اتباع کی گھبراہٹ بڑھی۔ معنی خیزیت نے لہجے کی واضح کیا تھا مطلب ورنہ وہ اتنی سمجھدار نہیں تھی کہ یوں پلے بات پڑتی۔ جب ہی دھک دھک کرتے دل کے ساتھ خاموش لب بستہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
''کیا اب بھی نہیں ہو میری معصوم پری!'' وہ قدرے توقف سے بولا تھا۔ اس سے قبل وہ کچھ کہہ کر جان چھڑوائی یا فون بند کرتی وہ پھر بول پڑا۔ اس بار لہجہ کس حد تک آنچ دیتا ہوا کسی حد تک ذو معنی اور گستاخی کی جانب بھی مائل تھا۔
تو بتا کیا یہ ظلم نہیں میرے ساتھ......؟
تیرے ہوتے ہوئے میری بانہوں میں تکیے
وہ گنگنایا تھا اور اتباع صحیح معنوں میں جیسے جلتے لاؤ میں جا پڑی۔
اگلے لمحے اس نے سیل فون کان سے ہٹا کر ایسے دور پھینکا جیسے وہ دہکتا انگارہ ہو۔ سانپ بچھو ہو۔ یہ دوسرا موقع تھا جب وہ اس حد تک بے حجاب ہوا تھا اس حد تک گستاخ...... اتباع کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔ آنکھوں میں نے بسی کے مارے نمی پھیل رہی تھی۔ کچھ دیر ہونٹ کچلتی رہی پھر اس اضطراب کا شکار پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔ کمرے میں اس کے بستر پہ پڑا فون بار بار وائبریٹ کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

انسان کی خواہشات سے اللہ کو دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اس کی تقدیر اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ اسے کیا ملنا چاہیے کیا نہیں ملنا چاہیے اس کا فیصلہ وہ خود کرتا ہے۔ جو چیز آپ کو ملنی ہے آپ اس کی خواہش کریں یا نہ کریں وہ کسی اور کے پاس نہیں جائے گی مگر جو چیز آپ کو نہیں ملنی...... وہ کسی کے پاس بھی چلی جائے آپ کو نہیں ملے گی انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ جانے والی چیز کے ملال میں مبتلا رہتا ہے آنے والی چیز کی خوشی اسے مسرور نہیں کرتی۔''
امن نے گہرا سانس بھرا اور دروازہ یونہی بھڑا چھوڑ کر واپس پلٹ آئی۔ وہ ارسل سے بات کرنے آئی تھی۔ مگر عبدالغنی کو پہلے سے اس کے موجود پا کر وہ قدرے مطمئن ہوئی تھی۔ سارا کی خواہش پہ عبدالغنی کو پہلے سے اس کے موجود پا کر وہ قدرے مطمئن ہوئی تھی۔ سارا کی خواہش پہ عبدالغنی بالخصوص اسے سمجھانے آئے تھے۔ شادی پہ رضامندی دینے کے واسطے۔ یقیناً موضوع گفتگو ہی تھا۔
''ماموں کب آئے ماما!'' وہ کچن میں آئی تو بریرہ کو مصروف عمل پا کر سوال کیا تھا۔ جو کھانے پہ انتظام میں مصروف تھی۔ بھائی کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دینا چاہتی تھیں کہ کبھی کبھار تو آتے تھے وہ۔
''ابھی کچھ دیر قبل ارسل کے ساتھ اس وقت۔'' سارا کی طرح بریرہ بھی خاصی پر جوش تھیں اور پر یقین بھی کہ عبدالغنی ارسل احمد کو قائل کریں گے۔
''تم سلام کر آئیں......؟'' بریرہ نے چاول ڈالتے ہوئے استفار کیا تھا۔
وہ نفی میں سر ہلا کر وضاحتی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''گئی تھی۔ ایکچولی بہت اہم گفتگو چل رہی تھی۔ میں نے سوچا بعد میں کرلوں گی۔ بریرہ نے محض ہنکارا ابھرا جبکہ وہ کسی شوخ میں گم ہونے لگی تھی۔ اس سوچ میں ڈوبے ڈوبے بولی۔

''بالغرض ماما! اگر وہ شادی کے لیے مان جاتیں تو لڑکی کون سی چاہیے بھلا ان کے لیے......؟''

نچلا لب ہونٹوں تلے دبا کر سوال کر رہی تھی۔ بریرہ مسکرادیں۔

''لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے بیٹے! مل جائے گی جو اللہ نے اس کے نصیب میں لکھی ہوگی۔ ذرا مجھے فریج سے دہی پکڑانا مجھے چاولوں کے مسالے میں ڈالنا تو بھول گیا مگر رائتے میں تو ڈالوں۔

امن نے چپ چاپ فریج کھول کر دہی کا باؤل نکال کرانہیں دے دیا۔

''ارسل ان کی طرح ہونی چاہیے......ڈیسنٹ' بہت خوبصورت اور سوبر سی...... ہے ناں......؟''

اس نے مسکرا کر تائید کرنا چاہی تھی بریرہ نے اس کے بچگانہ انداز پہ دھیرے سے ہنس پڑی تھیں۔

''خوب سیرت ہو نیک ہو۔ شکل و صورت میں ثانوی حیثیت رکھے۔ بس دعا یہ ہے کہ اللہ بچے کا نصیب اچھا کھولے۔ آمین۔'' ان کے انداز میں محبت تھی۔ امن دھیرے سے مسکرادی۔

''فکر ناٹ ماما جانی! اب تک حوصلہ! نصیب اچھا ہی ہوگا۔ اس کے لہجے میں یقین تھا۔ ایک انوکھی سرخوشی تھی جو اس وقت بھی قائم رہ سکتی تھی جب وہ فروٹ کی باسکٹ ٹرے میں رکھے عبدالغنی کے پاس آئی تھی مگر دروازہ کھول کر اندر قدم نہیں رکھ سکی۔ ارسل احمد کی دوٹوک گھمبیر اور قطعی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

''ٹھیک ہے انکل! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ کو انکار نہیں کرسکا۔ جیسے ماما کو کردیا یا جیسے ماما جان (بریرہ) کو کر چکا ہوں لیکن شادی کے لیے میری ایک شرط ہے۔ اگر اسے پورا کر دیا جائے تو مجھے ہرگز ہرگز اعتراض نہیں۔''

امن کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ خون کی گردش یکدم تیز تر ہوئی تھی۔ سماعتیں مہ تن گوش۔

کیسی شرط بیٹے......!'' عبدالغنی کا لہجہ مستفرانہ ہوا پھر نرمی سے گویا ہوئے تھے۔

''شادیاں شرائط کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں۔ جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے ناں......؟''

''وہ سب ٹھیک ہے انکل! مگر میں کسی لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ہاں اگر کوئی معذور خاتون ہوں تو میں راضی ہوں سمجھ لیں۔ اس طرح میں کسی کی مدد کروں گا۔ ویسے تو شاید ناممکن ہو۔''

امن نے بے ساختہ دل پہ ہاتھ رکھا۔ یوں جیسے خود کو سنبھالا دینا والہا ہو مگر سنبھال ہی نہیں ملا تھا۔ اس کا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے انوکھی فرمائش تھی۔ جس نے اس کی ہراش نراش بدل دی تھی۔ آنکھوں میں نمی بھر دی تھی۔ وہ وہاں سے پلٹی تو عبدالغنی کو سلام پھر نہیں کر سکی۔ وہ خود کو اس وقت کسی کے بھی سامنے کے قابل نہیں پائی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کالج سے لوٹی تو گرمی و پسینے سے بے حال تھی۔ جب ہی بیگ اور چادر اتار کر فریش ہونے گھس گئی۔ قدر بستر پہ اوندھی لیٹی۔ ''وس وے مولا تو اکھیاں دے کول کول'' سن رہی تھی اس میں

مگن رہی۔ اٹھنا اس وقت پڑا جب ملازمہ نے آ کر مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔

''ہائیں ......! اس وقت کون مہمان آ گیا۔''

وہ حیرانی سے اٹھی تھی اور تیز سے باہر لپکی مگر پھر حسب سابق دروازے سے نکلتے دوپٹے کا بھی خیال آ گیا۔ وہاں سے پلٹی اور دوپٹہ گھسیٹتے ہوئے ڈرائنگ روم کی جانب آ گئی۔

ڈرائنگ روم میں عبداللہ خواتین کے درمیان گھرا بیٹھا تھا وہ یکدم ڈھیلی پڑ گئی۔

''آپ کو چین نہیں ہے ......؟ پھر آ گئے۔''

اس نے مسکراہٹ دبائی۔ علیزے نے اسے گھورا تھا۔

''یہ کون سا طریقہ ہے قدر بات کرنے کا؟'' علیزے کے گھرکنے پر وہ مسکراہٹ دبا گئی۔

''ہمارا تو یہی ہے۔''

''کم آن خالہ جانی! مذاق کر رہی ہے باگڑ بلی!'' عبداللہ ہنس رہا تھا۔

''اتنی بڑی ہو گئی ہے مگر عقل نہیں آئی ابھی تک۔'' علیزے کلس کر بڑبڑائی تھی اس کی تیز سماعتوں نے فقرہ کیچ کر لیا۔ جب ہی موڈ سوا نیزے پہ جا پہنچا تھا۔

''جی درست فرمایا۔ ساری عقل تو آپ کے لاڈلے داماد کو جو مل گئی تھی۔ میں نے کرنی بھی کیا تھی۔''

اس نے تڑخ کر کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

''قدر کیا ہو گیا ہے مائی ڈول۔'' بیٹھ جاؤ آرام سے خالہ جانی کی باتوں کا بھی برا مانتی ہو تم ...... چچ چچ! پتا ہے تمہیں ماما جب تک دن میں میری ایک بار کھچائی نہ کریں۔ مجھے کوئی کمی فیل ہوتی رہتی ہے۔'' عبداللہ نے ایسے انداز میں کہا تھا کہ وہ منہ پھلائے سہی مگر بیٹھ گئی تھی۔ ''مگر ہماری والدہ ماجدہ کو کوئی کام نہیں ہے ان سے تو اچھی ممانی ہیں کم از کم کچھ کہتی تو نہیں ہیں ......''

اس نے نخوت سے کہتے آخر میں شکر گزار ممنون نظروں سے لاریب کو دیکھا تھا۔ جو مسکراہٹ دبا رہی تھیں۔ ''مگر واضح رہے کہ یہ بھی ماں تو تمہارے ماما کے لاڈلے داماد کی ہیں یعنی مخالف پارٹی ہی ہے۔''

اب کے عبداللہ نے شرارت ہی کی تھی مگر اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ جبھی بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

''انہیں مجبوراً سہی مگر مجھ سے بنا کر رکھنی پڑے گی۔ ان کے بیٹے کو اپنی مٹھی میں جو کر لوں گی میں۔'' لاریب کے گلے میں بازو حمائل کیے اس کی شرارت نقطہ عروج پر جا پہنچی تھی۔ لاریب نے بے ساختہ ہوتے ہوئے اسے لپٹا کر گال چوم لیا۔

''ہمیں اتنا ہی اطمینان اور خوشی حاصل ہو گی جتنا تم اسے اپنی مٹھی میں مضبوطی سے سنبھال کر رکھو گی۔''

اس جواب پہ عبداللہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ جبکہ علیزے گہرا سانس بھر کے رہ گئیں۔

''آج کل کے بچوں میں حیا نام کو بھی نہیں رہ گئی۔ یہی سوچ رہی ہیں نا خالہ جانی۔''

عبداللہ کا انداز بے طرح شوخ و شریر تھا۔ علیزے جواباً محبت آمیز لہجے میں مسکرائی تھی۔

''آپ جتنی بے شرم تو نہیں ہوں بہرحال!''

قدر نے ناک سکوڑی۔ عبداللہ اسے باقاعدہ گھورنے لگا۔

''ایسے کون سے ستم یا غضب ڈھا دیے ہیں میں نے جو تم یہ بات کہہ رہی ہو۔''

''اب میرا منہ نہ کھلے تو اچھا ہے۔'' وہ

آنکھیں نچا کر چڑانے کو بولی۔ اس سے قبل عبداللہ کچھ بولتا عبیر چائے لے آئی تھیں۔'' عبداللہ احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

''ممانی جان......!'' اس نے اپنا سران کے سامنے جھکایا تھا۔ عبیر کا اسے دعا دینے پیار کرنے کا انداز والہانہ تھا۔

بے حد شفقت آمیز۔

''اکلوتا لاڈلا داماد!'' اس نے نچلا ہونٹ دبا کر گویا عبداللہ کو ہی چھیڑا۔ وہ بھی کون سا کم تھا۔ گردن مزید اکڑا کر بیٹھ گیا۔

''جس خوش فہمی یا آس میں مبتلا ہو کر یہاں تک تشریف لائے ہیں نا...... وہ نہیں پورا ہونے والا۔''

اس نے ہری جھنڈی دکھانی ضروری خیال کی۔ عبداللہ نے شانے اچکا دیے تھے۔

''آپ کو خبر نہیں ہے شاید...... ہم نے ہارنا نہیں سیکھا۔ وہ سپاہی نہیں ہیں۔ جو میدان جنگ میں ناکامی سے دوچار ہوتے ہیں۔''

افوہ...... بڑی خوش فہمیاں لاحق ہیں لوگوں کو۔'' قدر خود چڑ گئی تھی اسے چڑانے کی کوشش میں۔

''اللہ کا ہی احسان ہے ہم نے کبھی غرور نہیں کیا۔'' اس کی بے نیازی اور لاتعلقی دیکھنے والی تھی۔

''بیٹے کہاں جا رہی ہو......؟ چائے تو لو۔''

عبیر نے اسے اٹھتے پا کر ٹوکا۔ قدر جاتے جاتے مڑی اور نرمی سے مسکرادی۔

''طلب نہیں ہے ممانی جان کچھ دیر قبل ہی پی تھی میں نے۔'' عبیر نے آمادگی سے سر ہلا دیا تو وہ عبداللہ پہ مسکراہٹ اچھالتی خود باہر آ گئی۔ پہلے ہی مرحلے میں اتباع سے سامنا ہو گیا۔

''کون آیا ہوا ہے جو سب ڈرائنگ روم کے ہو گئے......؟ امی جان بھی چائے بنا کر لے گئیں ہیں۔

اتباع کے سوال پر قدر نے شانے جھٹک دیے تھے۔ انداز قطعی لاعلمی کا تھا۔ جب ہی اتباع کی حیرت فطری تھی۔

''کیا مطلب......؟ تم وہیں سے تو نکلی ہو پھر بھی نہیں پتا......؟'' استعجاب کا یہ تاثر اس کی کشادہ سحر آفریں آنکھوں کو کچھ اور بھی دلنشین بنا کر دکھانے لگا۔

''بھئی میں تو دیکھ بھی چکی اور مل بھی۔ اب تم جا کے خود مل لو۔ قدر پہ شرارت سوار تھی۔ جب ہی اسے ایک دم سے دروازے کی جانب دھکا دے ڈالا۔ وہ اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔ جب ہی لڑکھڑا کر دروازے سے نکلتے عبداللہ نے اس طرح ٹکراتی کہ باقاعدہ اس کے سینے سے جا لگی۔ حواس بحال کیا ہوتے الٹا مزید خطا ہو گئے۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ جیسے کرنٹ کھانے کے انداز میں سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ ابھی سنبھلی بھی نہیں بھی تھی کہ عبداللہ کا شوخ فقرہ اسے بھک سے اڑا کر رکھ گیا۔

''تھینکس اے لاٹ مائی سویٹ ڈیئرسٹ وائف! استقبال کا یہ انداز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔''

اتباع جو اسے روبرو پا کر ہی شرم سے کٹ مری تھی۔ اس معنی خیز فقرے سے تو چہرے پہ ایسی تمتماہٹ بکھری کہ پورا وجود بھاپ چھوڑنے لگا۔ خجالت سب کی توہین کا شدید احساس اس کی آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگا۔

کچھ کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے پلٹ جانا چاہتی تھی کہ عبداللہ نے سرعت سے بڑھ کر اس کا

راستہ روک دیا۔
''اتباع! کیوں پریشان ہوگئی ہیں اتنا! یار ہرگز کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا آپ سے۔ بلکہ آپ کو ہی یہ شرعی حق حاصل ہے صرف۔''
بظاہر سنجیدگی سے کہتا وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا رہا تھا اس پر قدرکی کھی کھی۔ اتباع کے چہرے کے ساتھ آنکھیں بھی جلنے لگیں۔
''قدر نے دھکا دیا تھا تو میں۔'' وہ سخت روہانسی ہوچکی تھی وضاحت کیے بغیر رہ نہ سکی۔ اپنا وقار، اپنی عزت نفس اور پندار اتنا ہی عزیز تھا اسے۔ سامنے بھلے اس کا شرعی وقانونی حقدار تھا مگر وہ پھر بھی اپنا دامن داغدار ہوتا برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ عبداللہ کا مستعم لہجہ...... شوخ بہکا بہکا انداز اسے جز بز کررہا تھا۔
''بروقت دیا تھا۔ درست دیا تھا۔ میں تو قدر کا شکر گزار ہوں۔''
عبداللہ ہلکے سے ہنستا برجستہ کہہ گیا۔ انداز ہنوز شریر قسم کا تھا۔ اتباع نے بے بس خفا نظروں سے اُسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے پلٹ گئی۔
اسے کبھی لگتا تھا عبداللہ کو اس کی نہیں بس اپنی پرواہ ہے۔ وہ صرف وہ کرے گا جو وہ خود چاہتا ہے۔ اس وقت بھی اسے بے مائیگی کے احساس نے چھوا تھا۔ جبکہ عبداللہ اس کے احساسات سے بے خبر تھا اس خفگی کو مٹانے میں کوشاں جو اس فون کال کے بعد سے چل رہی تھی کہ وہ اس سے بات کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ مجبوراً عبداللہ کو یہاں آنا پڑا تھا۔ روبرو معاملہ کلیئر کرنے کو۔ لیکن اس کے انداز ہنوز تھے۔ عبداللہ کو خفیف سی سہی مگر جھنجھلاہٹ نے گھیر لیا تھا۔
''اتباع...... اتباع!! بات سنیں میری ورنہ میں آپ کے کمرے تک آجاؤں گا اور آپ مجھے روک نہیں سکیں گی۔ لیکن یہ آپ کو اچھا تو ہرگز نہیں لگے گا بہتر ہے آپ میری بات سن لیں۔''
مدھم بھاری آواز مگر کسی حد تک تلخی آمیز انداز میں کہتا وہ اس کے پیچھے آرہا تھا۔ اتباع کو جیسے جھٹکا لگا۔
اس نے جیسے صدمے میں گھرے پلٹ کر دھندآلود نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں......؟'' وہ ششدر تھی یا صدمہ سے چور عبداللہ فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا۔ البتہ اس کے بدگمان انداز سے ضرور دل برداشتہ ہوا تھا۔
''آپ خفا تھیں میں صرف آپ کو منانا چاہتا تھا ایکسیوز کرنے آیا تھا۔'' وہ ہرٹ ہوتا ہوا بولا۔ مگر اتباع کے تاثرات میں ہرگز کوئی تبدیلی کوئی نرمی نہیں اتری۔
''مجھے آپ سے زیادہ کچھ نہیں کہنا عبداللہ صاحب! سوائے اس کے کہ...... دل میں اترنے اور دل سے اترنے میں بظاہر ایک الفاظ کا ہیر پھیر ہے لیکن اس کا اثر...... اس کا دائرہ عمل اس کا تسلط کتنا وسیع کتنا گھمبیر ہے۔
کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ سو بی کیئر فل۔''
وہ جتنی سنجیدہ تھی عبداللہ نے اس قدر شرارت سے اسے دیکھا تھا پھر مسکراہٹ دبا کر بولا۔
کتنے سلجھے ہوئے طریقے سے
مجھ کو الجھن میں ڈال دیتے ہو
''کبھی یہ سوچا ہے تم نے...... میری جان! دھان پان!''
اپنی بات کا اثر دیکھ کر اتباع کا دل شدت سے چاہا تھا اس کا نہیں تو اپنا ضرور سر پیٹ لے۔ حد تھی یعنی بے حسی یا پھر لاپرواہی کی بھی۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی

تھیں۔ اس غفلت و خود پسندی پہ...... جب ہی مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی پھر نصیحت کا دامن پکڑا۔
''اپنی نگاہوں کو سنبھال کر رکھنا، زبان کو بے مقصد فضول باتوں سے بچانا، پیشانی کو سجدوں سے آراستہ کرنا، نفس کی شرارتوں سے دل کو بچا کر رکھنا اور ذکر الٰہی میں زبان مشغول رکھنا ہر طالب صادق مومن کی پونجی ہے میں آپ میں یہی خوبیاں دیکھنے کی متمنی ہوں عبداللہ!''
اس کے لہجے و انداز میں جیسے کوئی التجا تھی۔ منت تھی۔ عبداللہ نے گہرا طویل سانس بھرا تھا۔ پھر جواباً اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔
''مجھے بھی آپ سے ایک بات کہنی ہے غور کیجیے گا پلیز۔'' اس نے عاجزی سے کہتے ذرا سا توقف کیا۔ پھر گلا کھنکار کر بے حد سنجیدگی سے گویا ہوا۔
''جب تک طالب و مطلوب، عاشق و معشوق، محب و محبوب الوہیت کے رنگ میں رنگے نہ جائیں اور کسی ایک کو دوسرے کی گود نصیب نہ ہو تب تک زندگی مکمل نہیں ہوتی۔ گود نصیب ہونا کاملیت کی شرط اول ہے گود میں سونے کی خواہش ہر خواہش پہ شدت غلبہ رکھتی ہے۔ سنا ہے ماں محبوب اور مرقد کی گود بڑی گداز ہوتی ہے سونے کا سواد آ جاتا ہے۔ حشر تک پڑے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ ماں کی گود کا ذائقہ ابھی تک یاد ہے۔ مرقد کا تجربہ ابھی کرنا نہیں چاہتا رہ گئیں آپ...... ارشاد فرمایئے کب تک یہ عنایت ہوگی۔''
اپنی کہہ کر وہ پوری شدتوں سے جواب کا منتظر ہوا تھا جبکہ اتباع کا تو وہ حال کہ زمین بھی اندر نہیں سماتی تھی۔
بے حجابی اور گستاخی کا ایسا مظاہرہ اس شخص سے کیا جس سکتا تھا کوئی اچھی امید رکھنا ہی شاید عبث تھا۔ وہ وہ جھلتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔
عبداللہ نے گہرا سانس بھرا اور کنپٹی کھجائی۔
کیا طبیعت تھی کسی راہ پر ڈالی نہ گئی
کٹ گئی عمر مگر خام خیالی نہ گئی
انداز آہ بھرنے والا تھا۔ جس میں حصہ قدر نے بھی سرد آہیں بھر کے ڈالا اور دانت نکالنے لگی۔
''ہو گئی تسلی......؟ یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ رالی عزت میں برکت۔'' اس کی مسکراہٹ انہی کی جان مائل تھی۔
''جاسوس......! باتیں سن رہی تھی تم چھپ کے۔ وہ ذرا سا خفیف ہوا۔
''میں نے سوچا آپ کو تمغے پہناتے جا رہے ہوں گے میں بھی یہ نظارہ دیکھ لوں اس نے پھر دانت نکالے۔ عبداللہ نے کاندے اچکا دیے تھے۔ اس کے قدم اب بیرونی حصے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ قدر ہمراہ تھی۔
او اتھری تے میں منہ زور
میں اپنی مرضی دا مالک
تے اونے توڑنی نیں اپنی ٹور
''یعنی طے ہوا کہ زندگی یونہی تمام ہونی ہے۔'' عبداللہ کی گنگناہٹ سے جو نتیجہ قدر نے اخذ کیا اس کے مطابق یہ سوال کیا تھا مگر خاصی شرارت سے۔
''شیر اور بلی کی لڑائی میں فتح کس کو حاصل ہوتی ہے......؟ ڈیفینیٹلی شیر کو...... سو ڈونٹ یو وری مائی سس! ہم تمہاری نند صاحبہ کو فتح کر لیں گے۔ بس تھوڑا ٹائم دے رہے ہیں صورتحال یہی رہی تو پھر یہ ڈیل ختم......''
اس نے چٹکی بجائی تھی۔ قدر نے آنکھیں گھما

کرا سے دیکھا۔
''میں یہ سارے ارادے بتادوں گی اتباع کو..... غلط فہمی ہے کہ آپ کے ساتھ ہوں میں۔''
''فکر ناٹ۔ شیر سازشوں سے نہیں اپنی طاقت سے جیتتا ہے تم کرو جو کرنا چاہتی ہو۔ اپنی نند اور میری ڈیئر سٹ وائف کو میرا سلام کہہ دینا۔ گڈ بائے۔''
گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ ہاتھ ہلاتا چلا گیا۔ قدر کے چہرے پر موجود مسکان اس گاڑی کو گیٹ سے نکلتے پا کر سکڑتے سکڑتے بالکل ختم ہوگئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اتباع کی خوش بختی اور اپنی بے مائیگی پہ سوچ رہی تھی کڑھ رہی تھی۔
☆......☆......☆
عبدل ہادی اور علیزے کو اچانک واپس جانا پڑ گیا تھا۔ وہ یہیں تھی اور موڈ خاصا خراب تھا۔ علیزے کو اس نے دھمکیاں بھی اچھی خاصی دی تھیں کہ اگر اس کا پڑھائی میں دل نہ لگا یا سمعیہ کے گھر والے نہ مانے تو لازمی وہ سب کچھ چھوڑ کر خود بھی آجائے گی ان کے پیچھے۔ وغیرہ۔
''عجیب بات ہے لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ حالانکہ یاد ہو تو تمہارا ہی اپنا زریں قول تھا کہ تم نے دل اس گھر میں اور سب سے بڑھ کر میرے بھائی سے لگانا ہے۔''
اتباع نے محض اس وقت اس کا موڈ بحال کرنے کو اسے چھیڑا تھا۔ خلاف عادت، خلافِ معمول مگر یہ کوشش کوئی اتنی زیادہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکی تھی۔ کہ وہ بجائے بہلنے کے مزید افسردہ ہونے لگی۔
''میں جتنی بھی کوشش کرلوں ناکام ہی رہوں گی۔ وجہ محترم کو مجھ میں دلچسپی نہیں ہے۔''
اس کا لہجہ و انداز بجھا ہوا پا کر علیزے نے تڑپ کر اسے ساتھ لگالیا تھا۔
''ایسا نہیں کہتے بیٹے! عبد العلی ذرا الگ مزاج کا ہے۔ لیکن حقوق کی پاسداری سے آگاہ ہے۔''
''تو اور کیا...... ابھی صرف نکاح ہوا ہے ناں..... شادی تو ہونے دو تمہارے سارے گلے شکوے دھو ڈالیں گے میرے بھائی......! اتنا پیار دیں گے تمہیں۔''
اتباع نے بھی علیزے کی ہاں میں ہاں ملائی تھی مگر اس کا ملال تھا کہ پھر بھی نہیں ڈھل رہا تھا۔
''رشتہ تو جائز ہے نا یہ بھی۔ شادی اور نکاح میں ویسے بھی اتنا فرق نہیں ہوتا۔ جنہوں نے اہمیت یا محبت دینی ہو...... وہ منگنی کے بعد بھی دے دیتے ہیں۔ مجھے تو سچی بات ہے اپنا مستقبل بہت تاریک نظر آتا ہے۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ علیزے نے بے اختیار اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
''(......) کرے میری بچی! اللہ تمہیں دنیا کی ساری خوشیاں عطا فرمائے۔ اگر کبھی تمہاری آنکھ میں نمی دیکھوں کسی دکھ کی اس سے پہلے موت آجائے مجھے۔''
علیزے کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔ آواز رقت آمیز تھی ماحول بہت زیادہ جذباتی ہو چکا تھا۔
جب عبد العلی نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔
''بو جانی! کس کی باتوں میں آرہی ہیں آپ بھی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آجایئے۔ انکل باہر منتظر ہیں آپ کے۔ بابا جان بھی وہیں ہیں۔''
قدر پہ سرد نگاہ ڈالتا ہوا وہ بے حد خشک انداز میں بات کر رہا تھا۔ قدر کس حد تک خفیف ہو چکی

تھی یہ سوچ کر اللہ جانے وہ کیا کچھ چن چکا ہے۔ عجیب سی بے چینی نے اس کا گھیراؤ کرلیا۔

(لو...... محترم اب خود کو کلف زدہ محسوس کرنے لگیں گے کہ لڑکی تو مری جاتی ہے خود ہی) اسے اپنے اوپر بھی غصہ آیا تھا۔

''اداس ہو......؟'' اتباع نے چائے کا مگ اس کے سامنے کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ قدر طویل سانس کھینچتی سیدھی ہو بیٹھی۔

ہم زخم کی آغوش میں ہے درد تمہارا
ہر درد کی تسکین کا احساس بھی تم ہو

اس کے انداز میں کیا کچھ نہ تھا۔ شکایت، رنج غصہ الم، اتباع کو اس پر ترس آیا۔

''کیوں سوچتی ہو اتنا......؟ اور اگر سمجھتی ہو کہ مسئلہ حل بتا کر ڈسکس کر کے ہو سکتا ہے تو ضرور کر لو۔''

اتباع نے مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

''ایسا نہیں کر سکتی مر کے بھی کہ......
میں لڑکی مشرق ٹھہری
اصولوں میں کڑی ٹھہری
مجھے جس سے محبت ہے
مجھے اس سے چھپانا ہے

''تو پھر صبر کر لو، وقت کا انتظار کرو۔ اللہ بہتر پھل دے گا صبر کا۔'' اتباع نے حسب عادت نصیحت کی تھی۔

''تمہیں کیا پتا...... حالات ایسے ہیں کہ صبر نہیں ہو رہا۔ ویسے بھی اک شک دن رات ڈستا ہے مجھے۔''

اس کا اضطراب اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ اتباع نے چونک کر اسے بغور دیکھا۔

''کیسا شک......؟'' وہ حیران تھی۔

''علی کسی اور سے محبت کر سکتے ہیں بلکہ مجھے یقین ہے۔'' وہ خلا میں گھور رہی تھی۔ اتباع نے تاسف سے سر جھٹکا اور خود کو اس تناؤ سے آزاد کرتے ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''بے وقوف ہو تم ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ بس ریزرو ہیں۔ تم جیسی منکوحہ کو اگنور کرتے ہیں تو کسی اور کو کیسے پسند کر سکتے ہیں......؟'' اتباع نے گو کہ بھائی کی حمایت نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود اس وضاحت پہ قدر کو ناگواریت نے آن کیا تھا۔

''اس بات کو تو مانو گی نا تم کہ اگر سامنے بہترین چوائس ہو تو محبت و پسند پہ بھی اختیار نہیں رہتا۔''

اس کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔ رقابت کی آنچ میں جھلسا ہوا۔ اب کی بار یقین ایسا تھا کہ اتباع بھی ٹھٹھک گئی۔

''کسی پہ شک ہے تمہیں......؟'' اس کا انداز بے چینی سموتے ہوئے تھا۔ قدر نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''امن...... امن کو پسند کرتے ہیں وہ۔'' اس کا لہجہ دکھ کی شدتوں سے بھینچا ہوا تھا۔ اتباع سرد ٹھنڈا سانس بھر کے متاسفانہ انداز میں سر جھٹکنے لگی۔

''مجھے حیرت ہے اتنی بے ضرر اور معصوم لڑکی کو تم ایسے شک کا نشانہ بنا رہی ہو۔'' اتباع کو بہرحال اچھا نہیں لگا تھا امن کے حوالے سے یہ سننا۔ قدر کو اس قدر آگ لگی۔

''ہاں ہاں تم میرا کیوں یقین کرو گی۔ ایک تمہاری بہترین دوست ہے دوسرا تمہارا بھائی۔ میں کون ہوتی ہوں جو تمہیں میرا اعتبار ہو۔ ویسے بھی اطلاعاً عرض ہے کہ میں قصوروار امن کو نہیں تمہارے بھائی کو ٹھہرا رہی ہوں سمجھیں......؟''

آگ بگولا ہوتی کہہ کر وہ مگ پٹخ کر وہاں

سے تن فن کرتی چلی گئی۔ اتباع سر تھام کر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

اتباع کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اسے ہنوز سوتے پا کر کئی بار آواز دی مگر وہ جاگتے ہوئے بھی سونے کا تاثر دیتی۔ ساکت و سامن پڑی رہی۔ اتباع نے اسے سوتا جان کر لائٹیں اور دروازہ بند کر دیا تھا اور خود چلی گئی تھی۔ کمرے میں تنہا رہ جانے کا خیال آزادی کا تھا۔ اس کے اکے ہوتے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ ہر تکلیف دہ یاد کو جھٹک دینا چاہتی تھی مگر یہی بے بسی تھی۔ کامیابی نہیں تھی۔ کتنا سمجھایا تھا اتباع نے امن کے حوالے سے یقین بھی دلایا تھا اور عبدالعلی کے متعلق بھی یقین دہانی کرائی تھی مگر اس کا غصہ اور تلخی تھی کہ ختم نہ ہو رہی تھی۔ ہوتا ہے نا ملکیت کا استحقاق کا احساس جو ایسا مان اندر پیدا کرتا ہے جس کا شاید خود بھی ادراک نہیں ہوتا۔

یہی مان اسے کل عبدالعلی کے کمرے تک لے گیا تھا۔ اب یہ اس کی قسمت تھی کہ وہ پہلے ہی کسی معاملے پہ برہم تھا یا پھر اسے روبرو پا کے یہ طیش امڈ آیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ آہٹ پر گردن موڑنے پہ اسے روبرو پا کے وہ یکدم کتنا مشکل ہو گیا تھا۔

''کیوں آئی ہو تم......؟'' اس کا انداز جھڑکنے والا تھا۔ مگر قدر خائف نہیں ہوئی تھی وہ فیصلہ کر چکی تھی بات کرنے کا تو اسے کرنی تھی۔

آپ ممانی جان کو بلا رہے تھے۔ میں یہاں سے گزر رہی تھی تو......''

''ہاں مگر انہیں تمہیں نہیں۔ تم جاؤ۔ وہ پتا نہیں کیوں اتنا بے لحاظ ہو رہا تھا۔

قدر کو برا تو لگا مگر برداشت کر گئی۔

''کپڑے استری کرانے ہیں؟ لائیں ہیں......؟''

عبدالعلی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے اپنے کپڑے جھپٹ لیے ساتھ ہی اسے خفیف سا جھٹکا بھی دیا تھا۔

''تمہیں سمجھ نہیں آ رہی ہے...... میں کیا کہہ رہا ہوں......؟ جاؤ یہاں سے۔'' وہ دبے ہوئے الفاظ میں چیخا۔ قدر نے جواباً اس کی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھ دیں۔

''نہیں آ رہی ہے سمجھ۔ اور نہ میں یہاں سے جاؤں گی۔ آپ بھی بھیجیے......؟'' عبدالعلی ایک لمحے کو اس کی جرات اس کی ڈھٹائی پہ حیران رہ گیا۔ پھر ہونٹ سکوڑ کر بے حد حقارت سے واضح کرتا ہوا بولا تھا۔

''میں جانتا ہو یہ سب تم کس زعم میں کر رہی ہو۔ مگر میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ مجھے بے باک لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔'' وہ اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔ قدر کا رنگ ایکدم پھیکا پڑ گیا۔ آنکھوں میں کتنے طوفان آنسوؤں کے مچلے وہ سکتے میں آ گئی تھی۔

کچھ دیر اس سکتے میں اس دیکھتی رہی۔ پھر یہ سکتہ ٹوٹا اور اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ گیا تھا گویا۔ ''میں جانتی ہوں میں یہ بھی جانتی ہوں آپ کو کیسی لڑکی پسند ہے۔ اور وہ کون ہے...... میں یہ بھی جانتی ہوں میں کسی بہت غلط فہمی کا شکار تھی کہ میں اپنی محبتوں سے جیت لوں گی آپ کو مگر......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی پلٹ کر بھاگی تو آنکھوں سے ٹوٹتے آنسو انتہائی بے مائیگی کا شکار ہوتے اس کی قدموں میں بکھرتے رہے تھے۔ کمرے میں آ کر اس کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی

تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا مار ڈالے خود کو تا کہ پھر کبھی ایسا عظیم دکھ نہ سہنے کو ملے۔

کتنا بڑا المیہ تھا۔ زندگی میں جن لوگوں سے ہم محبت کرتے ہیں دکھ بھی انہی سے ملتے ہیں کیوں کہ غیروں کی بات جتنا بھی دل کو لگے مگر اپنوں کی بات تو دل پہ لگتی ہے شگاف ڈال جاتی ہے۔ وہ مسلسل سسکے جاتی تھی۔ ذہن میں اسی نظم کی بازگشت ہونے لگی جو آج کل اسے بالخصوص یاد ہو گئی تھی۔

ہم ہیں سوکھے ہوتے تالاب پہ بیٹھے ہوتے ہیں
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں
گھر پہنچتا ہے کوئی اور ہمارے جیسا
ہم تیرے شہر سے جاتے ہوئے مر جاتے ہیں
یہ محبت کی کہانی نہیں مرتی لیکن
لوگ کردار نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

اس نے کروٹ بدل کر آستین سے بھیگا چہرا رگڑا۔ اور آہ بھری۔ (پتا نہیں میں کیوں پتھر سے سر پھوڑ رہی ہوں اس شخص کو حالانکہ فرق نہیں پڑنے والا)

اس کی مایوسی دلگیری اور اداس کا کوئی انست نہیں رہا تھا۔ ذہن مکمل طور پر ماؤف تھا۔ دوسری جانب عبدالعلی تھا۔ عجیب سے اضطراب الجھن اور جھنجھلاہٹ کا شکار...... جتنا غصہ تھا اس پر وہ تو اتار لیا تھا مگر اب سکون بھی نہیں تھا۔

وہ پتا نہیں عجلت پسند تھا یا وہ واقعی اتنی غلط تھی۔ حالانکہ عبدالغنی نے اسے سمجھایا بھی تھا۔

''بیٹے تحمل کو اپنے مزاج کا حصہ بناؤ ورنہ یاد رکھو...... جو جلد بازی کرے گا وہ ضرور پھسلے گا۔'' یہ نصیحت انہوں نے اس وقت کی تھی اس نے جب قدر کی اس حرکت پہ اسے برہم ہوتے پایا تھا یہ تو معمول کی بات تھی۔

قدر کا انداز اس کا طریقہ ہی یہی تھا۔ پھر بھی پتا نہیں اس پہ اتنا غصہ کیوں آ گیا تھا۔ کل اسد (اسامہ کا چھوٹا بیٹا) ان کے گھر آیا تھا۔ عبدالعلی اسے لاریب کے پاس ہال کمرے میں ہی لے آیا۔ اس کے گمان تک بھی یہ بات نہیں تھی۔ قدر وہیں ہوگی۔ ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول...... بال کھلے ہوئے دوپٹہ حسب معمول ندارد...... عبدالعلی نے اندر ناگواری دباتے ہوئے کھنکار کر گویا اسے الرٹ کرنا چاہتا تھا مگر وہ پوری طرح ٹی وی کی سمت متوجہ تھی۔ عبدالعلی کے جز بز ہونے کی ایک وجہ اسد کا لاریب سے گفتگو کے دوران دلچسپی سے یک ٹک قدر کو دیکھنا چاہا۔ اور اس کی نظریں بہر حال ایک مرد کی ہی نظر ہی تھیں۔ عبدالعلی کو اسد پہ جو غصہ آیا سو آیا۔ قدر پہ اسے شدید طیش آ رہا تھا ایک غیر مرد کمرے میں آ چکا تھا۔ اسے مجال ہے کوئی فرق پڑا ہو۔ ایک لڑکی کو یہ لاتعلقی بے نیازی اور ماحول وخود سے یہ بے پرواہی سوٹ نہیں کرتی تھی۔

''قدر......! اٹھیں آپ چائے بنا کر لائیں۔'' عبدالعلی کے ضبط کا پیمانہ چھلکا تو اس بہانے اسے وہاں سے ٹرخانے پہ تل گیا۔ وہ بھی کسی ڈھیٹ مٹی سے بنی تھی یا پھر واقعی اس حد تک محو تھی ٹی وی میں کہ اثر نہیں کیا۔

''میں کب سے چائے بنانے لگی۔ مجھے تو ڈھنگ سے آتی بھی نہیں۔ اتباع یا چھوٹی ممانی جان کو کہیں۔''

ریموٹ سے ٹی وی کی آواز بڑھاتے ہوئے اس نے جتنی سادگی و معصومیت سے کہا تھا وہ ہرگز ہرگز بھی عبدالعلی کو اتنی سادہ لگی تھی نہ معصوم اور عبدالعلی اس پر لعنت بھیج کر خود وہاں سے چلا گیا تھا۔ مگر یہ خفگی اسد کے جانے کے بعد لاریب کے

سامنے پوری طرح کھل گئی تھی۔
''اسے فی الفور اس کے گھر بھیجیں اماں! میں نے بتا دیا ہے ورنہ کسی دن جو اس کی حرکتیں ہیں ضائع ہو جائے گی میرے ہاتھوں سے۔''
اور لاریب اس کے طیش کے سامنے گھبرانے بوکھلانے لگی تھیں مگر اس کے باوجود سرزنش ضروری سمجھی۔
''عبدالعلی بیٹے اتنا غصہ......''
''آپ کو بھی یہی ایک ملی تھی میرا نصیب پھوڑنے کے لیے۔ انداز ملاحظہ کرتی ہیں آپ اس کے......''
وہ دکھ اور صدمے کے ساتھ ساتھ غیض و غضب سے بھی شل ہوا جاتا تھا۔
''عبدالعلی چپ ہو جائیں، آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔ لاریب نے زور سے جھڑکا تو تو جواباً وہ سرخ آنکھوں کو جھکا کر گہرے گہرے سانس بھرنے لگا تھا۔
''ابھی بچی ہے وہ۔ وقت کے ساتھ عقل آجائے گی۔ ڈنڈا کبھی کسی کو نہیں سدھارتا۔ پیار سے ڈیل کرنا پڑتا ہے۔''
''یہ خوب کہی کہ آپ نے کہ بچی ہے ابھی...... اتباع اور امن سے کوئی سالوں کے حساب سے تو چھوٹی نہیں وہ...... ہے وہ ان جیسی......؟''
عبدالعلی سخت برافروختہ تھا۔ لاریب ایک لمحے کو لاجواب ہوئیں۔
''بیٹے ہر کسی کا مزاج الگ ہوتا ہے۔''
انہوں نے عاجزی سے سمجھانا چاہا۔
''آپ کے سامنے کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں اسے کہ مجھے اس کا مردوں سے فری ہونا پسند نہیں۔ عبداللہ ہے تو اس سے ہر قسم کا ہنسی مذاق چل رہا ہے۔ عبدالاحد کے ساتھ کل کرکٹ کھیل رہی تھی۔ پورے گھر میں اچھلتی پھرتی رہتی ہے۔ آپ بتائیں کیا کیا برداشت کروں اور کس حد تک......؟''
''آپ نے اُسے سمجھایا ہوتا......'' لاریب نے بات کاٹی تو عبدالعلی اس قدر رشا کی نظر آنے لگا اور جیسے اس نتیجے پہ پہنچا کہ یہ بحث لا حاصل ہے۔ جب ہی ہونٹ بھینچے وہاں سے چلا جانا چاہتا تھا کہ لاریب نے بے اختیار محبت سے اس کا بازو پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا۔ کچھ دیر اُسے محبت سے دیکھتی رہیں پھر نرمی سے مسکرادیں۔
''زیادہ عرصہ نہیں بیتا مجھے تو لگتا ہی نہیں ہے کل کی بات ہو جیسے...... گول مٹول پیارا سا بچہ اپنے ذہانت سے بھرپور سوالوں سے اپنی ماں کی ذہنی صلاحیتیں پرکھتا رہتا تھا۔ میں تو شاید ہی اُسے مطمئن کر پاتی۔ ہاں البتہ اس کے ذہن وفطین بابا جان ضرور چٹکیوں میں مسئلہ حل کر دیا کرتے تھے۔
وہ ان جیسا ہی بننا چاہتا تھا۔ ویسا نا بھی ہے ماشاء اللہ! وہی قد قامت وہی خوبروئی و وجاہت مگر بیٹے تمہارے بابا جان کی سب سے بڑی خوبی جو اللہ نے انہیں وافر مقدار میں عطا فرمائی ہے پتا ہے کیا ہے......؟ ان کا تحمل، ان کی بردباری اور ہر قسم کے حالات میں کیا گیا ضبط...... جو ہر کسی کو ان کا گرویدہ بنا جاتا ہے۔ میں چاہتی ہوں میرا بیٹا بھی ویسا بنے۔ آمین یہاں بس ایک بات کہوں گی۔ چاہتی ہوں تم اسے ساتھ رکھو عمر بھر اور وہ یہ ہے کہ...... رویے دائمی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں، رویہ ایسا رکھو کہ لوگ اچھے لفظوں میں یاد رکھیں۔ برے میں نہیں۔''
انہوں نے اس کا کاندھا تھپکا تھا۔ وہ محض ان کی تسلی کی خاطر مسکرایا مگر دل اس وقت ہی ٹھنڈا

ہوا تھا جب سارا قہر قدر پر اتار دیا مگر اب اس کی کیفیت اور رنج کی شدت کا احساس مضطرب بھی کر رہا تھا۔ اس پہ غصہ یا خفگی ایک الگ بات تھی۔ مگر اپنی زیادتی کا خیال ہی بے چینی کی اصل وجہ تھی۔ وہ ناشتے کے لیے بھی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہ لاشعوری طور پہ منتظر بھی رہا۔ کسی سے پوچھنے میں انا آڑے آئی تھی۔ خود سے اس کے کمرے میں جانا آکورڈ لگتا تھا۔ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا گھر سے چلا گیا اپنے کام میں مگن ہوکر یہ اہم بات فراموش ہوتے کیا دیر لگتی تھی۔

واپسی اس کی شام کو ہو سکی تھی۔ وہ اپنے دھیان میں کچن کے سامنے سے گزرتا ٹھٹک گیا۔ قدر ہی تھی وہ...... بے خیال سی چولہے کے آگے کھڑی عبدالعلی کی توجہ اس کے دوپٹے کے پلو کو نگلتے آگ کے شعلوں نے حاصل کی تھی۔ وہ لپک کر اندر آیا تھا اور اگلے لمحے اس کا دوپٹہ تیزی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے دور پھینک دیا۔ قدر بھی جیسے اس وقت حواسوں میں لوٹی تھی پہلے نگاہ اس پہ پھر جلتے ہوئے دوپٹے پہ گئی تو خوف سے اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔ وہ کتنی حیران بھی تھی۔ متوحش بھی۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا......؟ یعنی حواسوں میں تو ہو تم......؟'' وہ اتنا بھڑکا تھا کہ سرخ آنکھوں میں قہر بھرے اسے گھورنے لگا۔ قدر جو اس صورتحال کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ البتہ اس کے رویے سے ضرور پہلے سے ٹوٹا ہوا دل مزید چکنا چور ہو گیا۔

''آپ نے کیوں زحمت کی......؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا......؟ جل جاتی...... مر جاتی تو آپ کی جان ہی چھوٹتی۔'' وہ جس کیفیت کے زیر اثر تھی ایسی ہی بات کہہ سکتی تھی عبدالعلی کو خیال کرنا چاہیے تھا مگر وہ تو اس سے کہیں زیادہ غصے میں تھا۔ جذبات میں بھڑک رہا تھا جب ہی معاملہ بجائے سنبھلنے کے بگاڑ کی طرف جانے لگا۔

''مرنے کا اتنا شوق ہے تو کوئی اور طریقہ تلاش کرو جس سے فوری نتیجہ ظاہر ہو یہ اتنا بیدف بہر حال نہیں ہے۔''

وہ بھی جواباً لحاظ کیے بغیر چیخا تھا۔ قدر ایسے تھرا کر سکتے میں آ گئی تھی گویا اس کی بات کا یقین نہ آ رہا ہو۔ اس کی سحر انگیز آنکھیں جن کا منوں سر چڑھ کر بولنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس وقت طغیانی کی زد میں آئے سمندر کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ وہ اس سناٹے کی زد سے باہر آئی۔ اور پھر بپھری ہوئی موج کی طرح اسے سامنے سے دھکیل کر جس طرح دروازے سے نکلی تھی۔

اس کا یہ انداز عبدالعلی کو چونکانے کا باعث بنا تھا۔ مگر جب تک وہ صورتحال سمجھ کر اس کے پیچھے لپکا وہ اسی ہیجانی کیفیت میں مبتلا اوپری منزل کا زینہ طے کر کے چھت پر پہنچ چکی تھی جو اس کا ارادہ تھا۔ وہ صاف ظاہر تھا۔ اس لیے عبدالعلی کے حواس اس وقت ضرورت سے زیادہ الرٹ ہوئے تھے۔ اس نے اگر بر وقت قدر کو پیچھے سے دبوچ نہ لیا ہوتا تو اب تک وہ کئی فٹ نیچے کود چکی ہوتی۔ ہڈی پسلیاں برابر ہونے میں ذرا دیر نہ لگتی۔

''چھوڑو...... چھوڑو مجھے...... چھوڑ دو۔'' اس کی گرفت میں مچلتی روتی تڑپتی وہ لڑکی اس وقت واقعی قابل رحم تھی یا عبدالعلی کو لگی وہ اسے یونہی گھسیٹتا ہوا چھت کے ہی کونے میں بنے کمرے میں لے آیا جو اسٹور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور کاٹھ کباڑ سے بھرا رہتا تھا۔

(لفظ لفظ مہکتے اس خوبصورت ناول کی اگلی قسط ماہ نومبر میں ملاحظہ فرمائیے)

ناولٹ

فوزیہ احسان رانا

لمحوں نے خطا کی تھی

فاخرہ پہلے دن امن کو خود کالج چھوڑ کر آئی تھی پھر فاخرہ کو لگا کہ امن کا ہر وقت لبنیٰ کے سامنے رہنا لبنیٰ کے لیے ٹھیک نہیں ہے اسی لیے فاخرہ نے فرقان سے اجازت لے لی تھی۔ امن کو اپنے گھر لے کر جانے کی۔ کیسے فرقان کو مطمئن کیا وہ کیسے راضی ہوا یہ ایک الگ کہانی ہے کیونکہ......

قسط 7

اُس دوشیزہ کی کتھا، جس کی ایک لمحے کی خطا نے اُس کی ساری زندگی کو مجسم خطا بنا ڈالا تھا

''اُجالا آج سولہ سال کی ہوگئی ہے، اُجالا آؤ کیک کاٹو بیٹا۔'' سعد کا بازو اُجالا کے گرد حصار کی مانند تھا۔ سعد اُسے ساتھ لیے ٹیبل کے پاس آیا۔ اُجالا نے چھری کیک پر رکھی، سعد کا ہاتھ اُجالا کے ہاتھ پر تھا۔

ہیپی برتھ ڈے کی صدا تالیوں کی آواز، اُجالا مسرور تھی وہ اتنی دلربا اتنی ماورا لگ رہی تھی کہ رحمان کی نظریں بار بار اُس کے دل آویز چہرے پر بھٹک رہی تھیں اور دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

سعد اُجالا کو کیک کھلا رہا تھا اور اُجالا سعد کے منہ میں کیک کا ٹکڑا ڈال رہی تھی وہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے میں مگن تھے۔ جیسے وہاں باقی لوگ تو موجود ہی نہ ہوں۔ یہ رحمان کو لگا تھا ایسا تھا نہیں، وہ دکھاوا نہیں کرتے تھے حقیقتاً ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ مگر نجانے کیوں رحمان کے دل میں حسد پیدا ہو رہا تھا اُس کے اندر گھٹن سی ہو رہی تھی۔ رحمان فطرتاً کینہ پرور انسان تھا۔ اُس کی محرومیاں بچپن سے اُس کے ساتھ پروان چڑھی تھیں وہ اندر ہی اندر سعد مرتضیٰ کی شان وشوکت اُس کے رکھ رکھاؤ اُس کے معیار زندگی اُس کے اعلیٰ عہدے ومرتبے کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں جلتا تھا اور اندر ہی اندر پیچ وتاب کھاتا رہتا تھا مگر جلنے کڑھنے کے سوا وہ کیا کرسکتا تھا۔

سب اُجالا کو مبارکباد دے رہے تھے وہ سب کو کیک پیش کررہی تھی رحمان نے سر جھٹکا جیسے سب خیالات کو درہم برہم کر کے اپنے اوپر خوش اخلاقی کا لبادہ اوڑھا۔

''بہت بہت مبارک ہو اجالا۔'' رحمان نے سعد کے انداز میں ہی اجالا کا سر اپنے ساتھ لگایا وہ بھی تو بھائی تھا اجالا تھینکس کہہ کر رحمان کے لیے پلیٹ میں کیک نکالنے لگی۔

کھانا ہوٹل سے منگوایا گیا کھانے کے بعد چائے کا دور چلا گپ شپ چلتی رہی رحمان کی بے

باک نگاہیں بار بار اجالا کے نوخیز سراپے میں اُلجھ رہی تھیں۔ اجالا اپنی ہی دھن میں بول رہی تھی ہنس رہی تھی۔ یہ تقریب رات گئے تک جاری رہی تھی سب لوگ بہت تعریفیں کررہے تھے خوش لوٹے تھے مگر ایک شخص بہت ناخوش گھر واپس آ گیا تھا۔ رحمان احمد۔

☆......☆......☆

نیہات ضمیر کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا وہ کافی بہتر تھا اور گھر پر آرام کر رہا تھا۔ فاخرہ نے اُسے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ بس کچھ ہفتے آرام کرے زندگی کے کام چلتے رہتے ہیں۔ کبھی رکتے نہیں ہیں اور جو اُس کی اسٹڈی کا حرج ہوا ہو گا وہ فاخرہ جانتی تھی کہ نیہات کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

فاخرہ پہلے دن امن کو خود کالج چھوڑ کر آئی تھی پھر فاخرہ کو لگا کہ امن کا ہر وقت لبنیٰ کے سامنے رہنا لبنیٰ کے لیے ٹھیک نہیں ہے اسی لیے فاخرہ نے فرقان سے اجازت لے لی تھی۔ امن کو اپنے گھر لے کر جانے کی۔ کیسے فرقان کو مطمئن کیا وہ کیسے راضی ہوا یہ ایک الگ کہانی ہے کیونکہ فرقان چاہتا تھا کہ امن گھر میں رہے تاکہ وہ لبنیٰ کا خیال رکھ سکے اور فاخرہ کتنی مجبور تھی کہ وہ اُسے بتا نہیں سکتی تھی کہ امن سے لبنیٰ کو کتنا بڑا صدمہ ملا ہے اور امن کا ہر وقت لبنیٰ کے سامنے رہنا اُسے کیسے دوہری اذیت میں مبتلا رکھتا ہے۔ زخم تازہ ہو اور اُسے ہر وقت چھیڑا جائے تو زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا، تازہ رہتا ہے۔ فاخرہ ہر راز کی امین تھی وہ امن کا راز فرقان کو نہیں بتا سکتی تھی وہ ایک بیٹی کو باپ کی نظروں سے نہیں گرا سکتی تھی اس لیے۔ اسی لیے فاخرہ نے نجانے کیا کہہ کر فرقان کو سمجھایا کہ وہ مان گیا۔ فاخرہ نے لبنیٰ سے بھی پوچھا تھا وہ کچھ نہیں بولی بس سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

فاخرہ امن کو اپنے گھر لے آئی تھی اور بشیراں کو اُس نے لبنیٰ کے گھر بھیج دیا تھا۔ امن چند دنوں میں ہی فاخرہ کے بچوں سے اٹیچ ہو گئی تھی۔ اس میں صبا فضا کا کمال تھا اسوہ اور اسد بھی امن کی بہت عزت و محبت کرتے تھے فاخرہ تو تھی ہی سراپا محبت۔

امن صبا کے ساتھ سوئی ہوئی تھی۔ صبا نجانے کب اُٹھ گئی تھی۔ امن نے کروٹ بدلی تو دیکھا صبا نہیں تھی۔ امن کچھ دیر غائب دماغی سے لیٹی رہی پھر اُسے دھیان آیا وہ اپنے نہیں فاخرہ آنٹی کے گھر میں ہے۔

امن بھی اٹھی وضو کیا اور صحن میں نکل آئی ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور صحن میں ایک چٹائی پر فاخرہ، صبا، فضا اور اسوہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ امن بھی اُن کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

فاخرہ کچن میں چلی گئی صبا اُٹھ کر اپنی اور بہن بھائی کے یونیفارم استری کرنے لگی جب تک امن اُٹھ کر اندر گئی فضا سب کے جوتے پالش کر چکی تھی اور صبا کپڑے۔

''امن آپی آپ تیار ہو جاؤ کالج کے لیے، اور فضا تم اسد کو جگاؤ میں بابا کو ایک کپ چائے بنا دوں۔'' صبا مصروف سے انداز میں کہہ کر چلی گئی اور امن نے دیکھا فضا کی ہلکی سی ایک آواز پر اسد اُٹھ بیٹھا کوئی شور شرابا نہیں کوئی بدتمیزی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فاخرہ کے بچوں کو ہدایت بخش رکھی تھی اور جسے اللہ ہدایت دے دیتا ہے پھر اُسے دنیا کی کوئی طاقت گمراہ نہیں کر سکتی۔

سب تیار ہوئے ناشتا کیا امن کو ایک بار پھر حیران ہونا پڑا صبا اور فضا بہت محبت سے زمان کو اُس کے کمرے سے لے کر آئی تھیں دونوں بیٹیوں

نے اپنے نابینا باپ کو تھاما ہوا تھا۔ صبا نے خود زمان کو ناشتا کروایا چائے بھی دوبارہ تازہ بنا دی پھر امن نے دیکھا کہ صبا نے ٹی وی لگا کر بیڈ کے اوپر ریموٹ رکھا پھر زمان کو اُس کے کمرے میں چھوڑا۔ باری باری سارے بچے زمان سے ملے اور کیسے محبت سے گلے لگے۔ جیسے وہ اسکول نہیں کہیں لمبے سفر پر جا رہے ہوں امن کے لیے حیرت کا دن تھا۔

اور فاخرہ نے بھی زمان کو خدا حافظ کہا تو چارو ناچار امن کو بھی زمان تایا سے ملنا پڑا مگر وہ باوجود کوشش کے بھی صبا اور قضا کے انداز میں نہیں مل سکی۔

بچے رکشے میں چلے گئے فاخرہ اور امن پیدل چل رہی تھیں۔ فاخرہ نے امن کو کالج چھوڑا اور خود اسکول چلی گئی۔

☆......☆......☆

اریز کو گئے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ فروا مسلسل اُس کے ساتھ رابطہ کر رہی تھی مگر اُس کا نمبر آن ہوتا تو تب ہی رابطہ ممکن تھا۔ گھر والوں سے اُس کی کم کم ہی بات ہوتی تھی۔ عائشہ اُسے بار ہا کہہ چکی تھی کہ گھر کا چکر لگا آؤ مگر وہ ٹال مٹول سے کام لے رہی تھی۔ مصروفیت کا بہانہ بنا کر کال کاٹ دیتی۔ رحمان تو ویسے بھی فروہ سے دل سے ناراض تھا۔ شاید وہ خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ فروہ اُسے منائے گی شاید فروہ کو احساس ہو جائے کہ اُس کا فیصلہ کتنا غلط تھا۔ مگر یہ رحمان کی خام خیالی تھی فروہ کے ہاں دور دور تک ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

فروہ فیروزی ٹراؤزر پر ریڈ لونگ شرٹ پہنے اپنے پارلر میں ایک کسٹمر لڑکی کا فیشل کر رہی تھی۔ فروہ کا چہرہ میک اپ کرنے کے باوجود بجھا بجھا سا تھا۔ اُس کا ذہن مسلسل اریز کی طرف ہی لگا ہوا تھا۔ وہ اپنی تمام تر توجہ اپنے کام پر مرتکز رکھنا چاہ رہی تھی۔ مگر سوچیں تھیں کہ آوارہ بگولوں کی طرح اُسے اڑائے پھر رہی تھیں۔ اُس کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ تبھی فروہ کے سیل فون پر بیل ہوئی فروہ تڑپ کر لپکی شاید اریز ہو جلدی سے ہاتھ دھو کر سیل فون اٹھایا مگر مس کال دیکھ کر اُس کا چہرہ اُتر گیا۔

عائشہ کی کال تھی فروہ سیل فون ہاتھ میں پکڑے تاسف سے اپنے ہونٹ کچلنے لگی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں اُس کے اندر جیسے کوئی ماتم کرنے لگا آوازوں کا ہجوم جمع ہو کر اُس کے تن بدن میں شور بپا کرنے لگا وہ تذبذب کی حالت میں تھی کہ بیک کال کرے یا نہیں۔ وہ یونہی غائب دماغی کی کیفیت میں باہر نکل آئی باہر موسم بدل رہا تھا۔ سرسراتی ہوا کا شور، ہوا اپنے ساتھ نمی سمیٹ کر لا رہی تھی۔ بارش کے آثار تھے۔ سرما کی سرد ہوا شور مچاتی پھر رہی تھی دور افق پر مغرب کی طرف آسمان کالی گھٹاؤں سے چھپتا جا رہا تھا اور درختوں کی شاخیں اپنا سر پٹخ کر خود کو زخمی کر رہی تھیں۔

فروہ نے کوثر کو چائے کے لیے کہا اور وہ خود وہیں بالکونی میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اُس کے سامنے بھاپ اڑاتی چائے کا مگ کوثر کب رکھ گئی تھی فروہ کو چنداں خبر نہیں ہوئی وہ اپنے دھیان میں تھی ہی کہاں۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی۔ عجیب عجیب سوچیں اُس کے من میں پنپ رہی تھیں اور فروہ کے جسم و جان کی بے قراری بڑھا رہی تھیں۔ بارش کے قطرے اُس کے اوپر گرے وہ چونکی سلگتی سوچیں بھلا اِن چند قطروں سے کیسے ٹھنڈی ہو سکتی تھیں۔

بارش کی بوندیں اُس کے اعصاب کو جلانے لگی۔ تپش سے جسم انگارے کی مانند دہکنے لگا اُس

کی آنکھوں کے گوشے آنسوؤں سے نم ہونے لگے بارش تیز ہوگئی درختوں کی شاخیں چیخنے لگیں اس سمے فروہ کو اپنا وجود بھی اُن شاخوں سے مشابہ ہی لگ رہا تھا۔ اس نے عجلت میں اریز کا نمبر ملایا ایک بار دو بار پھر بار بار مگر نمبر آن ہوتا تب ہی بات بنتی نا۔

اُسے بارش بہت اٹریکٹ کرتی تھی برستی بارش اپنے اندر ایک الگ ہی حسن رکھتی ہے مگر آج فروہ کے اندر وہی بارش آگ لگا رہی تھی۔ دور کہیں کسی درخت سے کوئی ڈال کوئی ٹہنی ٹوٹ کر زمین بوس ہوئی تھی۔ شاخ ٹوٹ جائے تو سوکھ کر زمین کا ایندھن بن جاتی ہے۔ فروہ کے نیم والبوں سے بے ساختہ کراہ نکلی بارش کی ٹپ ٹپ مگر اندر گہری خاموشی سناٹا اور اندھیرا تھا وہ تنہائی کا زہر قطرہ قطرہ اپنے اندر انڈیل رہی تھی۔ اُس نے محبت میں کیا کچھ کھویا تھا یا وہ آنے والے دنوں میں کیا کچھ کھونے والی تھی۔

وقت اپنے اوپر سے پرتیں سفاکی اور بے رحمی سے اُتارتا جا رہا تھا اور وہ بے خبر تھی۔ وہ تو فکر مند تھی اریز کے لیے اُس کا نمبر آف کیوں ہے وہ ٹھیک ہو، اسی غم میں وہ ہلکان تھی۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی فروہ کا یقین ایک لمحے کے لیے بھی متزلزل نہیں ہوا تھا۔ وہ تو گمان کے آخری سرے پر بھی جا کر یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ اریز جان بوجھ کر اُسے چھوڑ گیا ہے اُسے دھوکا دے گیا ہے اریز ایک سراب تھا ایک فریب تھا۔ جو خوشنما عکس بن کر فروہ کی آنکھ میں اُترا تھا۔

وہ کہاں ایسی بات سوچ سکتی تھی کبھی بھی نہیں اریز تو فروہ کے لیے دیوتا تھا اُس کے دل کی زمین پر اگنے والا پہلا احساس، محبت کا سنہرا روپہلا روپ۔

فروہ نے ٹوٹ کر محبت کی اتنی کہ باقی سب پس منظر میں چلا گیا صرف اریز ہی اریز۔ اُس کی محبت جنون خیز بھی اور جنون تباہیاں لاتا ہے۔

''میں انتظار کروں گی اریز، چاہے وہ انتظار صدیوں پر ہی محیط کیوں نہ ہو، میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے میں وفا نہیں چھوڑوں گی اریز میرے اریز میں محبت کو زندہ رکھوں گی چاہے میں خود مر ہی کیوں نہ جاؤں۔'' فروہ نے گہرے گہرے سانس لے کر اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور اپنی آنکھیں موند لیں چپکے سے دو آنسو آنکھوں میں انگڑائی لے کر بولے۔

''اے نادان لڑکی جیسے برستی ہوئی موسلا دھار بارش اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتی ہے اسی طرح لڑکیوں کے من مانی کے لیے اٹھائے ہوئے قدم بھی پیچھے کچھ باقی نہیں چھوڑتے، صرف آہیں، آنسو، پچھتاوے اور بدنامیاں رہ جاتی ہیں۔ محبت ہوک بھرتی بس آہیں رہ جاتی ہے کون ہے اتنا اعلیٰ ظرف جو لڑکیوں کے بدن پر لگے داغ دھبے دھوتا پھرے، مرد کو تو معطر معطر سی پاکیزہ ان چھوئی کلی جیسی نازک مہین لڑکی پسند ہوتی ہے جس کے من ہی نہیں تن بھی اُجلا ہو اپنے ہاتھوں میلا کر کے لڑکی کو بے یارو مددگار چھوڑ کر خود نیا نویلا صاف ستھرا پاکباز، معاشرے کا معزز فرد بن جاتا ہے۔''

☆......☆......☆

امن اور ضویا لائبریری میں بیٹھ کر نوٹس بنا رہی تھیں وقت تیزی سے گزر گیا انہیں احساس تک نہیں ہوا مگر جب امن نے گھڑی پر نظر ڈالی تو اُس کے چودہ طبق روشن ہوگئے ڈھائی بج رہے تھے اس وقت تو وہ گھر بھی پہنچ جاتی تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ اتنا وقت ہوگیا۔ آنٹی بھی نہیں آئیں۔'' امن نے جلدی جلدی سارے کاغذات

فائل میں لگائے اور کتابیں سنبھالتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''امن ہم نے تمہیں بہت مس کیا بلیومی۔'' ضویا نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''میں نے بھی۔'' عروہ نے بھی اُن کے برابر چلتے ہوئے کہا۔ تبھی امن نے دیکھا فاخرہ گیٹ کے پاس کھڑی ہے امن اُن دونوں کو ہاتھ ہلاتی تیز قدموں سے فاخرہ کی طرف بڑھ گئی وہ دونوں تب تک امن کو جاتا دیکھتی رہیں جب تک کہ وہ فاخرہ کے ساتھ جاتے ہوئے نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔

''کمال ہے لبنیٰ چاچی بیمار ہیں اور بجائے امن اپنے گھر میں رہ کر اپنی مما کی تیمارداری کرنے کے، اُن کے ہاں رہنے کے لیے چلی گئی۔ عروہ یوں صدمے اور تاسف میں گھر کر کہہ رہی تھی۔ جیسے وہ خود بہت احساس بھرا دل رکھنے والی سعادت مند بیٹی ہو۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے لبنیٰ آنٹی نے خود ہی بھیجا ہوگا۔'' ضویا نے امن کا دفاع کیا۔

''وہ بیمار ہیں، امن کو خیال ہونا چاہیے تھا۔''

''چھوڑو یار اُن کا ذاتی معاملہ ہے، تمہارا فون۔'' ضویا نے بیگ کے اندر تڑپتے سیل فون کی طرف اشارہ کیا عروہ نے اپنے بے بی ٹوائز دل کی شیپ والے بیگ کی اوپری زپ کھول کر فون نکالا۔

''ہیلو......''

''جی، جی میں عروہ رحمان، آپ کون؟'' عروہ نے پوچھا ضویا نے اچنبھے سے عروہ کو دیکھا۔

''کون تھا......؟''

''پتا نہیں کوئی لڑکا تھا کہہ رہا تھا کہ آپ عروہ رحمان ہیں۔''

''تمہیں کیسے جانتا ہے وہ، جبکہ تم اُسے جانتی ہی نہیں ہو۔''

''پتا نہیں کون تھا، مگر جو کوئی بھی تھا بہت خوبصورت آواز کا مالک تھا۔''

''اتنی جلدی تمہیں اندازہ ہوگیا کیا......'' ضویا نے اُسے گھورا۔

''ہاں نا بہت مسحور کن آواز تھی لب ولہجہ بھی متاثر کن تھا۔''

'عروہ انسان بنو......'' ضویا نے اپنی فائل زور سے اُس کے سر پر ماری دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں ضویا کی پیشانی پر غصے بھری شکنیں تھیں مگر مصنوعی غصے والی۔

''چلیں ضویا......'' تبھی نیہات کہیں سے آن نکلا۔

''او کے عروہ۔'' ضویا نے عروہ کو پیچھے چھوڑ دیا عروہ آج کل رحمان کے ساتھ کالج آتی جاتی تھی۔

☆......☆......☆

صبا اور فضا اپنے سامنے اخبار پھیلائے بیٹھی تھیں صبا اخبار پڑھ کر زمان کو سنا رہی تھی اور فضا زمان کے پیروں کے ناخن کاٹ رہی تھی وہ ہر جمعے والے دن اپنے بابا کے ہاتھوں پیروں کے ناخن کاٹا کرتی تھی۔

رات کا وقت تھا اسوہ اور اسد بھی زمان کے ساتھ چپک کر لیٹے ہوئے تھے کھانا تیار تھا فاخرہ نے آج بھنڈی گوشت بنایا تھا اور یہ زمان کی پسندیدہ ڈش تھی۔

''بس کرو بیٹا کوئی بھی خبر ڈھنگ کی نہیں ہے، اُلٹا ٹینشن ہوتی ہے۔'' زمان نے صبا سے کہا تو صبا نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور زمان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اپنے اسکول کی باتیں بتانے لگ گئی

فضا نے کٹے ہوئے ناخن اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی تا کہ وہ ناخن ڈسٹ بن میں پھینک سکے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا سارے بچے زمان کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ لاڈ کر رہے تھے۔ زمان مسکراتے ہوئے اپنے بچوں میں مگن تھا۔ بچوں کے پاس ہزار قصے تھے وہ سب باری باری سنا رہے تھے اور زمان اپنی اولاد میں بیٹھے خود کو بہت معتبر محسوس کر رہے تھے۔ اپنا پن، محبت، اتفاق کیا کچھ نہیں تھا اس گھر میں۔

''چھوٹوں کے لہجوں میں بڑوں کے لیے ادب تھا اہمیت تھی نرمی تھی مٹھاس تھی سب ایثار کرتے تھے کیونکہ انہیں ایثار کرنا سکھایا گیا تھا محبت صلہ رحمی کا دوسرا نام ہے۔ محبت ایثار ہے قربانی ہے صبر ہے۔

امن چھوٹے چھوٹے لقمے لیتی سب دیکھ رہی تھی اُس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا تھا۔ آنکھیں تھیں کہ چھلکنے کو بے تاب ہو رہی تھیں امن نے نظر بچا کر اپنے آنسو صاف کیے مگر اُس سے کھانا کھایا نہیں جا رہا تھا کاٹ دینے والی سوچیں اُسے مضطرب کر رہی تھیں۔ اُسے اپنے بابا یاد آ رہے تھے اور مما تو بہت شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ آنسو بہت تیزی سے آنکھوں کی سطح پر پھیلے اور سامنے کا منظر دھندلا گئے امن کا خود پر ضبط ختم ہونے لگا اور پھر وہ بے اختیار رو دی۔

''کیا ہوا بیٹا، طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' فاخرہ اپنی جگہ سے اٹھی اور امن کے پاس آ کر اُس کے آنسو صاف کر کے امن کو گلے لگا لیا امن بلک بلک کر رو دی۔ فاخرہ تو اُس کی درد آشنا تھی۔ جانتی تھی کہ امن کس کرب سے گزر رہی ہے صبا اور فضا بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر امن کے پاس آ گئی تھیں۔

''امن آپی آپ ٹھیک ہیں نا، یہ لیں پانی پی لیں۔'' فضا بھاگ کر پانی لے آئی امن اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی سب اُسے چپ کروا رہے تھے خیال رکھ رہے تھے اور اُسے انتہا کی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اُسے کوئی بہانہ نہیں سوجھ رہا تھا۔

''مجھے مما یاد آ رہی ہیں۔'' بے چارگی امن کے لفظوں سے چھلک رہی تھی۔

''میں صبح تمہیں لے چلوں گی بیٹا یوں رو رو کر خود کو ہلکان مت کرو۔'' فاخرہ نے اُس کی پشت سہلائی۔

''آنٹی میرے سر میں درد ہے۔''

''آؤ بیٹا تم دوسرے کمرے میں آرام کر لو، میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں اور صبا تم لوگ یہیں رہو ٹی وی لگا لو اپنے بابا سے گپ شپ لگاؤ۔'' فاخرہ نے یہ بات خاص طور پر کہی تھی کہ مبادا وہ بھی امن کے پاس آ جائیں اور امن کن کیفیات سے گزر رہی تھی صبا اور فضا نہیں جانتی تھیں۔

فاخرہ نے چائے کے ساتھ امن کو پینا ڈول دی تھی اور خود امن کے پاس بیٹھ گئی۔

''آنٹی میں کتنی بری بیٹی ہوں نا۔'' امن سسکی۔

''نہیں بیٹے، ایسے نہیں کہتے۔'' فاخرہ نے امن کے گالوں پر پھسلتے آنسو صاف کیے۔

''آنٹی میں جب جب آپ کی بیٹیوں کو زمان تایا کی خدمت و محبت کرتے دیکھتی ہوں تو میرا دل احساس ندامت میں ڈوب جاتا ہے۔''

''کسی بھی غلطی کے بعد اُس کا احساس دل میں جاگ جانا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ خدا انسان کو ہدایت دینا چاہتا ہے ایسے لوگ برے لوگ نہیں ہوتے تم بھی لمحاتی کیفیت کے زیر اثر گمراہ ہوئی ضرور مگر وہ لمحوں کی بات تھی تم بہت

اچھی ہو تم غافل نہیں ہو، تمہیں واپس اپنے اصل میں پلٹنا ہے بیٹا، خود کو سنبھالو، اللہ کو تمہاری بے گناہی کا علم ہے اللہ دلوں کے حال جانتا ہے اللہ سے رو رو کر اُس کا قرب مانگا کرو ایمان کی مضبوطی مانگا کرو ماں باپ کے لیے دعا کیا کرو اپنے حوصلے کو مت ہارو اللہ سے لو لگا لو اپنے رب سے سکون کی عافیت کی دعا مانگنا سیکھو اپنے رب سے اپنے لیے استقامت کی دعا مانگا کرو۔ امیدوں کے چراغوں کو جلائے رکھو رب کا کرم ہو جائے گا۔ سکون مل جائے گا۔'' فاخرہ کے لہجے میں جذب تھا۔

''آنٹی زمان تایا نے کبھی اپنے بچوں کو کما کر نہیں کھلایا ایک باپ ہونے کے ناطے کبھی اُن کی تمام ذمہ داریاں پوری نہیں کیں رحمان تایا ہمیشہ زمان تایا کو فالتو اور ناکارہ پرزہ کہتے تھے مگر آنٹی دیکھیں اُن کی اولاد کیسی تابع فرماں اور ایک میں ہوں سیاہ بخت جس کے باپ نے ہر خواہش پوری کی اور میں نے کیا کیا؟'' امن کرہانے لگی اب فاخرہ کیا کہتی۔

''چلو بیٹا آرام کرو، رونا نہیں ہے۔'' فاخرہ کا دل درد کی اتھاہ میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اُجالا اور لبنیٰ نے اکٹھے ہی میٹرک کا امتحان دیا تھا اور اجالا نے بورڈ میں پہلی پوزیشن لی تھی سعد نے خوشیاں منانے کی انتہا کر دی تھی پورے محلے پورے خاندان میں مٹھائی بانٹی گئی تھی۔ سعد کے انداز میں احساسِ تفاخر تھا شکر گزاری کے ساتھ عاجزی و انکساری تھی۔

لبنیٰ پی ٹی سی کرنے لگی تو اجالا نے بھی اُس کے ساتھ داخلہ لے لیا۔ سعد راضی نہیں تھا مگر وہ اجالا کی کوئی بات ٹالتا نہیں تھا اس لیے وہ مان گیا رحمان اندر ہی اندر سعد اور اجالا سے خار کھاتا تھا۔

مگر بظاہر وہ سعد پر اپنا اعتماد دن بدن بڑھاتا جا رہا تھا۔

ایاز خالو ان دنوں شدید علیل تھے۔ اُن کے پیٹ میں شدید درد اٹھتا تھا جان لیوا ناقابلِ برداشت درد، اور بخار نے تو جیسے جان ہی پکڑ رکھی تھی۔

رحمان اور فرقان تھوڑا بہت پڑھے لکھے تھے کوئی ڈھنگ کی ڈگری اُن کے پاس نہیں تھی کہ اُن کو کوئی نوکری مل سکتی۔ سعد ایاز خالو کی عیادت کے لیے اُن کے گھر گیا تھا۔ خالا کا بس نہیں چلتا رہا تھا کہ سعد کو کہاں بٹھائے کیا کر ڈالے۔ پھر رحمان اور خالا نے وہ تنگ دستی کے رونے رونے شروع کر دیے علاج معالجے کے لیے اُن کے پاس پیسے نہیں تھے اور وہ لوگ بہت پریشان تھے سعد نے اُن کو بیس ہزار روپے دیے تو خالا اور رحمان خالو کو لے کر لاہور چلے گئے تاکہ اُن کا باقاعدہ علاج کروایا جا سکے۔

اُن کے جانے کے تیسرے دن ہی رحمان نے سعد کو فون کر کے بتایا کہ پیسے ختم ہو گئے ہیں سعد نے بیس ہزار اور بھیج دیے اور پھر تو یہ مانگنے اور دینے کا سلسلہ ہی چل نکلا۔

رحمان اپنے ابو کے ساتھ بائیس دن لاہور میں رہا اور اُس دوران سعد نے دو تین لاکھ کے قریب رقم رحمان کو خالو کے علاج کے لیے بھیجی۔

ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اُن کو کینسر ہے اور وہ بھی آخری اسٹیج پر، اُن کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی پھر بھی سعد نے رحمان کو مایوس نہیں ہونے دیا تھا مگر ہوتا تو وہی ہے جو کاتب تقدیر نے لکھ دیا ہوتا ہے رحمان ستائیسویں دن خالو کی ڈیڈ باڈی لے کر گھر واپس آ گیا تھا۔

اب بھی اُن کا مسئلہ پیسہ تھا مگر یہاں بھی سعد

نے تدفین سے لے کر چہلم تک سب اخراجات کا بوجھ اٹھایا تھا رحمان بہت ممنون تھا اور خالا تو سعد پر نثار ہی ہوتی جارہی تھی۔ سعد اُن دونوں ماں بیٹے کی چاپلوسی وخوشامد کو محبت سمجھ رہا تھا وہ اتنی محبت پر پھولے نہیں سماتا تھا اُس کی اپنی ماں تو تھی نہیں، خالا کو ہی اپنی ماں سمجھتا تھا اور رحمان لوگوں کو اپنے بھائی۔

سعد کا تعلق خوشحال خاندان سے تھا روپیہ پیسہ کبھی اُس کا مسئلہ نہیں رہا تھا اور ویسے بھی وہ نیک فطرت، خدا ترس نوجوان ہونے کی بناء پر مستحق لوگوں کی مالی امداد کرتا اور یہ لوگ تو اُس کے اپنے تھے خون کے رشتے تھے۔

☆......☆......☆

عروہ کارپٹ پر ٹانگیں پسارے بیٹھی تھی ٹی وی پر سرفنگ کا سلسلہ چل رہا تھا اُسے کوئی بھی چیز پسند نہیں آرہی تھی اُس کے پاس مونگ پھلیوں کے چھلکوں کا ڈھیر جمع ہوتا جارہا تھا وہ ٹی وی کے ساتھ کافی دیر سے سر کھپا رہی تھی ساتھ مونگ پھلیاں کھانے کا شغل بھی جاری تھا۔

اُس نے ٹی وی بند کرکے، ہینڈ فری کانوں میں گھسالی اب وہ آئی فون پر اپنی پسند کا گانا سن رہی تھی۔ جب اُس کے اطراف میں ہر طرف چھلکے ہی چھلکے ہوگئے تو وہ آرام سے اُٹھی اور جا کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ عروہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی وہ اپنی ٹانگوں کو اوپر اٹھائے مسلسل جھلا رہی تھی اُس کے دونوں پیر ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے عروہ نے کہنیوں پر بوجھ ڈال کر اپنا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام رکھا تھا۔

تبھی اُس کے سیل پر کوئی کال آنے لگی عروہ نے جلدی سے ہینڈ فری کھینچی اور فون کان سے لگا کر ہیلو کہا اُدھر سے پھر پوچھا گیا کہ ''آپ عروہ رحمان ہو۔''

''جی بالکل میں عروہ رحمان ہوں مگر آپ کون ہیں اتنے دن ہوگئے مس کالز کرتے آپ کو۔''

''عروہ میں کالز ہی کرتا ہوں مس کالز نہیں۔''

اُس نے عروہ کا نام انتہائی محبت سے لیا تھا۔

''جی، کس لیے کرتے ہیں کال، اور مجھے کیسے جانتے ہیں۔'' آپ جناب کرکے بات کرنا عروہ کی عادت نہیں تھی مگر وہ اب مارے باندھے تکلفات نبھا رہی تھی۔

''عروہ میں تو نجانے کب سے تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لیے کشٹ کاٹ رہا ہوں تمہاری گلی کے کتنے سالوں سے چکر لگا رہا ہوں تمہیں دیکھتا ہوں تو اپنے آپ میں نہیں رہتا دیوانگی اور بڑھ جاتی ہے مگر میں کتنا بدقسمت ہوں کہ محبت کی راہ کا تنہا مسافر ہوں تم میرے ساتھ نہیں ہو میں بہت پریشان ہوں۔''

''میں تو آپ کو جانتی بھی نہیں۔'' عروہ سٹپٹائی۔

''اچھا ٹھہرو میں تمہیں اپنی تصویریں بھیجتا ہوں شاید تمہیں کچھ یاد آجائے۔'' اُس نے فون بند کردیا۔ عروہ ساکت وصامت سی اٹھ بیٹھی ٹھیک تین منٹ بعد میسج آیا تھا عروہ نے اوپن کیا۔

سیدھی کھڑی ناک کے نیچے بھرے بھرے سے خوبصورت لب...... روشن آنکھیں، لمبی گھنیری پلکیں، پیشانی پر بکھرے گھنے سیاہ بال، وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔

''اُف اتنا شاندار بھرپور مرد، میرے خوابوں کے شہزادے جیسا، اُس کی آنکھیں کتنی بولتی ہوئی سی ہیں۔''

عروہ اُسے یک ٹک دیکھے جارہی تھی اور اُس کے لبوں کی گویائی اُس مرد کی آنکھوں میں کہیں

کھو کر رہ گئی تھی۔ وہ ذہن پر زور دے رہی تھی کہ اُسے کہاں دیکھا ہے پھر کچھ کلک ہوا اور اُسے یاد آ گیا عروہ نے اُسے حاجی صاحب کے گھر کے سامنے کھڑا دیکھا تھا اور چند ایک بار کالج میں بھی دیکھا تھا۔

''تو کیا وہ میرے لیے آتا تھا۔'' عروہ کا دل خوش گواریت کے احساس سے دھڑکا۔ تبھی اُس کا فون پھر آنے لگا۔

''ہیلو عروہ، کیسا لگا تمہیں سجاد بلوچ۔'' وہ کچھ نہیں بولی۔

''میں کب سے تمہارے پیچھے خوار ہو رہا ہوں عروہ اور تم نے ایک نظر مجھ پر ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا، مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ ایک نگاہ صرف ایک نگاہ مجھ پر اچٹتی سی، سرسری سی ہی سہی، کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں عروہ بتاؤ۔'' سجاد کی آواز میں ایک محسوس کی جانے والی تڑپ تھی عروہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''نہیں ایسا تو نہیں، آپ تو بہت گڈ لکنگ ہیں۔'' یہ پہلی غلطی تھی جو عروہ نے کی تھی ثابت ہو گیا کہ رحمان کی بیٹیاں بہت ہلکی نکلی تھیں آسان ٹارگٹ کوئی بھی وجیہہ نوجوان اُن کو پٹانے میں کامیاب ہو سکتا تھا اتنی بودی اور عام سی لڑکیاں چند رومانوی جملوں کی مار۔

''عروہ مجھ سے دوستی کرو گی، دیکھو انکار مت کرنا ورنہ......'' سجاد کا لہجہ رونے والا ہو رہا تھا۔

''او کے......''

''رئیلی عروہ، فرینڈز۔'' اب خوشی سجاد کی آواز سے چھلکنے لگی تھی۔

''جی بالکل۔'' عروہ ہولے سے بولی۔

''اوہ مائی گاڈ عروہ، تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی سے ہمکنار کیا ہے، مالا مال کر ڈالا ہے مجھے، میں بہت خوش ہوں خود کو ہواؤں میں اُڑتا محسوس کر رہا ہوں۔''

''عروہ تم میری ہو نا جان، ایک بار کہہ دو تم میری ہو، میرے بے قرار دل کو قرار آ جائے گا۔''

''جی......'' عروہ جھینپی ہوئی سی بوکھلا کر رہ گئی تھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''بہت شکریہ عروہ، تم نے مجھے نہال کر دیا۔ آئی لو یو جان لو یو سو مچ۔''

''عروہ اب ہمیشہ میری ہی رہنا کبھی مجھے دھوکا مت دینا وفا نبھانا دغا بازی مت کرنا ورنہ تمہارا سجاد مر جائے گا۔''

سجاد رو دیا اُس کی گھٹی گھٹی سسکیاں عروہ کی سماعتوں نے وصول کیں تو بے اختیار اُس کے لبوں سے لفظ نکلے اُن لفظوں میں بے ساختگی ہی نہیں تڑپ بھی تھی۔

''خدا نہ کرے سجاد، تمہیں میری زندگی بھی لگ جائے۔'' آپ سے تم تک آ گئی تھی کہانی۔

''او کے عروہ اب مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔'' یکا یک سجاد کی آواز میں آزردگی گھل گئی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں۔''

''پھر بتاؤں گا او کے اپنا بہت خیال رکھنا عروہ۔''

''جی تم بھی۔'' سجاد نے کال کاٹی تو عروہ ایک بار پھر سجاد کی تصویریں نکال کر دیکھنے لگی۔ سیل فون کی اسکرین پر عروہ کی انگلی تیزی سے تصویریں سیو کرتی جا رہی تھی۔

''حیرت ہے مجھ میں ایسا کیا ہے جس پر سجاد مر مٹا نہ لب کٹاؤ دار...... نہ گلاب کی پنکھڑی سے۔ پھر وہ مجھ پر فریفتہ کیسے ہو گیا میرے لیے وہ میری گلی میں آتا رہا۔ کمال ہے نہ آنکھیں شربتی نہ جھیل جیسی، ایسا کیا ہے مجھ میں، جو سجاد کو بھا گیا نہ

رخساروں میں دلکشی بڑھاتے گہرے بھنور نہ گدگدانے دل لبھانے والی مسکان، اور وہ خود بالکل ویسا۔ میرے خوابوں جیسا، وہی ناک نقشہ ویسی ہی آنکھیں چوڑے چکلے شانے، وجاہت، مردانگی کیا کچھ نہیں تھا اُس میں، میں نے خوابوں میں ایسا ہی بت تو تراشا تھا بہت محبت سے، اب وہ سراپا وجود جیتا جاگتا سانس لیتا باتیں کرتا سامنے تھا سجاد کی دلکش آواز نے کیسے مجھے اسیر کرلیا۔''

عروہ کا دل درد سے آشنا ہو رہا تھا اُس کی سانسوں سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

''سجاد بلوچ۔'' عروہ کے لبوں نے ہولے سے اُس کا نام چھوا عروہ کے دل میں مٹھاس سی بھرتی چلی گئی۔

''کتنا ڈیشنگ ہے نا۔'' اُس نے دل سے اعتراف کیا۔

''اور میرے لیے دیوانہ ہے۔'' عروہ کے اندر باہر سرشاری ناچنے لگی۔

''مگر وہ ڈاکٹر کے پاس کیوں گیا ہے۔'' اس سوال کا جواب اس کے پاس نہ تھا مگر کچھ دیر قبل ہونے والی بات چیت سوکر اُس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆......☆......☆

اجالا نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا اور لبنیٰ کو جاب مل گئی فرقان نے اِدھر اُدھر سے کچھ پیسے اُدھار پکڑ کر چھوٹی سی کریانے کی دکان بنالی۔ رحمان کو ہر وقت پیسوں کی ضرورت رہتی تھی سعد نے اُسے ایک جیولر کے ساتھ بٹھادیا کہ کچھ ماہ کام کی بنیادی تکنیکس سمجھ جائے پھر اُسے وہ سونے کی دکان بنادے گا۔

رحمان کا آنا جان سعد کے گھر بڑھ گیا رحمان سلگتی ہوس بھری نظروں سے اجالا کو تاڑتا رہتا مگر وہ اُس کے ساتھ بدتمیزی اور دست درازی کر کے معاملا بگاڑنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ سعد اُس پر اندھا اعتماد کرتا تھا وہ دونوں بہن بھائی ریاکاری و مکاری سے نابلد انسان تھے۔ اُن کا ظاہر بھی اور باطن بھی صاف شفاف تھا اور جن کا اپنا من اُجلا ہوتا ہے وہ اتنی شفاف آنکھیں رکھتے ہیں کہ دوسروں کی آنکھوں میں پڑی لالچ و طمع، حرص و ہوس کو پہچان ہی نہیں پاتے۔ اور جب دل اور آنکھیں پہچان کے مرحلے طے کرتے ہیں تب تک وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

اجالا کتابوں کے مطالعے میں گم رہتی کالج کی مصروفیات کے بعد اُس کی پسندیدہ جگہ اُن کا گارڈن تھا وہ سعد کی لاڈلی بہن تھی سعد اُسے ہر وہ کتاب لاکر دیتا تھا جو وہ مانگتی تھی اور پھر اجالا کو خود بھی پتا نہیں چلا کہ وہ کب شعر کہنے لگی بڑی سے بڑی بات کو منفرد اور اچھوتے انداز میں دو لائنوں میں بیان کر دینا اجالا کو بہت اچھا چارمنگ لگنے لگا۔ سعد نے اجالا کے شوق کو دیکھتے ہوئے گھر کی بالائی منزل پر ایک لائبریری بنادی تھی۔ اجالا اترائی پھر رہی تھی۔

سعد اجالا کو اپنے ساتھ لاہور لے کر گیا بہت ساری کتابیں اُردو بازار سے خریدیں پھر تو سعد نے اسے اپنا ایک فرض ہی سمجھ لیا جہاں بھی جاتا اجالا کے لیے ڈھیروں شاپنگ کے ساتھ کتابیں لینا بھی ضروری خیال کرتا۔ وہ بہت باذوق تھی یہ انہی کتابوں کے مطالعے کا اعجاز تھا کہ اجالا اردو ادب میں ماسٹر کا ارادہ رکھتی تھی جبکہ سعد اُسے ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا مگر وہ اُسے ٹوکتا نہیں تھا وہ اپنی مرضی اُس پر ٹھونسنا نہیں چاہتا تھا سعد اجالا کی خوشی کو ترجیح دیتا تھا۔

اجالا نے اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے

انٹرمیڈیٹ میں آرٹس گروپ کا انتخاب کیا۔ وہ نرم خو تھی اپنے اساتذہ کی ہردلعزیز طالبات میں شمار ہونے لگی۔ اُس کی ذہانت وخوبصورتی ہر کسی کو اپنا گرویدہ کرلیتی تھی وہ کالج میں ہر نصابی وغیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اس وقت بھی وہ اپنی لائبریری میں کسی کتاب کے پڑھنے میں مشغول تھی۔ کاسنی پلین کاٹن کا سوٹ زیب تن کیسے وہ لاپروائی سے پیر موڑے بیٹھی تھی اُس کے نوخیز چہرے پر حسین مسکان تھی۔ انداز بے فکری و لاپروائی کا مظہر تھا وہ کتاب سے نظریں ہٹا کر اپنی تخیلاتی جہان کی سیر میں محو ہوگئی۔ دوپٹے سے بے نیاز وہ اپنی ہی چھوٹی سی معصوم دنیا میں کھوئی ہوئی تھی تبھی اُسے سیڑھیوں پر قدموں چاپ سنائی دی تھی اجالا چونکی چاپ بالکل قریب آرہی تھی۔

''ہیلو کیسی ہو۔'' تبھی لبنٰی کا چہرہ سامنے آگیا ہنستا مسکراتا، اجالا اٹھ کر اُس کے گلے لگ گئی دونوں کی نہ ختم ہونے والی باتیں شروع ہوگئیں۔ اکٹھے کھانا کھایا گیا ہنسی مذاق ہلا گلا ہوتا رہا، اجالا اُسے اپنے اشعار سناتی رہی لبنٰی واہ واہ کرکے داد دیتی رہی۔

''اجالا ذرا میرے ساتھ چلو مجھے دولان کے سوٹ لینے ہیں اور امی کی دوائی بھی لینی ہے اُن کی کھانسی ہے کہ رُکنے کا نام نہیں لے رہی۔'' لبنٰی نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔

''اچھا میں چلتی ہوں، دراصل کالج میں سیکنڈ ایئر کی طالبات کا طالبات مشاعرہ سیشن کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے میرے کالج والے میری تخلیقی صلاحیتوں کے دل سے معترف اور قدر دان ہیں تم لوگ تو مارے باندھے ہی میری شاعری سنتے ہو، چلو چلتے ہیں دراصل مجھے تیاری کرنی تھی کل کے پروگرام کی۔''

''اچھا آکر کرلینا۔'' لبنٰی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

''اچھا بابا اچھا۔'' اجالا پاؤں میں چپلیں اُڑس کر اُس کے ساتھ ہولی۔

☆......☆......☆

رحمان کو بھی سعد نے چھوٹی سی جیولر شاپ بنادی تو خالا کے دل میں رحمان کی شادی کا ارمان جاگ اُٹھا لڑکی ڈھونڈی گئی اور جہاں خالا اور رحمان نے یہ طریقہ اپنایا کہ جب شاپنگ کرنے جاتے تب سعد کو وہ دونوں ساتھ لے کر جاتے بظاہر یوں لگتا جیسے وہ اُسے عزت دے رہے ہوں یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ ایسے شو کرتے جیسے وہ سعد کے مشورے کے بغیر ایک قدم بھی اٹھانا پسند نہیں کرتے سعد اُن کو اپنی گاڑی میں لے کر جاتا وہ جی بھر کر من پسند شاپنگ کرکے نکل پڑتے اور پے منٹ سعد کرتا پھر وہ گھر لوٹ آتے۔

لبنٰی اور اجالا بھی شادی کی تیاریوں میں گم تھیں اجالا اور لبنٰی نے ایک جیسے سوٹ بنوائے تھے۔ مہندی بارات اور ولیمے کے لیے، اجالا نے لبنٰی کو بھی شاپنگ اپنے پیسوں سے کروائی تھی وہ روز شام میں بازار کو نکل جاتی تھیں میچنگ جوتے، میچنگ پرس، جیولری، بہت کچھ لینا تھا اُن کو۔

رحمان کا گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے مہندی کے فنکشن کا انتظام سعد کے گھر میں کیا گیا تھا لبنٰی اور اجالا مونگیا رنگ کے سوٹوں پر پیلے چیری کے دوپٹے اوڑھے تتلیوں کی مانند اڑتی پھر رہی تھیں۔ دونوں نے ہی آج میک اپ کیا ہوا تھا بالوں کی چٹیا بنا کر نیچے سے کچھ بال آزاد چھوڑ کر سوٹ کے ہم رنگ کچر لگائے تھے۔ بالوں میں بیلے کی کلیاں پرور کھی تھیں اُن کی سج دھج ہی نرالی تھی۔

لبنٰی نے اجالا کے دونوں ہاتھوں پر مہندی

لگادی تھی۔ اجالا پنکھے کے نیچے اپنے ہاتھ پھیلائے گیلی مہندی سکھا رہی تھی گنگناتے ہوئے وہ اپنے آپ میں ہی کھوئی ہوئی تھی لبنیٰ کچن میں چائے بنانے چلی گئی تھی۔ تبھی ایک دم پورا گھر اندھیرے میں ڈوب گیا اجالا ورطہ حیرت میں تھی کہ یہ کیا ہوا اوپر سے یہ احساس اُسے سہما گیا کہ وہ کمرے میں اس وقت اکیلی ہے۔

''دلبنی کہاں ہوتم......'' اُس نے پکارا اُس کی ہتھیلیاں سامنے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں ورنہ اپنے کپڑوں کو مہندی کے نقش ونگار سے بچارہی تھی تبھی دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا اور کسی نے اجالا کو آکر پیچھے سے اپنے حصار میں جکڑ لیا اجالا پہلے ہی سہمی ہوئی تھی اس حصار میں کسمساتے ہوئے بلند آواز میں لبنیٰ کو آوازیں دینے لگی اُس کا نازک سا وجود مضبوط مردانہ شکنجے میں تھا۔ اجالا کا سانس مارے خوف کے رُکنے لگا مردانہ گرفت میں جارحیت تھی جبر تھا۔

''کک...... کون......؟'' اُس کے خشک حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نما آواز برآمد ہوئی۔ یہ لمحوں کی بات تھی وہ اُسے چھوڑ کر چلا گیا شاید اس کے لیے باہر بھاگتے قدموں کی آواز آئی تھی گھر روشنی میں نہا گیا اجالا یدھم سانسوں فق چہرے کے ساتھ روئے جارہی تھی۔

''کیا ہوا......'' لبنیٰ نے اُس کی بکھری حالت دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔

''کوئی تھا......'' اجالا نے لمبے لمبے سانس لیے اس کے ہونٹ سکڑ گئے تھے۔

''کیا کہہ رہی ہو، کون تھا کیا ہوا ہے......'' اور اجالا روتے ہوئے اٹک اٹک کر اُسے بتانے لگی لبنیٰ نے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا وہ حقیقتاً تھرا کر رہ گئی تھی۔

''رحمان بھائی کو میں نے لابی میں جاتے دیکھا شاید جنریٹر آن کرنے آئے تھے کہیں وہ تو......'' لبنیٰ نے نچلے ہونٹ کا کونا دانتوں تلے دبا کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''پتا نہیں کون تھا...... میرے ہی گھر میں...... میرے ہی کمرے میں۔'' وہ روئے جارہی تھی وہ سکتے کی کیفیت میں تھی ساری صورت حال غیر متوقع تھی وہ اُڑی اُڑی رنگت کے ساتھ بدحواس سی تاسف سے سرنفی میں ہلاتے ہوئے مسلسل اشک بہارہی تھی۔

''اچھا ریلیکس ہوجاؤ، دیکھتے ہیں کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔''

''اٹھو اپنی حالت ٹھیک کرو۔''

''نہیں مجھے نہیں جانا۔'' وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔

''اجالا یہاں کیوں آگئی ہو باہر آؤ بیٹا۔'' سعد کی آواز پر اجالا نے جلدی سے خود کو سنبھالا تھا۔

''آپ جائیں ہم آتے ہیں، وہ بس اجالا مہندی خشک کررہی تھی۔'' لبنیٰ نے فوراً بات بنائی۔

''اوکے آجاؤ باہر۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا شکر ہوا اُس نے اجالا کا رنجیدہ روپ اور بھیگی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں ورنہ وہ سو سو سال کرتا پریشان ہوتا۔ لبنیٰ اسے منت وسماجت سے باہر لے آئی تھی مگر اجالا محفل میں شریک ہوتے ہوئے بھی جیسے ذہنی طور پر غائب تھی۔

سب خواتین وحضرات رحمان کو مہندی لگا رہے تھے میوزک کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی تبھی اجالا کی نظر رحمان کے سفید کاٹن کی قمیض کے دامن پر پڑی اور پھر کچھ لمحے وہ ساکت سی کھڑی کسی گہری سوچ میں گم ہوگئی۔

رحمان کی قمیض پر مہندی اس طرح لگی ہوئی تھی جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں میں مہندی پکڑ کر قمیض پر مسلی ہو۔

گتھی سلجھ چکی تھی پہلے اُسے شک تھا اب جیسے شک یقین کا ہاتھ پکڑنے لگا وہ اکثر رحمان کی ٹٹولتی نظروں سے گھبرا جاتی تھی مگر وہ اُسے اتنی گندی نظروں سے دیکھتا تھا یہ اب اجالا کو احساس ہوا تھا اور اتنے مذموم ارادے کہ اجالا کی روح تک لرز کر رہ گئی۔ وہ جتنی بھی معصوم سہی، تھی تو ایک عورت نا، جو اپنے اوپر پڑنے والی ہر نظر کا مفہوم جان جاتی تھی رحمان کی میلی حرص زدہ نظریں ابھی بھی اجالا کے سراپے میں اُلجھی اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ اجالا غصے سے تنتناتی ہوئی وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں جا گھسی۔

لبنیٰ نے اُسے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ بھی اُس کے پیچھے ہی آ گئی تھی اُس نے دیکھا اجالا بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی رو رہی تھی۔

''کیا ہوا ایسے سب چھوڑ کر کیوں آ گئی۔'' لبنیٰ نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے پیار سے کندھا چھوا۔

''وہ کون تھا مجھے پتا چل گیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔

''کون......؟''

''رحمان...... بھیا......'' اُسے بھیا کہنے میں بہت دقت ہوئی تھی۔

''مگر تم یہ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو۔''

''جب اُس نے مجھے دبوچا تھا تب بالکل غیر اختیاری طور پر میں نے اپنے دفاع میں اُن کے بازو اپنے ہاتھوں سے ہٹانے چاہے تھے مگر اس کا فولادی دباؤ اتنا تھا کہ میں نے جھنجلا کر اس کی قمیض کا دامن مسل ڈالا کھینچا بھی، اور ابھی ابھی میں نے دیکھا اُس کا دامن داغ دار بھی تھا اور مسلا ہوا شکن آلود بھی۔'' وہ اپنے تئیں کڑی سے کڑی ملا رہی تھی۔

''او ہو یار یہ تمہارا وہم بھی ہوسکتا ہے رحمان بھائی کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو اب وہ اتنے بھی برے نہیں کہ اپنے ہی خاندان کی لڑکیوں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے لگیں اور تم تو اُن کے بارے میں اس قدر نروس ہو رہی ہو کہ کبھی اُن کہہ رہی ہو کبھی اُس۔''

''بس لبنیٰ جب دل میں کسی عزت نہ رہے تو پھر اگلے بندے کو آپ جناب کر کے مخاطب بھی کرنے کو دل نہیں کرتا اور...... اور مجھے تو رحمان سے گھن آ رہی ہے، کراہیت محسوس ہو رہی ہے، میں تو سعد بھائی کی طرح اُسے سمجھتی تھی اور اب...... اب لبنیٰ میں اپنے ہی گھر میں اتنی بے اماں ہوگئی کیا مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا کچھ بھی، میں سعد کو بتاؤں گی۔''

وہ بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑتی جیسے کسی فیصلے پر پہنچی تھی اور بڑی عجلت میں بیڈ سے اتری لبنیٰ سٹپٹا گئی اور اُس کی کلائی پکڑ لی۔

''اجالا پاگل ہوگئی ہو کیا، شادی کا موقع ہے خوامخواہ بدمزگی ہوگی۔''

''ہوتی ہے تو ہوتی رہے، میں سعد بھیا کو ضرور بتاؤں گی۔'' اُس نے اپنی کلائی لبنیٰ کی گرفت سے چھڑانا چاہی۔

''اچھا اچھا ایک منٹ۔'' لبنیٰ نے اجالا کو پکڑ کر دوبارہ بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''اجالا پلیز غصہ تھوک دو، مثال کے طور پر تم سعد بھائی کو کیا بتاؤ گی تمہیں بہت دقت اور خفت کا سامنا کرنا پڑے گا وہ تمہارے بڑے بھائی ہیں تم

مارے شرم کے اپنے محسوسات بتا نہیں سکو گی اور اگر بتا بھی دو تو کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ رحمان بھائی ہی تھے۔'' لبنیٰ کی بات پر اجالا چپ کی چپ رہ گئی اور مارے جھنجلاہٹ کے پھر رونے لگی۔ لبنیٰ نے اُسے رونے دیا اجالا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود کو مار ڈالے یا اُس وحشی کو، جس نے اُسے ڈرا کر رکھ دیا تھا اپنے ہی گھر میں لرزا دیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلا دن بارات کا تھا سعد مرتضیٰ حسب روٹین پُر جوش تھے جبکہ اجالا بجھی بجھی سی تھی تمام رات جاگنے کی وجہ سے سر درد بھی تھا اور بدن بھی جیسے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ برأت کے ساتھ نہیں گئی تھی سعد بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا مگر اجالا نے اُسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ ٹھیک ہے لبنیٰ بھی اجالا کی وجہ سے نہیں گئی تھی۔ سارا دن اجالا کے ساتھ ہی رہی تھی سارا دن اجالا کا رونا وقفے وقفے سے چلتا رہا تھا۔

لبنیٰ اُسے سمجھا سمجھا کر عاجز آ رہی تھی مگر وہ تھی کہ سنبھل ہی نہیں پا رہی تھی۔

ولیمے کی تقریب میں بس خاندان کے لوگ ہی تھے سعد اور لبنیٰ کے بہت محبت بھرے اصرار پر اجالا نے شرکت کی تھی مگر اُس کی چمکتی آنکھوں کی جوت جیسے بجھ کر رہ گئی تھی۔ اُس کے انداز و برخاست میں بھی اکتاہٹ عیاں تھی۔ جوش و خروش مفقود تھے سعد نے یہ تبدیلی شدت سے نوٹ کی تھی لبنیٰ اس کی غم زاد اُس کے ساتھ ساتھ تھی رحمان کی نگاہیں آج صرف عائشہ پر رُکی ہوئی تھیں۔ عائشہ بہت خوبصورت تھی اور آج تو شہر کے سب سے اچھے پارلر سے تیار بھی ہوئی تھی۔

شادی کے ہنگامے سرد پڑ گئے تھے زندگی پھر روٹین پر آ چکی تھی مگر اجالا اُسی کیفیت کے زیر اثر تھی وہ مشاعرے کی ذمہ داری لے چکی تھی اُسے تیاری کرنی تھی بہت سارے دن بے کار کے شادی ہنگامے کی نظر ہو گئے تھے۔ اجالا بہت ساری کتابیں اپنے اطراف میں بکھرائے کاغذ پر کچھ لکھ رہی تھی۔ لکھتی پھر پڑھتی پھر اُس کاغذ کو مٹھی میں دبوچ کر گولا سا بنا کر پھینک دیتی سعد کافی دیر سے اُس کی یہ بے چینی نوٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس چلا آیا۔

''سلام عظیم شاعرہ صاحبہ۔'' اجالا نے نظر اُٹھا کر سعد کو دیکھا پھر اپنے گزشتہ شغل میں لگ گئی۔ سعد گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کیا مسئلہ ہے مجھے نہیں بتاؤ گی۔''

''کچھ بھی نہیں۔'' اجالا نے پہلے سے جھکا سر مزید جھکا لیا۔

''پھر یہ اتنے کاغذوں کی شامت کیوں آئی ہوئی ہے۔'' سعد نے لاڈ سے اُس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اجالا کا چہرہ اوپر اٹھایا اُس کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر آئیں سعد کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

''کیا ہوا بہت دنوں سے چپ چپ ہو، مجھے بتاؤ۔'' سعد پریشان تھا۔

''میں نے سیکنڈ ایئر کی طالبات کے ماہانہ مشاعرہ سیشن کی ذمہ داری لی تھی مگر مجھے لگتا ہے کہ میں کر نہیں پاؤں گی، مجھ سے شاعری کے متعلق کوئی بھی کچھ بھی نہیں لکھا جا رہا ہے۔'' وہ بچوں کی طرح سسکیاں بھرنے لگی۔

''اجالا تمہیں ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے بیٹا مجھے نہیں پتا کہ بات کیا ہے مگر کچھ ایسا ضرور تمہارے دل میں ہے جو تمہیں اندر ہی اندر کاٹ رہا ہے مضطرب و متوحش رکھتا ہے رُلاتا ہے۔''

''نن...... نہیں تو......'' اجالا کی رنگت اُڑ گئی۔

''کچھ تو ہے اجالا، بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے بیٹا۔''

سعد نے اجالا کا موی ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر پوچھا۔
''مجھے ڈر لگتا ہے۔'' اُس کے ضبط کی حدیں یہیں تک تھیں وہ کرب انگیزی سے رو دی۔
''ڈر......'' سعد متحیر رہ گیا۔
''کس بات کا ڈر۔'' سعد نے ایک بار پھر اجالا کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ مگر وہ روئے گئی کچھ نہیں بولی۔ بہت سارے لمحے سوگ بھری خاموشی کی نظر ہوگئے اُس کے رونے میں ایسی اَن دیکھی تڑپ تھی کہ سعد حقیقی معنوں میں ڈپریس ہوگیا۔
''کیا ہوا ہے اجالا پلیز بتاؤ، میرے دل میں بہت سارے وسوسے جگہ بنا رہے ہیں، سب خیریت ہے نا اجالا بتاؤ تم سعد مرتضٰی کا واحد رشتہ ہو میں تمہیں غمگین اور ایسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، بتاؤ مجھے۔'' وہ کچھ نہیں بولی بس سعد کے ساتھ لگ گئی سعد نے اُسے پیچھے کیا اور خفگی بھری نظر اجالا پر ڈالی۔
''امی یاد آرہی ہیں۔'' اُس سے کچھ اور نہ بن پڑا تو یہ کہہ دیا کسی حد تک یہ بات سچ بھی تھی کہ آج کل اُسے امی کے وجود کی کمی بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جو لڑکیاں صرف اپنی ماؤں سے ہی کر سکتی ہیں۔
''یہ کیوں کہا پھر کہ ڈر لگ رہا ہے۔'' سعد مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔
''مجھے بہت ڈراؤنے خواب آتے ہیں اس لیے ڈر لگتا ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔
''تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی پگلی خوابوں سے بھی کوئی ڈرتا ہے۔''
''بھیا آج رات کا کھانا باہر کھائیں۔'' اجالا نے سعد کی پریشانی دیکھ کر گفتگو کا رُخ بالکل ہی دوسری طرف موڑ دیا وہ گلٹی فیل کر رہی تھی کہ اُس نے سعد کو اتنا پریشان کر دیا۔
''اجالا مجھ سے ایک وعدہ کرو تم کبھی نہیں روگی، تمہاری بھیگی پلکیں تمہارے بھائی کی جان نکال لیتی ہیں مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ میں شاید تمہارا اُس طرح سے خیال نہیں رکھ پاتا جیسے مجھے رکھنا چاہیے۔'' سعد مرتضٰی کی اُداسی نے اجالا کو جھنجوڑ دیا۔
''نہیں نہیں بھیا ایسی کوئی بات نہیں پلیز آپ ایسا مت سوچیں۔''
''اچھا مجھے ذرا کام سے جانا ہے رونا نہیں، اپنا خیال رکھنا میں اور میرا بچہ ڈنر باہر کریں گے۔''
سعد نے حسبِ عادت دونوں ہاتھوں میں اجالا کا چہرہ تھام کر اُس کی روشن پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ اور وہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی مگر مطمئن سی ہوگئی۔

☆......☆......☆

رحمان اپنی بیگم کے ساتھ ہر دوسرے دن آن دھمکتا تھا سعد عائشہ بھابی کی خوب آؤ بھگت کرتا اور اجالا بے چاری بولائی بولائی پھرا کرتی عائشہ بھابی کے پاس بیٹھتی تو رحمان کی نظریں گویا اجالا کا ہی طواف کرتی رہتیں بات بھلے وہ جس سے بھی کر رہا ہوتا مگر دیکھتا وہ صرف اجالا کو تھا۔
اجالا اُن لمحوں میں خود کو اتنا بے بس پاتی کہ کوئی حد نہیں رحمان کی اپنے وجود میں گڑی نظریں اُسے وحشت میں مبتلا کر دیتی تھیں مگر نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے میزبانی کے فرائض نبھانے پڑتے۔
اس وقت ماں کی یا بڑی بہن کی کمی اجالا کو بہت زیادہ محسوس ہوتی تھی اِن دنوں وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی یوں لگتا تھا بے سروسامانی کا عالم ہے اور وہ کھلے آسمان تلے بالکل اکیلی کھڑی

ہے، تنہا، اُداس، بے یارومددگار، جیسے کہ اُس کا کوئی پرسان حال نہیں۔

اجالا کی ایسی خزاں آلود ڈری سہمی زندگی میں تبدیلی آئی تھی خوشگوار تبدیلی، رائمہ بھابی اور فاروق ترمذی دو لوگ اُس کی زندگی میں کیا آئے کہ وہ پہلے جیسی اجالا بن گئی۔ ہنستی کھلکھلاتی، زندہ دل، رائمہ بھابی غریب لڑکی تھیں، سعد مرتضیٰ نے سادگی کے ساتھ اُس سے نکاح کرلیا تھا رائمہ بھابی کے آنے سے اجالا کو دوسراہٹ ملتی تو وہ سارے ملال بھول گئی، رائمہ بہت خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اعلیٰ وارفع خیالات رکھتی تھیں بہت جلد وہ دونوں یوں گھل مل گئیں جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتی ہوں سعد بھی بہت خوش تھا رائمہ اُس کی محبت تھی۔

دوسری تبدیلی فاروق تھا۔ ہوا یوں کہ اجالا کو ریڈیو پر کام کرنے کی آفر ہوئی تھی فاروق ترمذی نے اُسے ریڈیو پر پروگرام کرنے کی پیشکش کی تھی وہ بہت خوبصورت دن تھا۔

''ہائے تم اتنی سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی ہو۔'' پنک کلر ویسے بھی اجالا کو بہت سوٹ کرتا تھا۔ اس کا نازک سراپا بالکل گلاب کے پھول کی مانند لگ رہا تھا۔

''تمہیں پتا ہے مہمان خصوصی کون ہیں مشاعرہ سیشن کے۔'' نائلہ نے پوچھا اُس کی کلاس فیلو تھی۔ اور ریڈیو پر کام کرتی تھی۔

''نہیں مجھے کیا پتا۔'' اجالا نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے تب نائلہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے نوٹس بورڈ کے سامنے لے آئی جہاں بڑے بڑے حروف میں 'فاروق ترمذی' لکھا ہوا تھا۔

''رئیلی نائلہ، کیا واقعی یار۔'' خوشی سے اجالا کی آنکھیں جگنوؤں کی مانند چمکنے لگیں۔

''وہ تو میرے موسٹ فیورٹ شاعر ہیں یار، کیا شاعری کرتے ہیں واہ، آج اُن سے ملاقات بھی ہوجائے گی۔'' اجالا بہت خوش تھی اپنی پسندیدہ ہستی سے ملنے کی خوشی اُسے ہواؤں میں اڑائے پھر رہی تھی مگر پھر وہ ایک دم چپ ہوگئی۔

''کیا ہوا۔'' نائلہ نے اُسے ٹھوکا دیا۔

''یار کیا پتا وہ مجھ سے بات کرنا بھی پسند کریں یا نہ کریں۔''

''اجالا تم تو خود شاعرہ ہو اور اتنی سلجھی ہوئی اور خوش اخلاق ہو وہ تو ادبی دنیا کے بندے ہیں یا، تم نے ریڈیو پر کبھی اُن کے شوز سنے ہیں کیا، اُن کے پندرہ شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔'' جو باتیں نائلہ اُسے بتا رہی تھی وہ سب اجالا پہلے سے ہی جانتی تھی۔

فاروق انہی کے شہر کا رہنے والا شاعر تھا اور اجالا بہت شوق سے اُن کی شاعری پڑھتی تھی۔

سخن شعاری مجھیں سخن وری کیا ہے
وگرنہ شعر تو ہر کوئی کہا کرتا ہے

پنک قمیض سفید چوڑی دار پاجامہ، لائٹ پنک اسکارف میں مقید اجالا کا معصوم وسحر طراز چہرہ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، سفید ہاتھ مخروطی انگلیوں کے چمکتے ناخن، وہ حسن کا شاہکار تھی کسی شاعر کی غزل تھی۔ وہ بالکل اُس کے سامنے اسٹیج پر دوزانو ہوکر بیٹھی تھی اس کے سامنے رکھے مکتب پر مائیک اور تازہ گلابوں کا بڑا سا گلدستہ رکھا تھا وہ بھی پھولوں میں خوشبو کی مانند نظر آرہی تھی۔ بہت ساری نگاہوں کا مرکز بنی اجالا مرتضیٰ ذرا بھی نروس نہیں تھی ہولے ہولے خوبصورت لب و لہجے میں لفظوں کے موتی بکھیر رہی تھی اُس کی سریلی آواز کا اُتار چڑھاؤ پُراثر تھا موقع کی مناسبت سے اشعار کا انتخاب اور سخن شعاری کا ایک منفرد انداز اُس کے

اعلیٰ ذوق اور ادبی شناسائی و وابستگی کا پتا دے رہا تھا۔ سب اُسی کی جانب متوجہ تھے وہ خوش تھی مسرور سرشار تھی۔
محفل کے اختتام پر اُجالا آڈیٹوریم سے نکل کر اساتذہ کے لیے مختص کمرے کی سمت جارہی تھی تبھی اُس کی نظر فاروق ترمذی پر پڑی آٹو گراف بک لیے کھڑی لڑکیوں کے درمیان گھرا کھڑا تھا اجالا کی بے اختیار ہنسی نکل گئی اجالا نے اچٹتی سی نظر لڑکیوں پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی چونکہ اسٹیج پر بطور مہمانِ خصوصی وہ سلام دعا کر چکی تھی۔
''سنیے......'' وہ ٹھٹک کر رُکی فاروق کی طرف دیکھا وہ سب کو چھوڑ کر اُس کی سمت بڑھ رہا تھا۔
''جی......'' وہ مودب سی بولی۔ گرے شلوار قمیض پر بلیک کوٹ پہنے وہ اونچا لمبا مرد بلاشبہ مردانہ وجاہت کا حامل تھا۔
''بہت خوب صورت بولتی ہو تم۔'' مسکراتے لب بولتی آنکھیں ایک پل کے لیے وہ نروس ہوگئی۔
''شکریہ۔'' وہ سر جھکا کر بولی لمحوں میں اُس کا ازلی اعتماد عود کر آیا۔
''ہوں۔'' گھنی مونچھوں تلے لب معنی خیزی سے مسکرائے۔
''آپ بہت اچھی شاعری کرتے ہیں۔'' اجالا نے لگے ہاتھوں تعریف کر ڈالی۔
''تسلیمات، بس ہم تو کیکٹس کے پودے کی مانند ہیں سخت جان پودا، ریگستانوں میں اُگنے والا کیکٹس جس کی تلاش پانی ہوتی ہے پیاسا رہ کر کیکٹس کانٹوں سے بھر جاتا ہے بہت پیاس ہے میرے اندر بھی محبت کی اپنائیت کی، محبت کی تلاش پیاس کی صورت اندر باہر چکراتی پھر رہی ہے یہی پیاس یہی جستجو لفظوں کی صورت صفحہ قرطاس پر بکھر جاتی ہے جسے لوگ شاعری کہتے ہیں۔'' اُس کے لہجے میں درد ہلکورے لے رہا تھا اجالا دم سادھے اُس کے لفظوں سے معنی اخذ کر رہی تھی۔
''میرے پاس آپ کی ساری کتابیں ہیں اور میں آپ کے ریڈیو شوز بھی سنتی ہوں۔'' وہ دھیرے سے بولی فاروق ترمذی نے گہری توجہ سے اُسے دیکھا تھا۔
''ویسے مس اجالا ایک بات تو مجھے ماننی پڑے گی۔'' وہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔
''کیا۔''
''بیوٹی ود برین کا ایسا دلکش امتزاج زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔'' وہ شرارت سے ہنسا۔
اجالا نے شرما کر سر جھکا لیا اُس کے عارض تمتمانے لگے ہونٹ تھرتھرانے لگے پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک گئیں۔
مقابل تو بڑے بڑوں کو زیر بار کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور یہاں تو معصوم سی اجالا تھی جملے سے جھانکتی ذرا سی معنویت سے چھوئی موئی کی مانند سمٹ گئی تھی۔
''آپ کو نیا مجموعہ کلام آنے پر مبارک ہو کلام بہت دلفریب ہے۔'' اجالا نے اپنا دامن بچا کر سلیقے سے بات بدل دی فاروق ترمذی نے سر تسلیم خم کر کے ''نوازش'' کہا۔
''آپ سے مل کر بہت اچھا لگا اجالا۔'' وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔
''مجھے بھی آپ سے ملنا اچھا لگا۔''
''اللہ حافظ۔'' وہ اپنا دل سنبھالتی نظریں جھکائے پلٹی۔
''فون ضرور کرنا لازمی۔'' وہ ہاتھ ہلاتے کہہ رہے تھے۔
''آہ...... دل بے خود......'' نئے نویلے

جذبات کی دلفریبی حواسوں پر چھانے لگی تھی۔
یہ اُن دونوں کی ملاقات تھی سحر انگیز شخصیت کا مالک تیس سالہ خوبرو مرد فاروق ترمذی۔

☆......☆......☆

''رانیہ بھابی وہ بہت خوبصورت ہے آپ دیکھتیں تو بس دیکھتی رہ جاتیں۔'' یہ جملہ وہ صبح سے نجانے کتنی بار کہہ چکی تھی رانیہ بس مسکرائے جارہی تھی کیا کہتی۔

''بھابی اُس کی آنکھیں اتنی ساحرانی بولتی ہوئی سی ہیں کہ اُن کی آنکھوں میں دیکھا ہی نہیں جاتا، مگر اُن کو تو جیسے عادت ہے مقابل کی آنکھوں میں جھانکنے کی، بہت امپریسو پرسنالٹی ہے۔'' وہ بے تکان بولے جارہی تھی اس وقت وہ بھابی کے کمبل میں اُن کے ساتھ گھسی ہوئی تھی۔ رانیہ مسلسل مسکرائے جارہی تھی۔

آنے والے کچھ دنوں میں اجالا نے ایک دن جھجکتے ہوئے فاروق کوفون کیا تھا وہ بہت خوش ہوا اُس کی بے پایاں خوشی اُس کے لفظوں سے جھلک رہی تھی پھر تو یہ سلسلہ ہی چل نکلا اُن کی ابھی تک دوبارہ باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

انہی دنوں سعد کا بیٹا ہوا تھا گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اجالا ننھا سا گڈا پاکر بہت خوش تھی۔ سارادن اُسی کے ساتھ لگی رہتی اُس کے ہاتھ ایک اور مصروفیت آ گئی تھی۔

وہ اپنے بھائی بھابی اور اب اپنے بھتیجے میں کھوکر سب بھول گئی تھی رحمان کی بھی بیٹی سال بھر کی ہوگئی تھی اجالا سیکنڈ ایئر کے امتحانات سے فری ہوکر گھر میں رزلٹ کا انتظار کررہی تھی۔

زندگی سبک ندی کی طرح رواں تھی انہی دنوں لبنیٰ اور فرقان کی شادی ہوگئی۔ فاروق ترمذی سے اچانک اُس کا رابطہ ٹوٹ گیا ابھی تو دل نے دھڑکنا سیکھا تھا ابھی تو وہ تازہ تازہ محبت گزیدہ ہوئی تھی کہ یہ جدائی درمیان میں کہاں سے آ گئی۔

اُس کا رزلٹ آ گیا تو اجالا نے تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن لے لیا اُس کا اور فاروق کا صرف فون پر ہی رابطہ تھا اور تو وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں رہتا ہے کس فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔

اجالا جب بھی کالج جاتی اپنی گاڑی روک روک کر اجنبی چہروں میں اُس آشنا کا چہرہ کھوجتی جو اُسے بتائے بنا نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ کالج میں وہ چلتے چلتے رُک جاتی اُسے گمان گزرتا جیسے فاروق نے اُسے صدا دی ہے وہ اُس کی تلاش میں سرگرداں اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی۔ بالآخر ایک دن وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر ریڈیو اسٹیشن چلی گئی وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اجالا کو اپنی بے اختیاری پر جی بھر کر تاؤ آیا بھلا ایسی بے خودی بھی کیا۔ مگر وہ چاہ کر بھی خود کو سنبھال نہیں پارہی تھی۔

ایسے ہی بے کیف سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن کوریئر سروس کے ذریعے خوبصورت سرخ گلابوں کا تازہ بکے اُسے ملا وہ حیران تھی کہ اُسے کسی نے پھول بھجوائے ہیں اُس نے بکے کے ساتھ آئے پیکٹ کو کھولا وائٹ اور بے بی پنک کلر کا کارڈ تھا جس پر مس یو کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ ابھی وہ اسی حیرت میں تھی کہ اُن کے گھر کا فون بجنے لگا وہ بھاگ کر گئی اور جلدی سے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو اجالا۔'' دوسری جانب فاروق تھا۔

''جی......آپ کیسے ہیں کہاں ہیں؟'' وہ اپنی رو میں اپنی تمام بے چینیاں بتاتی چلی گئی رو رو کر اُس نے اپنی ساری دلی کیفیات بیان کر ڈالیں اُسے ذرا بھی احساس نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے جب احساس ہوا تب دانتوں تلے زبان داب لی مگر اب کیا فائدہ لفظ تو کمان سے نکلے تیر کی مانند

فاروق کے دل تک پہنچ چکے تھے۔

''اجالا کیا میں اتنا بخت آور ہوسکتا ہوں کہ تمہارے جیسی لڑکی مجھے چاہے جس کا دل سچے موتیوں جیسا ہے، جس کی من موہنی سی صورت ہے جو ہر فن میں طاق ہے۔''

''جی......'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی پہلے ہی وہ اپنی بے تابی ظاہر کرنے پر شرمندہ تھی۔

''سچ تو یہ ہے اجالا کہ میں پہلی ہی ملاقات میں دل ہار بیٹھا تھا مگر کہنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں تمہیں برا نہ لگ جائے۔'' وہ ہولے سے بولا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے۔''

''پہلے یہ بتاؤ پھول اور کارڈ پسند آئے۔''

''وہ آپ نے بھیجے ہیں۔''

''جی میں نے بھیجے ہیں۔'' فاروق کا لہجہ مٹھاس سموئے ہوئے تھا۔

''اجالا میں نے ماس کمیونیکشن امریکہ سے کیا تھا پھر میں نے مائنر مضمون میں براڈ کاسٹنگ لیا اور آج کل میں شکاگو میں ہوں ایک براڈ کاسٹنگ اسکول سے ایک سال کا ڈپلومہ کرنے آ گیا تھا۔ یہ ڈپلومہ میرے بہت کام آئے گا میں پاکستان میں آکر ریڈیو اسٹار براڈ کاسٹنگ اسکول کھولنا چاہتا ہوں جہاں میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کو ٹریننگ دوں گا تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کا کھل کر مظاہرہ کرسکیں۔'' فاروق بول رہا تھا اور اجالا توجہ سے سن رہی تھی۔

بتا کر تو جانا چاہیے تھا نا۔ ایسے اچانک ہی چلے گئے۔'' اجالا کے لبوں پر شکوہ نہ چاہتے ہوئے بھی آ گیا۔

''بس جلدی میں انفارم نہیں کرسکا، اب رابطے میں رہوں گا اور جلد واپس آؤں گا۔''

''جی۔''

''تم سناؤ تمہاری شاعری کیسی جا رہی ہے۔''

''آج کل میری شاعری میں اُداس کا رنگ رچ بس گیا ہے اُداسی بس اداسی۔''

''میں بھی تمہارے فراق میں آہیں بھرا رہتا ہوں مگر کیا کروں۔''

''جلدی سے آ جائیں نا۔'' اُس کی آواز میں محسوس کی جانے والی بے چارگی وافسردگی تھی۔

''میں جلد آؤں گا وعدہ کرو گی ایک۔'' نجانے وہ اُسے کون سے پیمان میں باندھنے لگا تھا۔

''جی کہیے۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''جب میں آؤں تو سب سے پہلے تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''جی ضرور، کیوں نہیں۔''

''ڈیلی بات کرتے رہیں گے اب، اُداس مت ہونا۔''

''جی......'' اجالا دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالتی ہلکان ہو رہی تھی۔

''او کے میری جان اپنا بہت خیال رکھنا، پتا ہے تم نے اپنا کیوں خیال رکھنا ہے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم میری ہو۔'' فاروق نے گنگنا کر کہا تھا۔

''جی......'' اجالا کو تو یوں لگا جیسے دو جہان کی خوشیاں مل گئی ہوں۔

اجالا کو کائنات کی ہر چیز میں سکون، خوبصورتی نظر آ رہی تھی دراصل وہ خود خوش تھی تو اُسے ہر منظر، مسکراتا گنگناتا دکھائی دے رہا تھا وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

اجالا اور رائمہ سعد کے ساتھ جا رہی تھیں۔ سعد کے کسی کولیگ کی شادی تھی وہ وقت پر ہی پہنچ

گئے تھے ہوٹل میں بکھری جگمگاتی، چمکدار اور روشنیوں کے عکس میں اِدھراُدھر اڑتی پھرتی، خوشنما خوش رنگ ملبوسات میں ماڈرن طرح دار لڑکیاں، شوخیاں، شرارتیں، میزبان خواتین بہت محبت سے ملیں اتنی ڈیسنٹ، ویل ایجوکیٹڈ، ٹپ ٹاپ ماڈرن، اسٹائلش اور لبرل خواتین، جبکہ رائمہ اور اجالا دونوں ہی ایک جیسی تھیں سادہ طبیعت آج بھی کوئی خاص تیاری نہیں کی گئی تھی مگر پھر وہ دونوں بے حد اچھی اور پُرکشش لگ رہی تھیں۔

یہ شہر کا سب سے بڑا اور مہنگا میرج ہال تھا اتنے بڑے پیمانے پر ارینج کیا ہوا یہ وسیع اور ماڈرن فنکشن جہاں مہمانوں کی ایک خاصی بڑی تعداد موجود تھی اجالا کے لیے کوئی چہرہ بھی شناسا یا مانوس نہیں تھا۔ سارے چہرے اجنبی تھے مگر جیسے رنگ ونور کا سیلاب تھا۔ جو جہاں امنڈ آیا تھا اجالا ایک الگ تھلگ کونے میں بیٹھی ہنستے مسکراتے چہروں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

انٹرنس پر اچانک ہی غیر معمولی صورتِ حال پیدا ہونے اور مہمانوں، خواتین و حضرات کے جھمگٹے کی صورت میں رش سا اکٹھا ہونے کے آثار نظر آرہے تھے۔ وہاں کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا اجالا نے سبھی لوگوں کو تیزی سے باہر کی طرف جاتے دیکھا اچانک اجالا کو وہ نظر آیا تھا۔

بجلی کی سرعت سے جیسے سب واضح ہو گیا اجالا کی آنکھیں دھندلا گئیں اور سانسیں وہیں تھم گئیں اور دل...... دل تو لگتا تھا حرکت کرنا بند کر دے گا۔

پھر اُس سے تیزی سے اُسے واپس پلٹتے دیکھا وہ جا رہا تھا اجالا تیزی سے اُٹھ کر اُس سمت بھاگی تھی جدھر فاروق ترمذی گیا تھا مگر وہاں اُس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اجالا دھواں ہوتی سانسوں کے ساتھ واپس لوٹی۔

''کیا وہ حقیقتاً فاروق تھا یا مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ خود سے اُلجھ رہی تھی۔

میں تو اُسے ہزاروں کے مجمعے میں پہچان سکتی ہوں بھلا میری آنکھیں کیسے دھوکا کھا سکتی ہیں وہ فاروق ہی تھا۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے جیسے خود کو باور کروا رہی تھی۔

تبھی کھانا شروع ہو گیا۔ رائمہ نے اُسے آواز دے کر بلا لیا تو وہ وقتی طور پر اُس اُلجھن سے نکل گئی مگر واپسی کے سفر میں پھر وہ یہی سب کچھ سوچ رہی تھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا...... اُس کا دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ جو اُسے نظر آیا وہ فریب نظر تھا وہ تو شکاگو میں تھا روز وہاں سے فون کرتا تھا۔

اجالا کو تازہ پھول اسی شہر سے ہی بھیجے گئے تھے مگر اُس نے پوچھا ہی نہیں تھا فاروق سے یا پھر اُس نے باریک بینی سے غور کرنے کی نہ ہی کوشش کی تھی اور نہ ہی ضرورت سمجھی تھی۔

نجانے وہ کب تک اُلجھتی رہتی کہ اگلے دن فاروق کا فون آ گیا۔

''کیسی ہے میری جان۔'' فاروق ترمذی نے سارے جہان کی چاہتیں اپنے لفظوں میں سمو دی تھیں۔

''جی ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو۔''

''اپنی جان کی دعاؤں کی بدولت خوش باش ہوں۔'' وہ خوش نظر آرہا تھا۔

''فاروق کل میں نے تمہیں دیکھا تھا۔''

''مجھے دیکھا، ہاہاہا......'' اُس نے قہقہہ لگایا اور پھر تادیر اُسی انداز میں ہنستا رہا جیسے اُسے اجالا کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے تمہیں دیکھا۔'' وہ وثوق سے بولی۔

''کہاں دیکھا میری معصوم بلبل نے اپنے فاروق کو۔'' وہ ابھی بھی ہنس رہا تھا۔ وہ کیوں مسلسل ہنس رہا تھا اجالا کی سمجھ سے بالاتر چیز تھی۔

''کل میں سعد بھیا کے ساتھ ایک شادی کی تقریب میں گئی میں ایک الگ تھلگ کونے میں بیٹھی تمہیں یاد کر رہی تھی تم مجھے بہت یاد آ رہے تھے میں ہر چہرے میں تمہارا چہرہ کھوج رہی تھی مجھے ہر چہرہ تمہارے چہرے سے مشابہ لگ رہا تھا۔ تبھی انٹرنس کی طرف سے میں نے تمہیں ہال میں آتے اور پھر ٹھٹک کر رکتے اور پھر تیزی سے باہر کی طرف جاتے دیکھا میں اُٹھ کر تمہارے پیچھے بھاگی تب تک تم غائب ہو چکے تھے۔'' اجالا کہتے کہتے رو دی۔

''اجالا ایک آنسو بھی بہایا تو میں تم سے بات نہیں کروں گا اپنے آنسو صاف کرو جلدی شاباش۔''

''جی کر لیے۔'' اجالا نے جلدی سے آنکھیں رگڑیں۔

''اچھا میری جان دیکھو میری بات سنو میں تا حال شکا گو میں ہی ہوں دوسری بات یہ کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو ہر جگہ مجھے دیکھتی ہو اسی لیے تمہیں گمان گزرا ہو گا۔ تمہارا اپنا تخیل مجسم وجود بن گیا ہو گا پگلی، تمہاری آنکھیں صرف مجھے ہی دیکھنا چاہتی ہیں نا تو ہر طرف تمہیں فاروق ہی دکھائی دیتا ہے ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔''

''جی...... مگر......''

''اگر مگر کچھ نہیں، کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں، کیا تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' فارق کے الفاظ سے غصے کے ساتھ برہمی ٹپکنے لگی اور اُس نے فون بند کر دیا اجالا کی جان پر بن آئی فاروق ناراض ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اجالا نے رو رو کر اپنی آنکھیں سجا لیں رائمہ اُن دنوں پھر پریگنیٹ تھی۔ وہ پژمردہ اور نڈھال سی رہتی تھی اُجالا نے رائمہ کو بھی نہیں بتایا کہ فاروق اُس سے روٹھ گیا ہے اور اب وہ اُسے کیسے منائے کاش اجالا رائمہ کو بتا سکتی مگر اُس کی طبیعت کی وجہ سے وہ اُسے کیسے بتاتی۔ اجالا کو فاروق خود ہی کال کرتا تھا۔

اُس نے تو کبھی نمبر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی وہ اتنی معصوم اور سادہ تھی کہ وہ جھوٹ بھی بولتا تھا تو وہ سچ مانتی تھی بھروسا اور یقین تو محبت کی پہلی سیڑھی ہوتے ہیں اور اُس نے تو اعتبار کی سیڑھی پر پہلا قدم ہی اعتماد سے رکھا تھا یقین کامل ہی تو بندگی ہوتا ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا کہ محبت اندھی ہوتی ہے محبت کی اپنی آنکھیں تو ہوتی ہی نہیں ہیں محبت دنیا کا ہر منظر ہر رنگ محبو کی نظروں سے دیکھتی ہے اور ہمیشہ دیکھنا چاہتی ہے محبوب کی نظر سے دیکھنا بہت دلربائی بہت کشش رکھتا ہے۔

دو دن خوب تڑپانے کے بعد فاروق نے اجالا کو فون کیا تھا گلے شکوے ہوتے رہے اجالا مسلسل روتی رہی اُسے مناتی رہی۔ پھر وہ مان بھی گیا۔

''اچھا اب رو کر مجھے تکلیف مت دو، آنسو صاف کرو۔'' فاروق نے پیار سے ڈپٹا اجالا سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

''اب ٹھیک ہو نا اجالا۔''

''جی ٹھیک ہوں۔''

''بھابی اور بھیا کیسے ہیں، اور گڈو کیسا ہے۔''

اب وہ روٹین کی باتیں کر رہا تھا موڈ ٹھیک تھا۔

''جی بالکل ٹھیک خوش باش۔'' اجالا خوش دلی سے بولی۔

''ہمارے گھر نیا مہمان بھی آنے والا ہے۔''
''واؤ، مبارک ہو، بہت خوشی کی بات ہے۔''
''جی بالکل۔''
پھر وہ بہت دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے وقت کو جیسے پر لگ گئے وہ ناراض تھا تو وقت گزارے نہیں گزرتا تھا اب وہ مانا تھا تو جیسے وقت ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسلا جارہا تھا شام کے سائے چاروں طرف پھیلنے لگے تب فاروق نے نہایت محبت و لگاوٹ سے آہیں بھرتے فون بند کیا تھا۔

سعد مرتضٰی کے ہاں بیٹی ہوئی تھی اجالا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ سعد مرتضٰی کو تو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی سعد مرتضٰی پہروں بچی کو گود میں لٹائے تکتا رہتا، اُس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو چومتا رہتا رائمہ کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔

اجالا کے بی اے کے امتحانات سر پر تھے وہ دل و جان سے محنت کررہی تھی۔ رائمہ نے زرینہ کو خصوصی تاکید کررکھی تھی اجالا کے حوالے سے، زرینہ رات کو باقاعدگی سے اجالا کے کمرے میں دودھ رکھ کر جاتی تھی اجالا کے کمرے میں فریج میں فروٹس چیک کرتی پہلا ختم ہوجاتا تو اور فروٹ رکھ جاتی یہ رائمہ کی ہدایات تھیں جن پر زرینہ سختی سے عمل کرتی تھی۔

اجالا آخری پیپر دے کر آئی تو لمبی تان کر سوگئی بہت دیر تک وہ سوتی رہی۔ سعد کئی مرتبہ اُس کے کمرے میں آیا اُسے سوتا پاکر پھر پلٹ گیا۔ سعد کی اپنی اولاد بھی ہوگئی تھی۔ مگر اجالا کے لیے اُس کی محبت میں رتی برابر فرق بھی نہیں آیا تھا۔ سعد اجالا سے ہمیشہ کی طرح محبت کرتا تھا اُس کا خیال رکھتا تھا لاڈ کرتا تھا۔ رائمہ بھی روایتی بھابی ثابت نہیں ہوئی تھی وہ بھی اچھی محبت کرنے والی بھابی تھی۔

اجالا نے خوب نیند پوری کی تھی بہت دنوں سے وہ اپنی پسند کی موویز دیکھنا چاہ رہی تھی مگر فرصت کے لمحات اُسے میسر نہیں آرہے تھے اب امتحانات کا بوجھ سر سے اُترا تھا تو وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔ لبنٰی کے بھی بیٹی ہوئی تھی اور وہ اپنی بچی میں مصروف ہوکر رہ گئی تھی۔

اتوار کا دن تھا لبنٰی اپنی بیٹی کے ساتھ اجالا کے بے حد اصرار پر اُس کے گھر آئی تھی اجالا اُسے اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔ اجالا کا پروگرام انڈین مووی 'کچھ کچھ ہوتا ہے' دیکھنے کا تھا وہ لبنٰی کے ساتھ مووی دیکھ رہی تھی مگر لبنٰی بچی کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی اجالا بار بار اُس کی توجہ مووی کی طرف دلاتی مگر لبنٰی کی توجہ بار بار بیٹی کی طرف لگ جاتی وہ بڑی مشکل سے سوئی تو تب لبنٰی اجالا کی طرف متوجہ ہوئی تھی شاہ رخ خان اور کاجول اجالا کے فیورٹ اداکار تھے۔

''دفع ہوجا، ٹک کر بیٹھتی ہی نہیں ہو تم تو۔'' بچی کے کسمسانے پر اجالا نے دیکھا لبنٰی سب چھوڑ چھاڑ جاکر بیٹی کے پاس بیٹھ گئی، اجالا کی بات پر لبنٰی ہنس دی۔

''تم چھڑی چھانٹ ہو اور میں شادی شدہ ایک بیٹی کی ماں، سمجھو اس بات کو۔''

''مجھے نہیں پتا۔'' اجالا نروٹھے پن سے بسوری۔

''راہول کھنہ کتنا اسٹوپڈ ہے ناکہ اُسے انجلی کی سچی محبت نظر کیوں نہیں آرہی، وہ اپنے گھر جاتے ہوئے زار و قطار رو رہی ہے سب کو سمجھ آرہی ہے مجھے سمجھ آرہی ہے راہول کھنہ کو سمجھ کیوں نہیں آتی انجلی کے آنسو راہو کو ساری کہانی سنا رہے ہیں انجلی کے دل میں چھپے سارے جذبے آشکار کررہے ہیں وہ اندھا ہوا کھڑا ہے وہ لبنٰی دیکھو ذرا۔'' اجالا لبنٰی سے مخاطب تھی اور لبنٰی نجانے کب بچی کو لے کر کچن میں چلی گئی تھی۔ بچی کو بھوک لگی تھی اجالا تلملا کر رہ

گئی اُسے سمجھ آ چکی تھی کہ لبنیٰ اب صرف 'ماں' ہے۔

☆......☆......☆

''میں آ رہا ہوں اجالا اور میں پاکستان کی سرزمین پر قدم دھرنے کے بعد جو دیکھنا چاہتا ہوں وہ تمہارا چہرہ ہے میں نے یہ وقت تمہارے بغیر کیسے گزارا ہے یہ تمہیں بتانا ہے اِن گزرے ماہ و سال میں میرے اندر کیسے تمہارا ہجر پل پل مجھے جھلساتا رہا ہے یہ داستانِ ہجر والم تمہیں سنانی ہے۔

''تم آؤ گی نا۔'' فاروق ترمذی بڑی آس سے پوچھ رہا تھا وہ امید و بیم کی کیفیت میں تھا۔

''جی ضرور۔'' اجالا نے بغیر سوچے سمجھے ہامی بھر لی۔

''سچ اجالا۔'' وہ نہال سا ہو کر رہ گیا۔

''پرسوں منگل والے دن بارہ بجے لاہور ائیر پورٹ پر پہنچ جانا میں تمہاری من موہنی صورت دیکھ کر اپنی تھکن اُتارنا چاہتا ہوں تمہارے سحر آفریں حسن میں سرتاپا ڈوب کر سیراب ہونا چاہتا ہوں۔''

''آؤ گی نا۔'' جذب سے بولتے بولتے آخر میں اُس کا لہجہ ملتجی ہو گیا اور اجالا سراسیمہ سی سوچ میں پڑ گئی۔

''میں کبھی اکیلی لاہور گئی نہیں۔''

''تو کیا ہوا، گاڑی تمہاری اپنی ہے پُر اعتماد ہو پڑھی لکھی ہو کیا مسئلہ ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر سعد بھیا مجھے اکیلے بھیجنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔''

''اُن کو بتانے کی یا اجازت لینے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے تم باشعور ہو بالغ ہو ہر وقت سعد کے مسائل میں مت اُلجھا کرو، اپنی زندگی آپ جیو۔'' وہ اُسے نجانے کون سی باتیں سمجھا رہا تھا کس راہ پر چلانا چاہ رہا تھا۔

''مگر......'' اجالا ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

''اگر مگر کچھ نہیں، تمہیں آنا ہے ہر صورت رات تک سوچ لو میں پھر کال کروں گا۔''

''جج...... جی......'' اجالا نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

''مگر ایک بات یاد رکھنا اجالا اگر تمہارا جواب نفی میں ہوا تم نے آنے سے انکار کر دیا تو میں پاکستان کبھی بھی لوٹ کر نہیں آؤں گا شکاگو میں ہی اپنی جان دے دوں گا۔'' فاروق نے فون بند کر دیا۔

''نہیں......نہیں۔'' اجالا لبوں پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں دباتی رہی وہ تو اس کے بغیر جینے کا تصور بھی محال سمجھتی تھی پھر وہ کیا کرے سعد مرتضیٰ سے چھپانا اُسے اچھا نہیں لگ رہا تھا اور بتانے کی صورت میں سعد اُسے لاہور جانے کی اجازت نہیں دیتا عجیب کشمکش تھی جس میں اجالا اُلجھ کر رہ گئی تھی کیا کرے۔

رات کو اُس نے دوبارہ فون کیا تھا مگر بات کے آغاز میں ہی پھر وہی بات دہرادی تھی کہ اجالا نے اگر ایئر پورٹ آنے سے انکار کیا تو وہ یہیں شکاگو میں ہی اپنی جان دے دے گا۔ اجالا کبھی ہاں کہہ دیتی اور کبھی ٹال مٹول کرنے لگ جاتی۔

''اجالا ایک بات بتاؤ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' وہ عجیب رنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''جی بہت زیادہ۔'' اُسے کہنے میں کوئی تامل نہیں تھا اُسے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔

''جھوٹ بولتی ہو تم۔'' وہ دھاڑا اُس کی دھاڑ میں آنسوؤں کی آمیزش بھی شامل تھی۔

''نہیں فاروق ایسے مت کہو، میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔'' اجالا کپکپاتے ہوئے رو دی۔

''غلط کہتی ہو تم، کیا ثبوت ہے کیسے ثابت کر سکتی ہو تم۔''

'' جیسے تم کہو فاروق۔'' وہ بے کسی سے رو دی۔

''اجالا تمہیں مجھے ملنے آنا ہے میں صرف تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں اجالا میں تم سے بے حد بے شمار بے حساب محبت کرتا ہوں تمہیں دیکھا تو جینے کی امنگ دل میں بیدار ہو گئی ایک مخلص ہم سفر کی طلب دل کرنے لگا تمہاری طرف ہمکنے لگا تم دنیا میں وہ واحد ہستی ہو جو بغیر کہے میرا دکھ جان جاتی ہو۔ میری درد آشنا ہو تکلیف مجھے ہوتی ہے تمہیں وہاں اتنی دور علم ہو جاتا ہے تم نے میری خالی، رتجگوں کی ماری آنکھوں کو نیندوں سے بھر دیا ہے میٹھی نیند سونے لگا ہوں۔ میری مسکراہٹ اور ہنسی کھوکھلی بے جان ہوا کرتی تھی اب میں زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کا مالک بن بیٹھا ہوں تم میری تمنا ہو، میرا تمہارے سوا کوئی نہیں ہے تم بھی مجھے رونے بلکنے کے لیے اس دنیا میں بے یارومددگار چھوڑ دو گی نا۔'' اُس کی آواز رندھ گئی حلق آنسوؤں سے بھر گیا اجالا کی تو جان پر بن آئی۔

''فاروق میں ضرور آؤں گی چاہے کچھ بھی ہو۔'' وہ پُرعزم اور مضبوط لہجے میں بولی۔

''ہاں تمہیں آنا ہوگا۔'' وہ دوسری طرف خباثت سے مسکرایا تھا۔ پھر فاروق نے ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا اور پھر ہنستا تھا عجیب سرور بھری ہنسی خمار آلود قہقہے لگا تا رہا اُس کی ہنسی میں فتح کا غرور تھا پا لینے کا نشہ آور احساس اُسے طمانیت بخش رہا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح اجالا بہت جلدی اُٹھ گئی تھی۔ اُس نے رائمہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔ چوکیدار غلام عباس فجر کی نماز کے لیے مسجد گیا ہوا تھا۔ اجالا نے جلدی سے گاڑی پورچ سے نکالی اُس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے سعد مرتضٰی کا ڈبل اسٹوری کا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور سعد مرتضٰی کی لاڈلی بہن مین گیٹ کھول کر گاڑی سڑک پر ڈال چکی تھی۔ وہ بہت بار سعد کے ساتھ لاہور گئی تھی راستے اُسے ازبر تھے مگر اکیلے جانے کا خیال اُسے سہار رہا تھا اسٹیئرنگ پر دھرے اُس کے ہاتھوں کی لرزش واضح تھی مارے گھبراہٹ کے اجالا کا حلق بار بار خشک ہو رہا تھا پاؤں جیسے بے جان ہو رہے تھے۔

اندھیرا چھٹ رہا تھا اجالا چاروں طرف پھیل رہا تھا۔

''اوہ بھیا اُٹھ گئے ہوں گے۔'' اجالا نے یک دم گاڑی روک دی اُن کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

'وہ اٹھتے ہی سب سے پہلے میرا پوچھیں گے۔'' اجالا کو ڈھیروں خفت نے آن گھیرا اُس کے بالائی لب پر پسینے کے ننھے ننھے سے قطرے ابھر آئے شرمندگی سے اجالا کی آنکھیں آنسو ڈھونڈلائیں اُس نے بے اختیار اپنا سر اسٹیئرنگ پر گرا دیا یہ پہلا جھوٹ تھا یہ پہلی خطا تھی یہ پہلی خود غرضی تھی جو اجالا نے کی تھی وہ نادم تھی پشیمان تھی۔

''مجھے گھر نہ پا کر وہ کیا سوچیں گے اور میں واپس جا کر اُن کو کیا بتاؤں گی کہ میں کہاں گئی تھی۔ کیوں گئی تھی۔'' وہ روئے گئی پچھتانے لگی سعد مرتضٰی نے اُسے بھائی کی محبت و مان ہی نہیں ایک باپ کی شفقت سے بھی نوازا تھا اپنے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔

''مجھے واپس لوٹ جانا چاہیے کہہ دوں گی کہ جاگنگ کے لیے گئی تھی۔'' مگر فاروق کے الفاظ اس کا ارادہ متزلزل کر رہے تھے۔

''اجالا میرے دل میں تمہارے لیے بہت عزت بہت محبت اور بے پناہ خلوص ہے دل کرتا ہے تم جہاں جہاں قدم رکھو وہاں دور دور تک صرف پھول ہی پھول ہوں۔ تم یقین کیوں نہیں کر لیتیں کہ تم فاروق ترمذی کے لیے بہت خاص ہو۔ میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ میں تمہارے بغیر

مر جاؤں گا میرے پاس تمہارے سوا کچھ نہیں ہے میرا سب کچھ تم ہو۔'' فاروق کی آواز اُسے کسی بازگشت کی طرح سنائی دینے لگی وہ شاعر تھا لفظوں کی جادوگری کا ماہر، ہر ہنر میں طاق۔

''اجالا نے واپس پلٹنے کی ایک کوشش کی مگر کوششیں بھی بھلا کبھی انسانوں آ کے چاہنے سے کامیاب ہوا کرتی ہیں۔'' وہ اب دوبارہ عازم سفر تھی آگے کی طرف جدھر فاروق تھا جس سے وہ محبت کرتی تھی۔ وہاڑی کا کوئی علاقہ تھا جب اُسے شدت کی بھوک کا احساس ہوا تھا اُس نے گاڑی روک کر قریب سے ایک لڑکے کو اشارہ کیا نوعمر سا لڑکا جو بہت پھرتی سے برگر بنا رہا تھا لپک کر آیا اجالا نے اُسے ایک برگر لانے کو کہا تھا۔

☆......☆......☆

اجالا گیارہ بجے کے قریب لاہور پہنچ گئی تھی اُس نے اپنے بالوں کو برش کیا ڈیش بورڈ پر پڑی چھوٹی سی پانی کی بوتل اٹھائی ٹشو بھگو بھگو کر اپنا چہرہ صاف کیا ہلکی سی پنک لپ اسٹک کاجل کی ہلکی سی دھار سے ہی اُس کا چہرہ تروتازہ گلاب کی مانند کھل اٹھا۔ رائل بلیو سوٹ، ہم رنگ شال کندھے پر ٹکائے وہ گاڑی سے باہر نکلی۔ ایئرپورٹ پر معمول کا رش تھا وہ ایک لمحے کے لیے گھبرا گئی۔

''سلام مادام۔'' تبھی کوئی اُس کے قریب سے چہکتی آواز میں بولا اجالا مڑی۔

''فاروق۔''

''ہاں میری جان میں آدھا گھنٹہ پہلے آ گیا بہت بے تاب تھا تمہیں دیکھنے کے لیے۔'' فاروق نے اُسے کندھوں سے تھام کر سینے سے لگا لیا وہ بوکھلا گئی اور خود کو الگ کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر اُس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ فاروق اُسے اپنے ساتھ لگا کر بھینچے جا رہا تھا۔

''چھوڑو، پاگل ہو گیا، لوگ......'' اجالا کی گھٹی گھٹی آواز دب گئی۔

''اوئے کون ہو تم لوگ، یہ پاکستان ہے لندن نہیں ایسی بے حیائی کا کھلے عام مظاہرہ، ڈوب مرو، پکڑو ان کو، تھانے لے چلو، ان کی ساری بدمعاشی نکالتے ہیں۔'' کوئی پولیس والا تھا وہ دونوں بوکھلا کر الگ ہوئے دوسرے لفظوں میں فاروق نے اُسے خود سے الگ کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی پولیس والوں نے اجالا اور فاروق کو پکڑ کر اپنی گاڑی میں دھکیل دیا۔ وہ دونوں 'بات سنیں، بات سنیں' ہی کرتے رہے مگر پولیس والوں نے اُن کی کوئی بات نہیں سنی۔

حالات و واقعات ایسی کروٹ لیں گے یہ تو اجالا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اور فاروق تو مرد تھا محافظ تھا اس وقت ڈیل کرنا معاملات کو ٹھیک کرنا اُس کا فرض تھا مگر وہ کچھ بھی نہیں کر پایا تھا یا پھر جان بوجھ کر کچھ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا اجالا تو کسی چڑیا کی مانند سہمی ہوئی تھی۔ اُسے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی یہ یہ سب کیا ہوا ہے۔

پولیس کی گاڑی تھانے کے بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوئی ایک پولیس والے نے اجالا سے اُس کا پرس، چھین کر اُس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اُسے بے دردی سے کھینچا تھا اجالا کی درد بھری سسکاری نکلی اُس نے آنسو بھری آنکھوں سے فاروق کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔ وہ سعد مرتضٰی کی پناہوں سے نکل کر خوار ہو رہی تھی۔ اُس نے کس پر بھروسا کیا جو اُسے بچا نہیں پایا تھا۔

کرخت چہرے والی عورت اُسے طعنے تشنے دیتی گھسیٹ رہی تھی اُس نے پھر پیچھے دیکھا تھا فاروق وہیں کھڑا تھا ایک لمحے کے لیے اجالا کو لگا جیسے فاروق مسکرا رہا ہے، اطمینان سے کھڑا ہے۔

''پولیس والے اُسے کیوں نہیں لے کر جارہے۔'' اجالا نے اُس عورت سے پوچھا۔

''بکواس بند کر چل آ گے۔'' اُس عورت نے سلاخوں کے پیچھے اجالا کو سفا کی و بے رحمی سے دھکا دیا تھا اُس کا سر زور سے دیوار سے ٹکرایا اور وہ ہوش وخرد سے بے گانہ ہوتی چلی گئی۔ اُس کے سر کے پچھلے حصے سے خون بری طرح بہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''اُٹھ تیری ضمانت ہوگئی ہے۔'' کسی نے اُس کے پیٹ میں زور دار پاؤں سے ٹھوکر ماری تھی۔ اجالا درد سے بلبلاتی اُٹھ بیٹھی اُس کے سر میں درد کی ناقابلِ برداشت ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ اُس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے سر کی طرف گیا اُس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی پھر اُسے سب یاد آتا چلا گیا۔

''یا اللہ مجھے معاف کردے میں بھٹک گئی گمراہ ہوکر غفلت میں پڑ گئی مجھے معاف کر خدایا۔'' اُس نے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ چکرا کر رہ گئی پھر اسی عورت نے اُسے سہارا دے کر اٹھایا اور اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ اُس عورت کی نگاہوں میں اجالا کے لیے نفرت و ناپسندیدگی تھی جیسے اجالا کوئی بہت گری ہوئی لڑکی تھی اور اُسے اجالا سے گھن آ رہی ہو۔ اجالا لڑکھڑائی اُس عورت نے اُسے سہارا دے کر یک دم چھوڑ دیا تھا۔ اجالا بے دم سی ہوکر وہ ٹھنڈے فرش پر گری وہ اپنے زخم زخم وجود کو سردی سے اکڑ آ ہوا محسوس کر رہی تھی اتنی ٹھنڈ اور ایسے سوگوار حالات نے اُسے اَدھ موا کر ڈالا تھا۔ اُس کا ذہن جیسے دھند سے اٹا ہوا تھا خوابیدہ ذہن پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔

اُس نے کھل کر سانس لینے کی کوشش کی اس کوشش نے اُسے تڑپا کر رکھ دیا شاید وہ ساری رات ایک ہی زاویے میں لیٹی رہی تھی اُس کی پسلیوں میں جیسے درد نے آگ دھکا رکھی تھی۔ اُس کو اتنی بے رحمی سے تھانے کے وسیع احاطے میں گھسیٹا گیا تھا کہ اب جا بجا خراشیں نظر آ رہی تھیں اُس کی رائل بلیو شرٹ جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اُس کی رائل بلیو شرٹ میں سے اُس کا دودھیا بدن جھانک رہا تھا اجالا کو ایسے لگ رہا تھا برف کی سیکڑوں وزنی سلیں اُس کے سر کے اوپر رکھ دی گئی ہیں اور وہ اتنے بوجھ تلے ہل نہیں پا رہی اُس نے اٹھنے کی کوشش کی اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کی زمین سے اٹھنے کی سعی میں اُس کا ناتواں و نازک وجود میں درد کی ایک تیز لہر اس کے سر سے پاؤں تک گزر گئی۔

''آہ۔'' وہ کراہی اور پھر بے دم ہوکر وہیں ڈھیر ہوگئی نازوں پلی اجالا کہاں اذیتوں سے آشنا تھی وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی۔

''اٹھو۔'' اب کہ بار اُسے بہت محبت و نمری سے اٹھایا گیا تھا سہارا بھی دیا گیا تھا یا شاید کسی نے اُسے اپنے بازوؤں میں اٹھالیا تھا نقاہت کے مارے اُس کی آنکھیں بند تھیں۔

☆......☆......☆

نجانے کتنے گھنٹے کتنے دن گزر گئے تھے اجالا کے بیرونی زخم اب ٹھیک تھے اُسے یہاں کون لے کر آیا اُس کی ضمانت کس نے کروائی اجالا کو کچھ خبر نہیں تھی۔ یہ ایک صاف ستھرا بیڈ روم تھا جہاں وہ لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ایک کر کے سارے واقعات اُس کے دماغ کی اسکرین پر چلنے لگے اُسے وحشت سے ابکائی سی آنے لگی اذیت سے اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اُس نے اپنے گالوں پر گرتے گرم سیال کو چھوا۔

''اللہ مجھے بچالے میری عزت کی حفاظت کرنا۔'' اُس نے دھیرے سے آنکھیں بند کرلیں

آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر پلکوں کے بند توڑنے لگے۔
''سعد بھیا مجھے بچالو، مجھے نکالو یہاں سے۔''
''یا اللہ رحم فرما میری مدد فرما میرا کوئی پرسان حال نہیں۔''
''فاروق کہاں ہے، کیا وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا، نہیں ایسا نہیں ہوسکتا وہ ایسا نہیں کرسکتا۔''
''سعد بھیا، میں اپنے ہی گھر سے دربدر ہوگئی میری خطا نے مجھے تذلیل و رسوائی، مار پیٹ، کوسنے ودھتکار دی۔ میری روح کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں فاروق تم کہاں ہو۔''
''میری تو روح تک منجمند ہوچکی ہے۔ پھر یہ آنسو کیوں نہیں جمے۔''
''فاروق تم تو کہتے تھے کہ تم مجھے کبھی کسی مشکل میں اکیلا نہیں چھوڑو گے اب آکے دیکھو مجھ پر کیسی آفتاد آن پڑی ہے یوں پولیس کے ہتھے لگنا اور رات تھانے میں گزارنا، اوہ میرے اللہ مجھے تو مر جانا چاہیے۔'' کم مائیگی وبے چارگی کا احساس زہر کی مانند اجالا کی رگوں میں پھیل رہا تھا۔
''کیا فاروق مجھے چھوڑ گیا۔'' اُس کا پیار اُس کا جنون ماننے سے انکاری تھا۔
''جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔''
''میرا یقین جو کامل تھا جس کے سہارے میں اُسے ملنے نکل پڑی وہ میرا یقین......'' دل کرلایا۔
''لوٹنا ہوتا تو جاتا ہی کیوں۔'' خاموشی صدا بن گئی۔
''کوئی وجہ ہوگی کوئی مجبوری۔'' اُس نے کمزور سی دلیل دی خود کو مطمئن کرنا چاہا۔
''جس دن میرا یقین ٹوٹا اسی دن میرے بدن سے روح جدا ہوجائے گی۔'' ابھی دل خوش گمان تھا۔ ابھی وہ خود سے عہد کررہی تھی۔ یہ عہد کیسے درد دینے والا تھا اور آنے والا وقت اپنے آنچل میں اتنی انہونیاں اتنے واقعات چھپائے بیٹھا تھا وہ بے خبر تھی۔

یہ تو پہاڑی علاقہ تھا جہاں اکا دکا گھر ہی نظر آتے تھے جہاں اُسے رکھا گیا تھا وہ گھر سے اپنی مرضی سے فاروق کو لینے نکلی تھی۔ اُسے اُسی دن واپس لوٹ جانا تھا مگر وہ واپس لوٹ نہیں سکی تھی۔ اُس کے گرد ایسا جال بن دیا گیا تھا کہ وہ پھڑپھڑا بھی نہ سکی واپسی کے سارے راستے ساری راہیں مسدود ہوگئیں۔ اُس کے گرد فسوں خیز لفظوں کا تانا بانا ایسے چالبازی سے بنا گیا تھا محبت کا ریشمی حصار باندھ کر اُسے گھائل کردیا تھا اُسے کمرے میں قید کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ حرماں نصیبی نے اُسے جیسے ذہنی طور پر اور جسمانی طور پر مفلوج کردیا تھا اُس میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ یہاں سے بھاگ سکتی جہاں دور دور تک زندگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

دنیا دلفریب ہے مکروفریب سے بھری ہوئی، خوشیوں کو نظر لگ جاتی ہے کوئی بغض وحسد کا مارا جان دیتی ہے خزاں کیسے اپنا وار کرتی ہے آنکھوں کے خواب کیسے مٹی ہوتے جنہیں بری خبر سانحات پریشانیاں کیسے زندگی کی حقیقتوں کے در وا کرتی ہیں کوئی ظاہر پر مرمتا تھا کوئی مایا کا دیوانہ تھا۔

رحمان کو اس نے دیکھا تھا وہ باہر برآمدے میں کسی سے باتیں کررہا تھا۔ اجالا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے زنگ آلود کھڑکی کو ذرا سا کھولا سامنے جو ہستی تھی اسے تو وہ ہزاروں میں پہچان سکتی تھی جس کی وجہ سے وہ اس حالت میں پہنچی تھی۔ فاروق ترمزی مگر ساتھ میں رحمان کی موجودگی اسے خوفزدہ کررہی تھی اس کے دل میں اندیشے سر اٹھانے لگے۔

(اس خوب صورت ناولٹ کی
اگلی قسط آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

دنیا میں کس جگہ دوشیزہ کے چرچے نہیں

آپ دوشیزہ کے خریدار بن کر ملک کو

زرِ مبادلہ دیجیے

اندرون ملک =/890 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زر سالانہ

ملک	زر سالانہ	ملک	زر سالانہ
کویت	55امریکی ڈالرز	ایران	55امریکی ڈالرز
سعودی عرب	55امریکی ڈالرز	سری لنکا	55امریکی ڈالرز
یو اے ای	55امریکی ڈالرز	جاپان	55امریکی ڈالرز
مصر	55امریکی ڈالرز	لیبیا	55امریکی ڈالرز
یونان	55امریکی ڈالرز	ڈنمارک	55امریکی ڈالرز
فرانس	55امریکی ڈالرز	جرمنی	55امریکی ڈالرز
برطانیہ	55امریکی ڈالرز	ہالینڈ	55امریکی ڈالرز
ناروے	55امریکی ڈالرز	پولینڈ	55امریکی ڈالرز
امریکہ	65امریکی ڈالرز	کینیڈا	65امریکی ڈالرز
افریقہ	65امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	65امریکی ڈالرز

آج ہی رابطہ کیجیے

88-C II - فرسٹ فلور - خیابانِ جامی کمرشل - ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی - فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121 - 35893122

افسانہ

نفیسہ سعید

محبت درد دیتی ہے

استغفر اللہ اتنے کالے رنگ پر سفید دانت کتنے عجیب و غریب لگ رہے ہیں۔ فلزا کے متوجہ کرتے ہی شیزا نے سامنے کھڑے شخص پر نظر ڈالی۔ اب اتنا بھی کالا نہیں ہے جتنا آپ نے اسے بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ بس سانولا رنگ ہے جو یہاں کے موسم......

مما...... مما

فلزا کی تیز چیختی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی الٰہی خیر اسے کیا ہوا ہے۔ وہ تیزی سے اس کے کمرے کی جانب

بڑھیں، دروازہ کھولتے ہی سامنے نظر آنے والے منظر نے انہیں ہر بات بنا پوچھے ہی سمجھا دی۔ فلزا کے سامنے کھڑی حلیمہ ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

آپ کو کتنی بار منع کیا ہے مجھے اس کے ہاتھ کھانے یا پینے کے لیے کچھ نہ بھیجا کریں۔ گھن آتی ہے مجھے اس کے کالے ہاتھوں سے۔''

ماں پر نظر پڑتے ہی فلزا نے حلیمہ پر ایک حقارت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم جاؤ حلیمہ یہاں سے اور شہناز سے کہو کے چھوٹی بی بی کو پانی دے جائے۔''

حلیمہ ان کی بات سنتے ہی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے انسو سعدیہ سے چھپے نہ رہ سکے۔

''بہت بری بات ہے فلزا، کسی انسان کی اس طرح بے عزتی کرنا، یہ گورے، کالے خوبصورت بد صورت ہر طرح کے لوگ اُسی پروردگار کی تخلیق ہیں۔ جس نے تمہیں اور ہم سب کو پیدا کیا، اگر تم خوبصورت ہو تو اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں اور نہ ہی حلیمہ کی بدصورتی اس کی اپنی منتخب کردہ ہے۔ یہ سب بنانے والے کا حسن ہے۔ جس پر انگلی اٹھانا ہم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا۔'' انہیں فلزا کا اس طرح چلانا سخت ناگوار گزرا تھا۔ جس کا اندازہ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جو بھی ہے مما آپ یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ کالے رنگ کے لوگ دیکھتے ہی میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔ اس لیے پلیز مجھے آپ حلیمہ سے کہیں وہ میرا کوئی کام نہ کیا کرے۔''

اس سے قبل کہ سعدیہ اس کی بات کا کوئی جواب دیتی، شہناز پانی کا دوسرا گلاس لے ائی جسے دیکھتے ہی وہ خاموش ہوگئی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شہناز کے سامنے حلیمہ کی ذات کو ڈسکس کیا جائے۔

☆......☆......☆

واؤ اتنا خوبصورت کلر، میں تو یہ ڈریس ہی لوں گی۔

''یہ ڈریس شیزا کا ہے۔'' سعدیہ نے اس کے سامنے رکھا سوٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ویسے بھی تو تمہیں بلو کلر پسند نہیں ہے تمہارے لیے تو میں تمہاری پسند کا ریڈ اور گرین کلر لے کر آئی ہوں۔''

فلزا کے چہرے کے بگڑتے زاویہ دیکھ کر انہوں نے وضاحت دی۔

''کوئی بات نہیں آپ ان میں سے ایک شیزا کو دے دیں میں تو یہ ہی لوں گی۔''

اس نے ماں کی باتوں کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے ان کے سامنے رکھا سوٹ ایک بار پھر سے اٹھالیا۔

ویسے بھی رائل بلو کلر گورے لوگوں پر زیادہ اچھا لگتا ہے۔ سوٹ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے وہ اترائی۔

کیوں شیزا ٹھیک کہہ رہی ہوں نا اور یہ دیکھو یہ کلر مجھ پر کتنا اٹھ رہا ہے۔ اب کی بار اس نے سامنے بیٹھی شیزا کو اپنا ہم نوا بنانا چاہا۔

''آپ کو جو پسند آئے آپ لے لیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے مجھے تو ویسے بھی سارے رنگ اچھے لگتے ہیں۔''

جانتی تھی کہ فلزا نے یہ سوٹ اُس کی ضد میں اٹھایا ہے مگر اُسے الجھنے کی عادت نہ تھی۔ اس لیے نظر انداز کر گئی۔

''اوہ تھینک یو سویٹ ہارٹ اینڈ آئی لو یو۔'' اپنا مطلب پورا ہوتے ہی وہ سامان اٹھائے

کمرے سے باہر نکل گئی۔ تمہیں اس طرح اپنی پسندیدہ چیزیں فلزا کو نہیں دینی چاہییں۔ اس سب سے اس کی عادتیں خراب ہوتی ہیں۔'' سعدیہ نے فلزا کے باہر نکلتے ہی شیزا کو مخاطب کیا۔

''اب اور کیا خراب ہوں گی۔ ان کی عادتیں تو بچپن سے ہی خراب ہیں۔ تب تو آپ یا پاپا دونوں میں سے کوئی بھی منع نہیں کرتا تھا۔ الٹا ہر غلط بات میں اس کا ساتھ دیتے تھے۔'' شیزا کا گلہ بجا تھا، سعدیہ یک دم شرمندہ سی ہوگئی۔

''دراصل سارا قصور تمہاری دادی کا ہے۔ یہ شروع سے ان کی لاڈلی رہی، اس لیے میں یا ظہیر کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ اگر کچھ کہہ دیں تو جانتی ہو نا تمہاری دادی کس قدر واویلا کرتی ہیں۔'' اپنی غلطی اور کوتاہی کا ذمہ دار دوسروں کو مت ٹھہرائیں، مان جائیں کہ فلزا کی خوبصورتی نے آپ کے دلوں کو اس کی جی حضوری پر لگا رکھا تھا۔

شیزا شروع ہی سے ایسی ہی تھی۔ صاف اور کھری بات کرنے والی۔

''جب تک لوگ اس کے حسن کو دیکھ کر ستائشی کلمات کہتے رہے آپ کا سر فخر سے تنا رہا اور اب جب لوگوں نے اس کی خوبصورتی کو ایک طرف رکھ کر اس میں خوب سیرتی تلاشنا چاہی تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر اب اس احساس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

اپنی کتابیں سمیٹ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے کمرے میں رہ جانے والی سعدیہ، شیزا کی باتوں پر دل ہی دل میں قائل ہوتے ہوئے شرمندہ ہوتی رہی۔

☆......☆......☆

استغفراللہ اتنے کالے رنگ پر سفید دانت کتنے عجیب و غریب لگ رہے ہیں۔ فلزا کے متوجہ کرتے ہی شیزا نے سامنے کھڑے شخص پر نظر ڈالی۔ اب اتنا بھی کالا نہیں ہے جتنا آپ نے اسے بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ بس سانولا رنگ ہے جو یہاں کے موسم کے لحاظ سے ہر محنت کش کا ہو جاتا ہے۔ اگر آپ بھی مسلسل سارا دن دھوپ میں کھڑی رہیں تو دو ہی دنوں میں آپ کو بھی اپنی رنگت میں واضح فرق نظر آنے لگے گا۔

شیزا نے اپنے سے تین سال بڑی بہن کو سمجھایا۔

''اللہ نہ کرے جو میں ایسے دھوپ میں کھڑی رہوں۔ پتا نہیں تم ہمیشہ ایسی فضول باتیں کیوں کرتی ہو۔''

شیزا کی بات سمجھے بنا فلزا نے اسے لتاڑ دیا جوابا وہ خاموش رہی کیونکہ وہ اتنی گرمی میں فلزا سے الجھ کر موسم کی حدت بڑھانا نہ چاہتی تھی۔

''تمہیں کچھ اور لینا ہے یا واپس چلیں۔''

شیزا کو خاموش دیکھ کر اُس نے ایک بار پھر مخاطب کیا۔ نہیں میری شاپنگ مکمل ہوگئی ہے۔ آپ خان چاچا کو فون کریں گاڑی سامنے لے آئیں۔

اس کے ساتھ کھڑی شیزا نے دھوپ سے سرخ ہوتی اپنی بہن کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جواب میں کہا۔

☆......☆......☆

اُف بی بی جی لال سوٹ میں کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔ سیڑھیاں اترتی فلزا پر نگاہ پڑتے ہی بے اختیار حلیمہ نے سوچا۔

تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔ میری بچی کا اچھا بھلا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔''

دادی نے منہ اٹھائے کھڑی حلیمہ کو لتاڑا جسے

سنتے ہی وہ فوراً استری اسٹینڈ کی جانب بڑھ گئی تاکہ یونیفارم استری کر سکے۔ کیونکہ اُس نے صبح کالج جانا تھا اور حلیمہ اس کے کپڑے رات ہی استری کر کے ہینگ کر دیا کرتی تھی۔

''خیریت تو ہے دادی آج مما کچن میں مصروف ہیں کوئی خاص مہمان آ رہا ہے کیا۔''

دادی کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے فلزا نے پیار سے پوچھا۔

''تمہیں اپنے پرانے پڑوسی شبیر صاحب یاد ہیں نا۔''

''ہاں انہیں میں کیسے بھول سکتی ہوں سارا بچپن ہمارا ان کے گھر گزرا۔ آنٹی نرگس تو مجھ سے بے حد محبت کرتی تھیں۔''

''ان کا دوسرے نمبر والا بیٹا عبد الہادی یاد ہے۔'' دادی نے مزید یاد دلایا۔

''جی وہ کالا سوکھا سا عبد الہادی۔'' فلزا نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ دادی اُس کی بات سنتے ہی ہنس دیں۔

''بری بات ہے فلزا تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کسی کا اس طرح مذاق نہیں اڑاتے۔''

کچن سے باہر نکلتی سعدیہ نے اس کا آخری جملہ سنتے ہی ٹوکا۔ بہت قابل بچہ ہے وہ سول سروس کا امتحان پاس کر کے اعلیٰ سرکاری افسر لگا ہے، اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد آیا تھا تو میں نے سوچا کیوں نہ ایک دن اپنے گھر بلا لیا جائے۔ ویسے بھی جس گھر میں جوان بیٹیاں موجود ہوں وہاں ایسے قابل لڑکوں پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔''

ان کے اور نرگس کے درمیان کئی سال قبل ڈھکے چھپے لفظوں میں جو بات ہوئی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ اُسے کسی بہانے فلزا کے سامنے بھی لے آئیں۔

''آپ کو پورے گھر میں ایک ہادی ہی قابل نظر آیا جو اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ بدشکل تھا۔ فلزا اُن کی بات سمجھتے ہی چڑ گئی۔

''ہاں۔'' اطمینان سے جواب دیتی وہ سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''تینوں بچوں میں سب سے زیادہ قابل ہادی ہی ہے اور ویسے بھی جہاں لڑکی کی خوبصورتی دیکھی جاتی ہے وہاں لڑکے کی قابلیت کو اہمیت دی جاتی ہے، ہادی سے بڑا عبد الباری آسٹریلیا میں ہوتا ہے جہاں اس نے کسی انگریز لڑکی سے شادی کر رکھی ہے۔ جبکہ چھوٹا والا عبد الرحمان تم سے چھوٹا ہے۔'' انہوں نے کھل کر ہر بات فلزا پر واضح کرنا چاہی۔

''اتنا پسند ہے آپ کو ہادی تو شیزا کے لیے ہاں کر دیں اور پلیز میرے بارے میں کوئی بھی فیصلہ مجھ سے پوچھے بنا مت کیجیے گا۔ ایسا نہ ہو میرا انکار بعد میں آپ سب کو سب کے سامنے شرمندہ کر دے۔ اس نے اپنی ماں کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

ارے چھوڑو یہ تم ماں بیٹیاں کس بحث میں الجھ گئیں۔

دادی نے ماحول کی گرمی دور کرنے کی کوشش کی۔

''بچہ آئے گا تو دیکھ لو پسند آ جائے گا تو ٹھیک ورنہ زبردستی کیسی، کوئی ایک آدھ دن کی تو بات نہیں عمر بھر کا ساتھ ہے۔ جو بنا پسندیدگی کے نہیں گزرتا اور اس سلسلے میں جوان اولاد پر زبردستی کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا بہتر ہوگا کہ تم اسے اپنا فیصلہ خود کرنے دو۔ یہ نہیں تو اور سہی ایسی خوبصورت بچی کے لیے بھلا رشتوں کی کیا کمی۔

سعدیہ کو باتیں سنانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے فلزا کے حسن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے

اس کی بھی حوصلہ افزائی کی جواباً فلزا نے بڑی محبت کے ساتھ دادی کا منہ چوم لیا۔

''بے شک شادی کے معاملے میں اولاد پر زبردستی نہیں کی جا سکتی مگر انہیں سمجھانا تو ہمارا فرض ہے نا اور ویسے بھی جس عمر میں ہے نا بڑی اماں اس عمر میں فیصلے دل سے کیے جاتے ہیں اور دل کے فیصلے ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں اور جب تک دماغ سے سوچنے کی عقل آتی ہے، وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے پھر بیٹھے رہو پچھتانے کے لیے۔

سعدیہ کو بڑی اماں کا اس طرح فلزا کا ساتھ دینا ذرا نہ بھایا۔ آجائیں دادی میں اور آپ پھوپھو کی کی طرف چلتے ہیں۔ جب تک واپس آئیں گے مما کا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔

ماں کے کچن میں جاتے ہی وہ آہستہ سے دادی سے مخاطب ہوئی۔

''اور وہ جو عبدالہادی آ رہا ہے تمہاری اماں کا خاص مہمان اس سے کون ملے گا۔'' دادی بیک وقت ہاں اور ناں کی کیفیت میں مبتلا رہیں۔

شیزا مما اور پاپا یہ تینوں لوگ کافی ہیں اُسے پروٹوکول دینے کے لیے۔ آپ بتائیں میرے ساتھ آ رہی ہیں یا میں جاؤں۔''

دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئے ہائے بچی ایسی بھی کیا بے صبری ہے جو مجھے چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہو۔ تھوڑا دم تو لو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے انہوں نے فلزا کو گھورا، فلزا نے قریبی موجود اسٹک اٹھا کر ان کے ہاتھ میں دے دی اور آہستہ آہستہ چلتی انہیں باہر لے گئی۔

''مما میں اور دادی پھوپھو کی طرف جا رہے ہیں۔ ایک گھنٹہ تک آ جائیں گے۔'' باہر نکلتے نکلتے اُس نے ماں کو اطلاع دی۔ جانتی تھی کہ وہ غصے میں ہونے کے باعث جواب نہ دیں گی اور ان کے اس غصے کا فائدہ فلزا نے اٹھایا جو دادی کے ساتھ آہستہ آہستہ واک کرتی ہوئی، دوسری گلی کے کونے پر موجود پھوپھو کے گھر آ گئی۔ پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد کافی دیر بعد وہ اور دادی گھر واپسی کو نکلے اس وقت جب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ ہادی اب تک واپس جا چکا ہوگا۔

☆......☆......☆

خدا کی قدرت دیکھو ایک ہی گھر میں رہنے والی دو سگی بہنیں اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق۔

پیاز چھیلتی شہناز نے ایک نظر باہر صوفہ پر بیٹھی شیزا پر ڈالتے ہوئے حلیمہ کو مخاطب کیا۔

صحیح کہہ رہی ہو کہ ایک اتنی خوبصورت کہ سمجھو ہاتھ لگائے تو میلی ہو جائے اور دوسری عام سی شکل و صورت والی لڑکی جیسی ساری لڑکیاں ہوتی ہیں۔

حلیمہ کا تجزیہ اپنی عقل سے بڑھ کر تھا۔

بے وقوف میں بات شکل کی نہیں کر رہی، میں تو دونوں کے اخلاق کا فرق واضح کر رہی ہوں۔ ایک طرف آگ کے گولے جیسی فلزا بی بی اور دوسری طرف نرم اور ٹھنڈی ہوا کی مانند اپنی شیزا بی بی۔

شہناز ڈرامہ دیکھنے کی بے حد شوقین تھی۔ اس لیے اُس کی گفتگو میں بھی حلیمہ کو کسی ڈرامے کا ڈائیلاگ محسوس ہوتی، لیکن کس ڈرامے کا یہ اُسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا۔

شہناز گلاس دھو کر مجھے پانی پلاؤ۔

اس سے قبل کہ حلیمہ کوئی جواب دیتی کچن کے دروازے پر فلزا آن کھڑی ہوئی۔ جو غالباً ابھی ابھی یونیورسٹی سے واپس آئی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی حلیمہ گھبرا کر فوراً سائیڈ پر ہو گئی۔ مبادا کہیں اُسے حلیمہ کا اس طرح فریج کے پاس کھڑے ہونا برا نہ

لگ جائے۔

''اور تم وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو باہر نکل کر میرے جوتے صاف کرو۔ جانے یونیورسٹی میں کہاں سے ان میں کیچڑ لگ گئی ہے۔''

حلیمہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے لہجہ میں فخر و مغرور کے ساتھ ساتھ حقارت کا عنصر بھی نمایاں ہو گیا۔

''جی اچھا۔'' وہ تیزی سے اُس کے قریب سے گزرتی کچن سے باہر نکل گئی۔

''کسی سے کام کروانے کے لیے ضروری نہیں کہ اُسے احساس دلایا جائے کہ ہم تمہیں اس کام کی اجرت دیتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں کہ تم ہمارے ملازم ہو۔ آپ وہ ہی کام نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے بھی حلیمہ کے لیے کہہ سکتی تھیں۔ اس کے دو فائدے ہوتے ایک تو حلیمہ کا دل خوش ہو جاتا اور وہ زیادہ محنت اور محبت سے آپ کے جوتے صاف کرتی دوسرا آپ کا نرم اور غرور سے عاری لہجہ اللہ تعالیٰ کو بھی پسند آتا جس کا اجر آپ کو ضرور ملتا۔''

اُس کے واپس پلٹتے ہی شیزا نے نرم لہجہ میں اُسے سمجھانا چاہا۔ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر بڑی نظر کرم ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگا لو کہ اُس نے مجھے کس قدر حسین بنایا ہے بالکل مکمل اور ہر عیب سے پاک لاؤنج میں لگے قد آدم شیشہ کے سامنے کھڑے ہو کر فلزا نے اپنا اچھی طرح جائزہ لیتے ہوئے شیزا کو جواب دیا۔

''ہر عیب سے پاک ذات صرف اللہ کی ہے۔''

شیزا کو اس کا یہ آخری جملہ بہت برا لگا یہ بھی سبب تھا جو وہ ٹوکے بنا رہ نہ سکی۔

شکل و صورت کی خوبی اچھے اخلاق کے ساتھ ہی بھاتی ہے ورنہ برا اخلاق سب کچھ تہس نہس کر دیتا ہے۔

چینل سرچ کرتے ہوئے اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

''پتا نہیں کیوں شیزا کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے دوسرے لوگوں کی طرح تم بھی میری خوبصورتی سے جلنے لگی ہو۔''

اپنے سلکی کندھے تک آتے بالوں کو جھٹک سے پیچھے کرتی ہو شیزا کے بالکل سامنے آن کھڑی ہو۔

''غلط فہمی ہے آپ کی کیونکہ اپنی نظر میں، میں خود دنیا کی حسین ترین لڑکی ہوں، اس لیے مجھے کسی اور سے جلنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

فلزا کی بات نے شیزا کو تھوڑا سا دکھی ضرور کیا مگر جلد ہی اس کی عادت سمجھ کر وہ اپنا دکھ اندر ہی پی گئی۔

میری مانو تو کوئی اچھی سی کریم استعمال کرو کیونکہ جب سے تم کالج جانے لگی ہو۔ تمہار گندمی رنگ جل کر سانولا ہو گیا ہے۔ اب ایسا نہ ہو کہ مزید جل کر تم کالی ہو جاؤ پھر یقین جانو مما پاپا کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی کوئی تمہارا رشتہ نہ لے گا۔''

فلزا دھیمی آواز میں ہنستے ہوئے بولی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ شیزا اچھی طرح سمجھ گئی۔

''جو میرے نصیب میں ہے وہ مجھے ضرور ملے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' اسے جواب دے کر وہ اندر کمرے میں آ گئی۔

☆......☆......☆

وہ یونیورسٹی سے گھر لوٹی تو لاؤنج سے آتی ہوئی آوازیں سن کر باہر ہی رک گئی۔ کوئی مہمان آیا ہے کیا؟ اس نے قریب سے فرش دھوتی حلیمہ کو مخاطب کیا۔

''جی ہادی بھائی آئے ہیں۔''

''ہادی بھائی......'' حلیمہ کے جواب نے اُسے

تھوڑا سا حیران کر دیا۔ وہ تو اس رات کی دعوت کے بعد سے ہادی کو بالکل بھول چکی تھی، مگر آج حلیمہ کے انداز ے اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے ہادی اس کی غیر موجودگی میں اکثر ہی یہاں آتا رہتا ہے۔ اس نے حلیمہ کو جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ بیگ سے اپنا شیشہ نکال کر خود کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ بالوں میں برش پھیرا، لپ اسٹک کا رنگ تھوڑا گہرا کیا وہ چاہتی تھی کہ ہادی اس کی خوبصورتی دیکھتے ہی اپنی شکل وصورت کے کمتر ہونے کے احساس میں مبتلا ہو جائے۔ اسے اپنی دو سالہ یونیورسٹی لائف میں یہ اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ کس طرح قابل سے قابل لڑکے اسے اپنے سامنے دیکھ کر بات کرنا بھول جاتے اور بے وقوفوں کی طرح آنکھیں کھولے بس اُسے ٹکر ٹکر دیکھا کرتے اور یہ ہی سب توقعات ہادی سے رکھتے ہوئے وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ سامنے والے صوفہ پر شیزا بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے یقیناً ہادی تھا۔ جس کی پشت فلزا کی جانب تھی۔

''کون آیا ہے تمہاری ہنسی کی بڑی تیز آواز لاؤنج سے باہر آ رہی ہے۔'' بالکل انجان بنتی ہوئی وہ شیزا کے قریب جا پہنچی۔

''السلام وعلیکم۔'' شیزا کے جواب سے قبل ہی اُسے ہادی کے سلام کی آواز سنائی دی۔

''وعلیکم السلام'' اپنے بالوں کو ادا سے جھٹکتے ہوئے اس نے اپنے مخاطب کو دیکھا۔ سانولی رنگت، بھرا بھرا جسم اور نظر کے چشمہ کے ساتھ ایک بالکل عام سا لڑکا جو اس تھوڑے قدرے تبدیل ہو چکا تھا۔ جو آج تک ہادی کے حوالے سے اس کے ذہن میں تھا مگر پھر بھی اس میں کوئی ایسی خاص بات نہ تھی جو فلزا کی سوچ کا محور ٹھہرتا۔

''یہ فلزا ہیں۔'' شیزا نے فوراً تعارف کروانے کی ذمہ داری نبھائی۔

''میں پہچان گیا تھا۔'' اُسے سرسری سا جواب دے کر وہ اپنے سامنے رکھی کتاب میں گم ہو گیا جو غالباً شیزا کی تھی۔

''ارے تم کب آئیں تمہاری یونیورسٹی تو چار بجے آف ہوتی ہے۔ ابھی تو صرف ایک بجا ہے۔'' کچن سے باہر نکلتی سعدیہ نے اپنی جگہ کھڑی فلزا کو دیکھ کر پکارا۔ آج اکنامکس کی کلاس نہیں ہوئی۔''

ماں کو جواب دے کر وہ وہیں بیٹھ گئی۔ ہادی اپنے سامنے میتھ کی کتاب کھولے شیزا کو کچھ سمجھا رہا تھا، دس منٹ تک وہ وہیں بیٹھی رہی مگر ہادی نے جیسے اس کی موجودگی کو بالکل محسوس نہ کیا اس کا لاؤنج میں ہونا یا نہ ہونا ان دونوں کے نزدیک قطعی غیر اہم تھا۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم فریش ہو جاؤ میں کھانا لگا رہی ہوں۔

''اس نے دیکھا حلیمہ سامنے ٹیبل پر برتن لگا رہی تھی۔ حلیمہ کے کالے کالے ہاتھوں میں کھانے کی پلیٹیں دیکھتے ہی اُسے کراہت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔ مما کو کتنا بھی منع کر دوں پھر بھی کھانے کے برتن ٹیبل پر اسی سے لگوا رہی ہیں۔

''مجھے فی الحال بھوک نہیں ہے لیکن جب کھانا ہوگا میں خود ہی کچن سے آ کر نکال لوں گی۔''

حلیمہ پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جب کہ اُس کا انداز دیکھتے ہی سعدیہ کو اندازہ ہو گیا کہ اُسے کیا بات بری لگی ہے۔

☆......☆......☆

شیزا کو میتھ مشکل لگ رہا تھا۔ اس لیے جب کبھی اُسے ضرورت ہوتی ہادی سمجھانے آ جاتا، اس

دن کے بعد سے ایک آدھ دفعہ اس کا فلزا سے سامنا ضرور ہوا مگر فلزا نے اُسے قطعی نظر انداز کر دیا وہ ہادی پر ایک نظر ڈالنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی۔ جبکہ دوسری طرف اُسے حیرت ہوتی کہ ہادی نے خود بھی اُسے کبھی مخاطب نہ کیا تھا۔

اُس دن وہ سو کر اٹھی تو باہر چھوٹے سے لان میں ہادی پاپا کے ساتھ موجود تھا۔ فلزا نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا کہ بلیک چیک والی شرٹ کے کف فولڈ کیے سانولا سلونا سا ہادی پاپا سے جانے کن باتوں میں مصروف تھا، بے اختیار اس کی نگاہ ہادی کے ہاتھوں پر پڑی، حلیمہ کے ہاتھوں جتنے کالے ہاتھ فرق صرف یہ تھا کہ حلیمہ کے ہاتھ بالکل سوکھے سڑے سے تھے جبکہ ہادی کے مردانہ وزنی ہاتھ تھے۔

شکر ہے میں نے مما کو پہلے ہی دن صاف صاف منع کر دیا ورنہ یہ مصیبت میرے گلے پڑ جاتی۔ اور پھر حور کے پہلو میں لنگور والا محاورہ مجھ پر پورا اترتا۔'' دل ہی دل میں یہ سب سوچ کر وہ ہنس دی اور دروازہ کھول کر باہر لان میں نکل آئی۔ جہاں گرمی کے موسم میں چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ وہیں لاؤنج کے باہر پہلی سیڑھی پر ہی بیٹھ گئی۔ جب اچانک پاپا سے بات کرتے ہوئے ہادی ہنس دیا اس کی ہنسی کی آواز سنتے ہی بے اختیار فلزا نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی، سانولے چہرے پر سفید دانتوں کی لڑی، ایک عجیب بہار دکھا رہی تھی۔ وہ مبہوت سی ہوگئی کوئی ہنستے ہوئے اتنا خوبصورت بھی لگ سکتا ہے۔ یہ سوچ ہی اُسے حیران کر گئی اس دن زندگی میں پہلی بار اُسے احساس ہوا خوبصورتی کا تعلق رنگ سے نہیں ہوتا یہ تو شاید انسان کہ دل کے اندر کہیں کنڈلی مارے بیٹھی ہوتی ہے۔ اور وقت پڑنے پر جب باہر نکلتی ہے تو ہر منظر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

☆......☆......☆

جانے کیوں اُس دن کے بعد سے اس کا دل چاہتا کہ وہ جب گھر جائے تو ہادی موجود ہو مگر اس شام کے بعد اُسے ہادی دوبارہ دکھائی ہی نہ دیا۔ سچ ہے جب ہم کسی کو دیکھنا چاہیں اور وہ نظر نہ آئے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ ایسی ہی بے چینی کا شکار آج کل فلزا تھی۔ وہ یونیورسٹی سے گھر واپس آنے کے بعد کافی دیر تک لاؤنج میں ہی بیٹھی رہتی اور پھر ہر گزرتا پل اُسے بے چین کیے رکھتا، ابھی بھی اس نے ریموٹ کی مدد سے کئی چینل بدلے اور پھر بالآخر تھک کر ٹی وی ہی بند کر دیا۔

''کیا بات ہے فلزا تم آج کل دوپہر میں سوتی نہیں ہو۔''

دو چار دن سے اُسے اسی طرح لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر سعدیہ بنا پوچھے نہ رہ سکی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ وقت فلزا کے سونے کا ہوتا ہے اور اپنی اس روٹین کی وہ کئی سالوں سے عادی تھی۔ جس میں پچھلے کچھ دنوں سے آنے والی تبدیلی حیرت انگیز تھی۔

مجھے محسوس ہو رہا ہے شاید میرا وزن بڑھ رہا ہے اس لیے دوپہر میں نہیں سوتی۔''

ماں کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے بہتر بہانہ اسے کوئی اور نہ سوجھا تھا۔

''اچھا مجھے تو ایسا نہیں لگتا تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔''

سعدیہ نے اچھی طرح فلزا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''مما یہ آج کل شیزا میتھ نہیں پڑھ رہی۔''

وہ اپنے مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولی۔

''پڑھتی ہے کیوں؟''

سعدیہ کے اس سوال کا مقصد نہ سمجھ پائی۔ ''دراصل اس کے سر نظر نہیں آتے اس لیے پوچھ رہی ہوں۔''

حتی الامکان اس نے اپنا انداز سرسری رکھتے ہوئے کہا۔

''کون ہادی......؟'' سعدیہ نے فلزا کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی......'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اس کے پیپرز ہو رہے ہیں۔اس لیے نہیں آ رہا لیکن یہ آج وہ تمہیں کیسے یاد آ گیا۔'' فلزا کے سوال نے سعدیہ کو تھوڑا سا حیران کر دیا۔

''اللہ نہ کرے وہ جو مجھے یاد آئے میں تو شیزا کی وجہ سے پوچھ رہی تھی کیونکہ اس کا میتھ بہت خراب ہے اور جلد ہی اس کے پیپرز ہونے والے ہیں۔''

ماں کی بات سنتے ہی وہ یکدم پرانی والی فلزا بن گئی لاپرواہی اور ہادی سے چڑتی ہوئی۔ جسے اس کا رنگ روپ ذرا پسند نہ تھا۔

ویسے تو اب اُس کی خاصی تیاری مکمل ہو چکی ہے اور یہ سب ہادی کی بدولت ممکن ہوا۔''

مما کی بات سنتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اُسے لگا اب شاید ہادی دوبارہ نہ آئے گا، قبل اس کے کہ وہ عالم مایوسی میں اندر اپنے کمرے کی جانب جاتی کہ یک دم باہر کا دواز کھول کر ہادی اندر داخل ہوا۔اس کے سانولے سلونے چہرے پر نظر پڑتے ہی فلزا جی اٹھی، ہادی کے پیچھے ہی شیزا تھی شاید وہ ہادی کے ساتھ کہیں سے آئی تھی اور یہ بات اتنی دیر میں مما نے ایک بار بھی اسے نہ بتائی، شیزا اور ہادی کو ساتھ ساتھ دیکھ کر فلزا کی خوبصورت پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''ارے یہ تمہیں کہاں مل گئی۔''

شیزا کو ہادی کے ساتھ دیکھ کر مما کی حیرت فطری تھی۔ مطلب ان دونوں کے ایک ساتھ آنے کی کوئی امید انہیں بھی نہ تھی۔

''گیٹ کے باہر سے۔'' ہادی جواب دیتے ہوئے ہنسا۔وہ ہی قاتل ہنسی جس نے آج کئی دنوں سے فلزا کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا۔

''میں کالج وین سے اتری تو یہ صاحب اپنی گاڑی میں گھر کے سامنے دکھائی دیے۔''

شیزا کی ہادی پر ڈالی جانے والی نظر میں ایسا کیا تھا جو فلزا جی جان سے سلگ اٹھی۔اُسے آج احساس ہوا جو انسان دل کو بھا جائے اس پر پڑنے والی کوئی ایک نظر بھی کتنا دل جلاتی ہے۔خواہ وہ نظر کسی اپنے کی ہی کیوں نہ ہو۔

''ارے آج آپ سوئیں نہیں۔'' شیزا کی جیسے ہی نظر اس پر پڑی وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''نہیں......'' اُسے رکھائی سے جواب دیتی وہ وہیں لاؤنج میں آ گئی۔اور عین ہادی کے سامنے جا بیٹھی۔

''سچ ہے یہ محبت ہی نہ انسان کو رسوا کر دیتی ہے۔''

ہادی اُسے قطعی اگنور کیے مما سے مصروف گفتگو تھا۔

''حلیمہ ہادی کے لیے جوس لے آؤ۔''

مما کے پکارتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، خاموشی سے کچن میں جا کر جوس گلاس میں نکالا، ٹرے میں رکھا اور لاؤنج میں آ کر ٹرے ہادی کے سامنے کر دی۔

''ارے آپ نے کیوں زحمت کی حلیمہ لے آتی۔''

جوس کی ٹرے فلزا کے ہاتھ میں دیکھ کر وہ تھوڑا سا پزل ہو گیا۔

''چونکہ میں خود بھی حلیمہ کے ہاتھ سے لے کر کچھ کھانا پسند نہیں کرتی اس لیے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ گھر میں آئے ہوئے کسی مہمان کو وہ سرو کرے۔''

فلزا جوس کیوں لائی تھی؟ یہ بات سعدیہ پہلے کی جان چکی تھی۔ اب فلزا نے خود بھی اس کی وضاحت کردی۔

''کیوں۔'' ہادی کے لیے فلزا کی پیش کردہ وضاحت خاصی حیران کن تھی۔

''تم جاؤ فلزا تمہاری دادی دو دفعہ تمہارا پوچھ چکی ہیں۔ جا کر پوچھو ہوسکتا ہے انہیں تم سے کوئی کام ہو۔''

مما ڈر گئیں۔ کہیں وہ حلیمہ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہ دے جو وہ ہادی کو بری لگے۔

''اوکے......'' مختصر سا جواب دے کر وہ دادی کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ سعدیہ نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مزید کوئی فضول بات نہ کی اور بنا بحث کے ہی وہاں سے ہٹ گئی۔

☆......☆......☆

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہادی کو باہر جاتے ہوئے دیکھا، بنا سوچے سمجھے الماری میں لٹکا ہینڈ بیگ کندھے پر ڈالا اور تیزی سے چلتی باہر آ گئی، ہادی گیٹ سے باہر ہی نکلا تھا تب وہ اُس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

''ایکیوزمی ہادی! اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پلیز مجھے یونیورسٹی تک ڈراپ کردیں۔ مجھے اپنا فیس پے آرڈر جمع کروانا ہے۔ آج لاسٹ ڈیٹ ہے اور میں صبح جمع کروانا بھول گئی۔ اس نے تیزی سے اپنا مدعا بیان کیا۔

''کوئی بات نہیں آجاؤ میں ڈراپ کردوں گا۔''

ہادی نے فرنٹ ڈور اس کے لیے کھول دیا۔

''تھینک یو۔'' ایک ادا سے اس نے اندر بیٹھتے ہوئے ہادی کا شکریہ ادا کیا۔ اسی پل جب ہادی نے فرنٹ ڈور بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اوپر ٹیرس پر کھڑی شیزا کی اچانک اس پر نظر پڑی۔

''یہ فلزا ہادی کے ساتھ کہاں جارہی ہے۔''

اُسے ہادی کے ساتھ جاتا دیکھ کر شیزا کو حیرت ہوئی۔

کہاں تو ہادی سے اس قدر چڑتی تھیں کہ نام سننا گوارا نہیں اور کہاں اس کے ساتھ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہیں حیرت ہے۔''

شیزا نے حیران ہوتے ہوئے سوچا اور گاڑی آہستہ آہستہ چلتی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

☆......☆......☆

ایک بات پوچھوں دادی۔ وہ دادی کی گود میں سر رکھے کتنی دیر سے ہی بالکل خاموش لیٹی تھی اب جانے ایسی کیا بات یاد آئی جو فوراً اٹھ بیٹھی۔

''سو باتیں پوچھو میرے بچے تمہیں کچھ پوچھنا منع تھوڑی ہے۔''

دادی نے پورے لاڈ سے اُس کی بات کا جواب دیا۔

''آپ نے کبھی محبت کی ہے؟''

وہ ایک جذب کے عالم میں دادی کی جانب تکتے ہوئے بولی۔

''ہاں۔'' دادی کا جواب فلزا کے لیے حیران کن تھا۔ پہلی محبت اپنے اللہ سے کی جس نے ہمیں یہ سب کچھ عطا کیا، ہماری کوتاہیاں، ہماری غلطیاں، ہمارے گناہ، سب پر پردہ ڈالا، وہ ذات ہمیں نوازے جاتی ہے، نوازے جاتی اور نوازے ہی جاتی ہے۔ بے شک ہم اُس کی نافرمانی کے مرتکب بھی ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ ہم پر ہمیشہ اپنی

نظر کرم رکھتا ہے۔ اور جو خود ہم سے اتنی محبت کرتا ہو پھر ہماری اصل محبت کا حق دار پہلے وہ ہے پھر کوئی اور۔''

''اوہ دادی! اللہ سے محبت تو ہر انسان کرتا ہے، میرا مطلب ہے اس کے علاوہ آپ کو کبھی کسی انسان سے محبت ہوئی۔

وہ کیا کہنا چاہتی تھی دادی کی سمجھ میں شاید اب آیا تھا۔ ہاں اللہ کا شکر ہے تمہارے دادا سے ہی محبت تھی۔

تو کیا آپ شادی سے پہلے ان سے ملتی تھیں۔'' وہ حیران ہوتے ہوئے بولی، اُسے اتنے سالوں میں آج پہلی بار علم ہوا دادا اور دادی کی لو میرج تھی۔

''نہیں...... ہمارے زمانے میں شادی سے پہلے نامحرم سے ملنے اور ان سے محبت کرنے کا کوئی رواج نہ تھا۔

فلزا کا کچھ دیر قبل لگایا گیا اندازہ غلط ثابت ہوا۔

تمہارے دادا میرے سگے چچا کے بیٹے تھے مگر اس زمانے میں پردہ بہت سخت تھا۔ اس طرح منہ پھاڑ ،لڑکیاں لڑکوں کے سامنے نہ آیا کرتی تھیں۔ جیسے اس وقت فیشن ہے۔ میری محبت تو شادی کے بعد شروع ہوئی جو ان کا حق اور میرا فرض تھی۔

اچھا یہ تو پھر محبت سے زیادہ مجبوری ہوئی کہ جس کہ پلے باندھ دیا اس سے پیار کرو بے شک دل مانے یا نہ مانے۔

دادی کی باتیں سن کر اُس نے برا سا منہ بنایا۔

اچھا اور جو وہ شتر بے مہار لڑکیوں کے ساتھ گھومتے پھرو، محبت محبت کے گیت گاتے جاؤ اور پھر پتا چلے لڑکے نے کہیں اور بیاہ رچا لیا اور لڑکی کی کسی اور کے متھے لگ گئی تو بھلا بتاؤ اب وہ دونوں محبت کرنے والے اپنے سے وابستہ ہونے والے دوسرے لوگوں کو کیا دیں گے محبت ہی دیں گے نا۔''

بات کرتے کرتے دادی نے اُس سے تصدیق چاہی۔ شادی کے بعد ہر لڑکی کو اپنے میاں سے پیار ہو جاتا ہے اور ایسی ہی مثال لڑکوں کی ہے، اب تو بیٹا محبت کئی کئی بار ہو جاتی ہے کئی لوگوں کو تو گھر میں بیوی بچے رکھتے ہوئے بھی باہر راہ چلتی لڑکی سے پیار ہو جاتا ہے۔ پھر ایسی بے فیض محبت سے تو بھلی ہمارے زمانے کی محبت تھی نہ کبھی کسی کو دیکھا اور نہ دل ایک کہ بعد دوسرے کی الفت میں الجھا۔

دادی کا بیان کردہ نظریہ محبت فلزا کی محبت سے قطعی مختلف تھا مگر وہ ان سے بحث کے موڈ میں قطعی نہ تھی۔

''دادی سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس زمانے میں بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو محبت کے نام پر دنیا تیاگ رہتے ہیں اور جن کے لیے محبت دنیا کا سب سے خوبصورت رشتہ ہوتی ہے ان کے لیے محبت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ محبت ہی ان کی زندگی اور محبت ہی ان کی موت ہوتی ہے۔

وہ عالم جذب میں آنکھیں بند کیے دھیرے دھیرے بول رہی تھی جبکہ اُس کے الفاظ دادی کو حیران و پریشان کر گئے انہیں محسوس ہوا ضرور کوئی گڑ بڑ ہے ورنہ فلزا اور اتنی گہری باتیں قطعی نا ممکن۔ فلزا میری بچی خیر تو ہے آج تو کیسی باتیں کر رہی ہے۔

وہ بے اختیار فلزا کا کندھا ہلاتے ہوئے بولیں۔

خیر ہی تو نہیں ہے دادی، یہ جو محبت ہے نا اس نے میرے وجود کے اندر اپنے پنجے گاڑھ دیے ہیں مجھے ناکارہ کر دیا ہے۔ مجھ سے میرا اپنا آپ چھین کر

بالکل تنہا کر دیا ہے مجھے۔ میں اندھی ہو گئی ہوں، دادی مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ آہستہ سے سسکی، آنسو اُس کی آنکھ سے بہہ نکلا۔ ہزار بار کہا ہے اتنا پرفیوم لگا کر گھر سے باہر نہ نکلا کرو جوان جہان اور خوبصورت لڑکیوں پر جن عاشق ہو جاتے ہیں مگر میری بات کسی کی سمجھ میں آئے تب نا''

فلزا کے سر پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے وہ دم کرنے لگیں فلزا کی حالت نے دادی کو خوف کے ساتھ ساتھ وہم میں بھی مبتلا کر دیا۔

فلزا کا اندر کا درد، وہ سمجھ ہی نہ پائیں اور سسکتی فلزا کو کندھے سے لگائے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرنے لگیں یہ ان کا فلزا کو تسلی دینے کا اپنا ہی ایک انداز تھا۔

☆......☆......☆

فلزا کو محسوس ہوا وہ شیزا سے جلنے لگی ہے۔ ہادی شیزا سے اتنی محبت اور پیار سے بات کرتا کہ اُسے شیزا پر رشک آنے لگا۔ اس نے خود پر پہلے سے زیادہ توجہ دینا شروع کر دی۔ وہ خوب بنک سک سے تیار ہوتی جس نے اُس کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جاتے وہ جان بوجھ کر ہادی کے سامنے جاتی اور منتظر رہتی ہادی کی کسی ایک ایسی نظر جس میں اس کے لیے ستائش ہو مگر جانے وہ کیسا شخص تھا جس پر فلزا کی موجودگی کا اثر کبھی بھی نظر نہ آیا اور وہ ہمیشہ فلزا کے وجود سے لاپرواہ ہی رہا۔ اُس دن وہ یونیورسٹی سے گھر لوٹی تو گیٹ کے عین سامنے ہادی کو کھڑے پا کر کھل اٹھی، گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور فوراً اس کے پاس جا پہنچی۔

''آپ کب آئے؟ اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ ہادی سے کیا بات کرے۔ ''آیا نہیں اب تو جا رہا ہوں۔'' جواب دیتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ میری واپسی سے قبل ہی چلے جاتے ہیں۔ ''ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے۔''

گاڑی کا لاک کھولتے کھولتے وہ رُک گیا۔

''دراصل شیزا کالج سے آتے ہی میتھ پڑھنے میں زیادہ انٹرسٹڈ ہوتی ہے اور مجھے بھی یہ وقت بہتر لگتا ہے کیونکہ شام کو میرے جم کا ٹائم ہوتا ہے اور پھر رات کو مجھے خود پڑھنا ہوتا ہے۔''

اس نے گاڑی کے پاس کھڑے کھڑے پوری تفصیل سے فلزا کو آگاہ کیا۔

''اچھا......'' اسے سمجھ نہ آیا کیا کہے کس طرح اس پر اپنی بے چینی واضح کرے اُسے بتائے کہ شیزا کے علاوہ بھی کوئی اس گھر میں ہے جو اس سے بات کرنا چاہتا ہے اسے دیکھنا چاہتا ہے۔

''چلو اب کسی چھٹی والے دن آؤں گا۔ پھر تم سے میٹنگ کریں گے۔''

فلزا کو لگا وہ اس کے دل کی بات جان گیا ہے۔ ضرور آنا میں انتظار کروں گی۔''

ہادی کے پاس سے آتی کلون کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتی وہ ایک جذب کے عالم میں بولی۔ اللہ حافظ۔

اگلے ہی پل ہادی گاڑی میں بیٹھ کر اُسے پُھر سے اڑا لے گیا اور وہ کتنی دیر وہاں کھڑی اس راستے کو دیکھتی رہی جس سے ہادی کی گاڑی گزر کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

جانے یہ محبت کیا ہوتی ہے
کس طرح ہمارے دلوں میں داخل ہوتی ہے
ہمیں، ہم سے ہی جدا کر دیتی ہے
اور جب یہ ہوتی ہے تو پھر کچھ اور نہیں ہوتا

شام میں وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں تیار کھڑی مما کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ عام طور پر مما اکیلے کم ہی کہیں جاتی تھیں۔

آپ کہاں جا رہی ہیں؟ وہ پوچھے بنا رہ نہ سکی۔
بازار جا رہی ہوں شیزا کے ساتھ تم نے تو رات ہی منع کر دیا تھا۔"
اسے یاد آیا رات مما نے اُسے سے پوچھا بھی تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔
"ٹیکسی میں جائیں گی۔"
خان چاچا دو دن کی چھٹی پر تھے شیزا اور مما میں سے کوئی ڈرائیونگ نہیں جانتا تھا۔
ہاں جانا تو کیب میں ہی تھا مگر ابھی ابھی ہادی کا فون آیا تھا۔ اس سے بات ہوئی تو وہ بولا تیار ہو جائیں میں لے جاتا ہوں۔"
"اوہ تو یہ ہادی کے ساتھ بازار جا رہی ہیں۔"
ماں کی بات سنتے ہی اس نے دل ہی دل میں کچھ سوچا۔ میں پندرہ منٹ میں تیار ہو کر آ رہی ہوں آپ میرا بھی ویٹ کر لیں۔ مجھے بھی کچھ کام یاد آ گیا ہے۔ شیزا کو کمرے سے باہر آتا دیکھ کر وہ جلدی سے بولی۔
"اچھا پھر تم ایسا کرو تم اور شیزا دونوں چلی جاؤ، اس کو ٹیلر کے پاس جانا ہے اور شاید ایک آدھی کوئی چیز اور لینی ہے میں تو صرف اِس کی تنہائی کے خیال سے جا رہی تھی۔
فلزا کو آمادہ دیکھ کر وہ سعدیہ نے شکر کیا کہ وہ بازار کی خواری سے بچ گئی عام طور پر خان چاچا کے ساتھ وہ دونوں بہنیں ہی بازار جایا کرتی تھیں۔ اور پھر جب وہ پندرہ منٹ بعد تیار ہو کر باہر نکلی تو ہادی آ چکا تھا۔ اس نے جیسے ہی اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا فلزا اس کے برابر جا بیٹھی، شیزا خاموشی سے پیچھے سیٹ پر بیٹھ گئی۔
پہلے کہاں جانا ہے؟ اس کی مخاطب یقیناً شیزا تھی جسے وہ بیک ویو مرر سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے ثوبیہ چلیں مجھے ہیئر کٹ لینا ہے، آج بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر آئی ہوں۔
شیزا کے بولنے سے قبل ہی فلزا بول اٹھی۔ پہلے تو ہم منال جا رہے ہیں کیونکہ شیزا کو وہاں کی کافی بہت پسند ہے۔ پھر اس کے بعد 'مرکز' جہاں سے شیزا نے ٹیلر سے اپنے کپڑے لینے ہیں۔ شیزا کی خاموشی کو محسوس کرتے ہی خود ہی ہادی نے پروگرام ترتیب دے ڈالا۔
پھر تمہیں ثوبیہ چھوڑ کر ہم وہاں سے پنڈی جائیں گے وہاں سے شیزا نے کچھ کتابیں خریدنی ہیں ٹھیک بتا رہا ہوں نا تمہارے پروگرام سے کچھ مِس تو نہیں ہو گیا۔"
اس کا مخاطب اب بھی شیزا ہی تھی۔ فلزا کا حلق اندر تک کڑوا ہو گیا۔ ایسا کریں آپ پہلے فلزا کو ثوبیہ چھوڑ دیں۔"
شیزا شروع سے ہی صلح جو طبیعت کی مالک تھی۔ اس لیے اب بھی نہ چاہتی تھی کہ فلزا کو کوئی بات بری لگے۔
نہیں مجھے بھی منال کی کافی اچھی لگتی ہے۔ اس لیے میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں، ثوبیہ پھر کسی دن چلی جاؤں گی۔"
شیزا کی پیشکش کو اس نے قطعی طور پر رد کر دیا۔ اور پھر اس دن کی شاپنگ سے فلزا کو ایک فائدہ ضرور ہوا۔ ہادی کا رویہ اس سے قدرے تبدیل ہو گیا اور کچھ نہ سہی کم از کم دونوں کے درمیان ایک دوستی کی فضا ضرور پیدا ہو گئی۔

☆......☆......☆

نرگس کا فون آیا تھا وہ چاہ رہی ہے کہ...... وہ جیسے ہی لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی، مما کا جملہ اس کے کانوں سے ٹکرایا، اس سے قبل کے پاپا ان کی بات کا کوئی جواب دیتے یک دم ان کی نگاہ فلزا پر پڑی جسے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر

رونق آ گئی اور وہ خوشی سے بھر پور لہجہ میں بولے۔
''ارے میرا شیر پتر آ گیا یونیورسٹی سے۔''
''جی پاپا'' فلزا جواب دے کر ان کے برابر ہی جا بیٹھی۔
''ہاں تو بھئی کیا کہہ رہی تھیں نرگس بھابی۔'' فلزا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے مما کو مخاطب کیا۔
''وہ اسلام آباد آنا چاہ رہی تھیں۔ میں نے کہا کہ بقر عید یہاں آ کر کریں مارے ساتھ کیونکہ مبشر بھائی تو باری کے پاس لندن گئے ہوئے ہیں۔ پیچھے سے یہ تینوں ماں بیٹا بھی گھر میں۔
مما کی بات سنتے ہی فلزا کا دل بنا کسی وجہ سے دھڑک اٹھا۔
پھر کیا جواب دیا انہوں نے۔'' فلزا کے دل میں آئے الفاظ پاپا کی زبان سے ادا ہوئے۔
''پہلے تو مان نہیں تھی رہیں، پھر مان گئیں اور یہ طے پایا کہ پہلے دن اپنے گھر قربانی کر کے رات میں یہ وہاں سے روانہ ہوں گی اور پھر باقی عید ہمارے ساتھ منائیں گی۔'' مما نے پورا پروگرام بتایا۔
''چلو یہ تو تم نے اچھا کیا، پاپا ان کے پروگرام سے پوری طرح متفق تھے۔
''فلزا دیکھو تمہیں دادی بلا رہی تھیں۔'' سعدیہ کی بات سن کر وہ سمجھ گئی کہ ان کا مقصد محض مجھے یہاں سے ہٹانا ہے وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اُسے لگا ضرور کوئی ایسی بات ہے جو مما اس کے سامنے نہیں کرنا چاہتیں۔ اس کا مطلب ہوا نرگس آنٹی کسی خاص مقصد کے تحت اسلام آباد آ رہی ہیں اور وہ خاص مقصد کیا ہو سکتا تھا بنا کسی سے پوچھے وہ سمجھ گئی۔ اور اُس کا رواں رواں خوشی سے ناچ اٹھا اور اُسے یقین ہو گیا کہ کچھ دعائیں یوں بنا مانگے بھی پوری ہو سکتی ہیں۔ جیسے کچھ ہی دنوں بعد ہادی اس کا مقدر بننے جا رہا تھا کیونکہ بڑی ہونے کے ناطے یقیناً آنے والا پہلا رشتہ اس کا ہی ہونا چاہیے تھا اور یہ خیال ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے اندر مستحکم ہوتا گیا اور ہادی بنا کسی وجہ کے اس کے حق ملکیت میں داخل ہو گیا۔
محبت انسان کو کس قدر بدل دیتی ہے۔ اس کا اندازہ ہر گزرتے دن کے ساتھ فلزا کو بھی ہونے لگا۔ اب اُسے کالے، سانولے، گندمی اور گورے سب رنگ ایک جیسے ہی لگنے لگے۔ حیرت تو یہ تھی کہ اس کا رویہ حلیمہ سے بھی کس قدر تبدیل ہو گیا بے شک حلیمہ اب بھی اس کا کوئی کام نہ کرتی تھی، مگر اب حلیمہ کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ چڑا نہ کرتی تھی۔ اس میں آنے والی یہ تبدیلی سعدیہ نے ضرور محسوس کی۔ مگر کچھ بولی نہیں۔ وہ اُسے شاید اپنی کسی دعا کا ثمر بھی جو وہ ماں ہونے کے ناطے ہمیشہ فلزا کے حق میں کیا کرتی تھی۔ دادی سمجھتی رہیں کہ فلزا پر کچھ اثر ہو گیا ہے۔ یا شاید کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ اسی سبب وہ صبح و شام اس کے لیے پانی دم کیا کرتیں اور دن میں کئی بار اس کی نظر بھی اتارا کرتیں جو بھی تھا فلزا کی شوخ و چنچل طبیعت میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا اور اب وہ انگلیوں پر دن گن رہی تھی کہ کب یہ ماہ ختم ہوگا اور نرگس آنٹی آئیں اور وہ باقاعدہ طور سے ہادی کے نام سے منسوب ہو جائے۔

☆......☆......☆

شیزا کتنی دیر سے فون پہ مصروف تھی، فلزا نے ایک دو بار ٹی وی کی آواز کم کر کے سننا بھی چاہا کہ دوسری طرف لائن پر کون ہے مگر شیزا کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ پائی لیکن جو بھی تھا دوسری طرف ضرور کوئی ایسی خاص شخصیت تھی جس سے بات کر کے شیزا کے چہرے پر چھانے والی

خوشی اور محبت کی جھلک فلزا کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ تھوڑی سی بے چین ہو گئی، اب اُسے شدت سے انتظار تھا۔

شیزا کے فون بند کرنے کا، جیسے ہی اس نے فون بند کیا فلزا نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں بڑی خوبصورت مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے کیوں خود بخود مسکرا رہی ہو۔''

اسے اس طرح مسکراتا دیکھ کر فلزا ٹو کے بنا نہ رہ سکی۔ ''ایسے ہی ہادی کی کوئی بات یاد آ گئی تھی۔''

شیزا کے غیر متوقع جواب نے فلزا کو تھوڑا سا تپا دیا۔

''یہ اس وقت تمہیں بیٹھے بٹھائے ہادی کیسے یاد آ گیا۔''

ابرو چڑھائے اپنے ناخن فائل کرتے ہوئے اس نے شیزا پر ایک نظر ڈالی۔

''بیٹھے بٹھائے یاد نہیں آئے ابھی ابھی انہوں نے فون پر مجھ سے ایک ایسی بات کی ہے جسے یاد کر کے ابھی بھی مجھے ہنسی آ رہی ہے۔''

ہادی نے ایسی کیا بات کہی جس نے شیزا کے چہرے پر مسکراہٹ کا عجیب سا نور بکھیر دیا اس بات سے فلزا کو کوئی دلچسپی نہ تھی اس کی دلچسپی کا محور صرف اتنا تھا کہ فون کے دوسری جانب ہادی تھا۔ اس سے بات کرتا شیزا کا اسٹائل، فلزا کو وہ سب سمجھا رہا تھا جو وہ سمجھنا نہ چاہتی تھی۔

''میں بلاوجہ وہم میں مبتلا ہو رہی ہوں۔''

اس نے شیزا کے سانولے سے عالم چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا میرے اور شیزا سے انتخاب اگر کوئی ایک ہو تو یقیناً کوئی بے وقوف شخص بھی مجھے ہی منتخب کرے گا۔ مجھ جیسی خوبصورت لڑکی کے سامنے شیزا جیسی عام شکل وصورت کی لڑکی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میں بلاوجہ ہی اس کو لے کر حسد اور رشک کا شکار ہو جاتی ہوں کیا ہے اس لڑکی میں......

اس نے اپنے سامنے کھڑی، اپنی سگی بہن پر ایک نظر ڈالتے ہوئے نہایت ہی خود غرضانہ انداز میں سوچا اور مسکرا دی۔

''نہ میرے جیسا اسٹائل اور نہ میرے جیسا رنگ وروپ، قد بھی ہادی کے کندھے سے نیچا، اس میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو کوئی اسے مجھ پر فوقیت دے۔''

سامنے لگے قد آدم آئینے میں اس نے اپنا اور شیزا کا موازنہ کیا خوبصورتی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتی بلکہ خوف زدہ کرتی ہے۔''

یہ خیال میں آتے ہی اس میں موجود فخر وغرور پہلے سے کئی گناہ زیادہ بڑھ گیا۔ فخر وغرور میں گھر کر اس نے شیزا سے یہ پوچھنے کی بھی زحمت نہ کی کہ وہ اتنی دیر سے ہادی سے کیا بات کر رہی تھی۔ اسے اب صرف نرگس آنٹی کا انتظار تھا جن کے آتے ہی ہادی کے جملہ حقوق اس کے نام منسوب ہو جاتے اور پھر وہ اسے ایسا اپنے قابو میں کرے گی کہ وہ شیزا کا نام بھی بھول جائے گا۔ یہ سوچ دماغ میں آتے ہی فلزا بظاہر مطمئن ہو گئی۔

☆......☆......☆

ہادی اپنے گھر گیا ہوا تھا، دو دن سے فلزا کی طبیعت خاصی بے چین تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے کچھ ہونے والا ہے اور پھر اس کے اند کا وہم اگلے دن اُس وقت سچ ثابت ہو گیا جب اُس نے سنا کہ نرگس آنٹی کا فون آیا ہے اور انہوں نے ہادی کے لیے شیزا کا رشتہ مانگا ہے۔ کتنی دیر تو اُسے یقین ہی نہ آیا کہ مما نے جو بتایا ہے وہ سچ ہے یا اس کا وہم، اس لیے تو اس نے دوبارہ تصدیق کرنا ضروری سمجھا۔

آپ کسی کے رشتہ کی بات کر رہی ہیں مما'' وہ تصدیق چاہ رہی تھی کہ جو اس نے سنا وہ صحیح ہے یا غلط۔

''شاید مجھے نام سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے شیزا اور فلزا ہمارے ناموں میں کوئی بھی خاص فرق نہیں ہے۔''

''اپنا ہادی ہے نا اُس کی بات کر رہی ہوں'' مما کی خوشی قابل دید تھی۔

''میں سمجھ گئی مگر ہادی کا رشتہ کس کے لیے آیا ہے۔ بے چینی اس کے لہجہ سے عیاں تھی۔

شیزا کے لیے ابھی تو میں نے تمہیں بتایا کہ نرگس کا فون آیا تھا۔

''وہ چاہ رہی ہیں کہ عید پر ہادی اور شیزا کی منگنی کی رسم ادا کر دی جائے۔ مما اپنے ہی دھیان میں بولیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجہ میں چلائی۔

''شیزا کا رشتہ ہادی کے ساتھ ناممکن بے یقینی اس کے لہجہ سے عیاں تھی۔

''کیا بات ہے فلزا کیا بولے جا رہی ہو۔''

مما نے اُسے کندھے سے تھام کر ہلایا۔ آپ کیسی ماں ہیں ہر جگہ شیزا کو مجھ پر فوقیت دے دیتی ہیں۔ سعدیہ کا ہاتھ اُس نے اپنے کندھے سے جھٹکتے ہوئے کہا۔ سعدیہ کو محسوس ہوا وہ رو رہی ہے۔ وہ ایک دم ساکت ہو گئیں۔

'' فلزا کیا بات ہے ؟ تم کیوں رو رہی ہو۔'' ماں تھیں فلزا کا رونا انہیں پریشان کر گیا۔

''آپ جانتی ہیں نا میں شیزا سے بڑی ہوں۔ اس ناطے ہادی پر پہلا حق میرا تھا۔'' روتے ہوئے اس نے جو الفاظ کہے وہ سعدیہ کو ہلا گئے۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا۔'' وہ بے اختیار اُسے جھنجھوڑ بیٹھیں۔

تم ہوش میں ہو فلزا، میں ہادی کی بات کر رہی ہوں۔ وہ ہادی جو کالا اور سوکھا سا تھا اور جسے تم نے شروع سے ہی ناپسند کرتی رہی ہو۔ پھر اب ایک دم کیسے یہ سب تمہارے دماغ میں کہاں سے۔'' فلزا کے اس طرح رونے نے ان کا دماغ سلگا دیا تھا۔

''ایک دم نہیں آیا مما یہ تو اس دن سے ہی آ گیا تھا جس دن آپ نے مجھے اپنی اور نرگس آنٹی کی گفتگو کے متعلق بتایا تھا۔''

اس نے وقت کی نزاکت سمجھتے ہوئے جھوٹ کا سہارا لیا کیونکہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔'' مگر بیٹا اس دن تو تم نے مجھے صاف انکار کر دیا تھا۔ جس کی گواہ تمہاری دادی بھی ہیں۔''

سعدیہ کو سمجھ نہ آیا کہ اس سارے معاملے میں ان سے کہاں غلطی ہوئی۔

''وہ میری جذباتیت تھی مما، مگر آپ تو سمجھ دار تھیں۔ ماں ہونے کے ناطے آپ کو تو پتا چلنا چاہیے تھا کہ میرے دل میں کیا ہے مگر نہیں آپ نے ہمیشہ کی طرح شیزا کے دل کا خیال رکھا اور مجھے نظر انداز کر دیا۔

سعدیہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے ان کے سامنے دونوں ان کی ہی بیٹیاں تھیں۔ اب ان کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کس کا ساتھ دیں بہر حال جو بھی تھا فیصلہ شیزا کے حق میں ہو چکا تھا۔

انہیں صرف ایسا محسوس ہوا جیسے صرف اس کی ضد میں ہی فلزا ہادی کی طرف متوجہ ہوئی ہے ورنہ تو اُسے کالا یا سانولا رنگ ہمیشہ قابل نفرت لگا پھر یہ کایا کیسے پلٹ گئی ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''بہر حال مما میں ہادی کے بغیر نہیں جی سکتی، آپ پلیز نرگس آنٹی سے بات کریں۔ انہیں سمجھائیں کہ بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے چھوٹی کا رشتہ نہیں طے کیا جا سکتا امید ہے وہ آپ کی بات

سمجھ جائیں گی۔''

ایک بار پھر اپنی مرضی کا نتیجہ حاصل کرنے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

''بہت مشکل ہے بیٹا کیونکہ یہ فیصلہ ہادی کا ہے۔'' دھیمے لہجے میں دیے گئے ان کے جواب نے فلزا کو عرش سے اٹھا کر فرش پر پھینک دیا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا مما ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ بے یقین تھی۔

نہیں فلزا یہ غلط فہمی نہیں ہے بچی حقیقت ہے جو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ اس لیے بہتر ہوگا بیٹا تم اپنے دل سے ہادی کا خیال نکال دو اور اس حوالے سے جو کچھ بھی تمہارے اندر ہے اسے آج ہی ختم کر دو جو بات تمہارے اور میرے درمیان ہوئی اسے دوبارہ کسی کے سامنے کرنا کیونکہ اس میں نہ صرف تمہاری بلکہ ہم سب ہی بے عزتی ہے۔ ہادی اب تمہارا ہونے والا بہنوئی ہے۔ اس کی عزت اُسی حوالے سے کرو اس کے علاوہ کوئی اور خیال دل میں مت لاؤ۔ ورنہ شیزا کا دل برا ہوگا۔

وہ فلزا کو کسی غلط فہمی میں نہ رکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے سب کچھ کھل کر صاف صاف سمجھا دیا۔

ایسا نہیں ہو سکتا مما یہ میرے ساتھ زیادتی ہوگی اگر آپ سب نے اس سلسلے میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہ کی تو میں اپنی جان دے دوں گی لیکن ہادی کو کبھی اپنا بہنوئی نہیں تسلیم کروں گی، اس لیے بہتر ہوگا کہ وہ اگر میرا نہ ہو تو آپ شیزا کے لیے بھی نرگس آنٹی کو منع کر دیں۔''

حتمی انداز میں کہتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی۔

مگر جاتے جاتے سعدیہ کو ایک ایسے عذاب میں مبتلا کر گئی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ فی الحال انہیں دکھائی نہ دیا۔

☆......☆......☆

دیکھو بیٹا اپنی ضد چھوڑ دو۔ ہادی میں ایسا کیا ہے جس کے لیے تم اس قدر ہلکان ہو رہی ہو۔ اپنی شکل دیکھو دو دن میں سالوں کی بیمار لگنے لگی ہو۔''

دادی نے فلزا کے بال سنوارتے ہوئے اُسے ایک بار پھر سے سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ جانتی تھیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ وہ شروع ہی سے اپنی ہر بات منوانے کی عادی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ دادی اس میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ مجھے اس سے محبت ہے اور بس۔

''مگر بیٹا بات تو تب بنے گی جب وہ تجھ سے محبت کرے۔''

دادی نے اس کے ٹھنڈے ٹھار ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلائے۔

''آپ نے تو کہا تھا دادی شادی کے بعد ہر لڑکی کو اپنے شوہر سے محبت ہو جاتی ہے اسی طرح شیزا کی کسی سے بھی شادی ہوگی وہ خود بخود اپنے شوہر سے محبت کرنے لگے گی۔'' اپنی بات کی تصدیق کے لیے اس نے دادی کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ گہری سانس لی اور بات کو دوبارہ شروع کیا۔

''اسی طرح نکاح کے بعد ہر لڑکا خود سے منسوب لڑکی کو محبت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے سو ہادی بھی ہو جائے گا بلکہ میں اس سے اتنی محبت کروں کہ وہ شیزا کو بھول جائے گا، اس نے دادی کے الفاظوں کا سہارا لے کر انہیں قائل کرنا چاہا۔

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے بیٹا، جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔'' ''تو پھر آپ لوگ نرگس آنٹی کو منع کر دیں تا کہ کسی بھی حوالے سے ہادی اس گھر میں داخل نہ ہو۔ اس طرح کم از کم ہم دونوں بہنوں کے آپس کے تعلقات خراب نہ ہوں گے۔

یہ ہی مشورہ اُس نے سعدیہ کو بھی دیا تھا۔

ٹھیک ہے میں تمہاری ماں کو سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ دادی کی اتنی تسی ہی اس کے لیے کافی تھی۔

☆......☆......☆

افوہ اماں آ کر آپ سمجھتی کیوں نہیں ہے شیزا اور ہادی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، پھر میں کس طرح فلزا کی بے کار کی ضد کے آگے ان دونوں کی محبت داؤ پر لگا سکتی ہوں۔

دادی فلزا سے وعدہ کر کے آئی تھیں کہ وہ سعدیہ کو ہادی کے رشتہ سے انکار کرنے پر آمادہ کر لیں گی۔

''دیکھو بہو، بیٹیاں تو دونوں تمہاری ہی ہیں پھر سوچو ذرا ایک بیٹی کے دل کی دنیا اجاڑ کر تم دوسری کو کس طرح آباد کرو گی۔''

''دوسری کا تو دماغ خراب ہے اس نے ہر بات کو معمول سمجھ رکھا ہے۔ جب چاہا رنگ وروپ کو بنیاد بنا کر انکار کر دیا اور جب چاہا اس کی محبت میں آہیں بھرنے لگی، اُسے سمجھائیں اماں اس طرح بچگانہ حرکتوں سے زندگی نہیں گزرتی بلاوجہ اپنی اور ہم سب کی زندگیاں خراب کر رہی ہے۔

اتنے دنوں کی بحث نے سعدیہ کے اعصاب کو شل کر دیا تھا وہ یہ سب ظہیر سے چھپ کر کر رہی تھیں۔ ابھی انہیں کسی بات کا علم نہ ہوا تھا ورنہ گھر میں وہ فساد ہوتا کہ الامکان وہ تو صاف صاف نرگس کو منع کر دیتے اور اس طرح شیزا کا نقصان ہوتا جو وہ نہ چاہتی تھیں۔ دوسری طرف شیزا تھی جو کئی دنوں سے گھر میں ہونے والی عجیب وغریب کہانی کو دیکھ اور سن ضرور رہی تھی مگر فی الحال خاموش تھی۔ جانتی تھی کہ اس کی ماں اس کی بہترین وکیل ہے۔

☆......☆......☆

فون کب سے بج رہا تھا، فلزا نے کمرے سے نکل کر دیکھا باہر کوئی بھی نہ تھا۔ اس سے قبل کہ وہ اسٹینڈ تک پہنچتی حلیمہ نے ریسور اٹھا لیا۔

السلام وعلیکم ہادی بھائی میں آپ کو ہی یاد کر رہی تھی۔

اس کی چہکتی آواز اس بات کی غمازی تھی کہ اس نے ابھی تک فلزا کو نہیں دیکھا۔

کس کا فون ہے؟ فلزا اس کے سر پر جا پہنچی۔

وہ جی ہادی بھائی کا...... اس نے فوراً ڈر کے مارے ریسور اُسے تھما دیا۔ السلام وعلیکم...... فون کان سے لگاتے ہی ہادی کی آواز سماعت کے ذریعے دل میں گھر کر گئی۔

وعلیکم السلام اتنے دنوں بعد تمہاری آواز سنی یقین نہیں آ رہا کہ تم ہی ہو وہ ایک دم ہی آپ سے تم پر آ گئی، ادب وآداب کے سارے مراحل اس نے منٹوں میں ہی طے کر لیے۔

شیزا کہاں ہے کب سے اُسے فون کر رہا ہوں سیل آف جا رہا ہے اس کا۔ ایسے جیسے ہادی نے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

''پتا نہیں شاید کہیں باہر گئی ہے، وہ گھر کب ہوتی ہے فون آف کر دیا ہوگا تا کہ تم سے بات نہ کرنا پڑے۔ آپ پہلی بار موقع ملا تھا شیزا کے خلاف ہادی کا دل خراب کرنے کا اور وہ یہ موقع کھونا نہ چاہتی تھی جانے دوبارہ ملے یا نہ ملے۔

نہیں اس کے سیل کی بیٹری کچھ پرابلم کر رہی ہے چارج جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے ہی مرحلے پر وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئی۔

اللہ حافظ میں آنٹی کے سیل پر اس سے بات کر لیتا ہوں۔

اور ہاں ایک منٹ...... اس سے پہلے کہ وہ فون رکھتی ہادی کی آواز ایک بار پھر اس کے کان سے ٹکرائی۔

''جب تک آپ کو کسی کے بارے میں درست بات کا علم نہ ہو اسے آگے تک مت پہنچائیں اس طرح آپ کا اپنا امیج دوسروں کی نظر میں خراب ہوتا ہے۔''

یہ کہہ کر بنا جواب دیے ہادی نے فون بند کر دیا وہ کیا کہنا چاہتا تھا فلزا سمجھ گئی، محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ اپنے مطلب کا محاورہ اُسے بر وقت یاد آ کر مزید شرمندگی سے بچا گیا۔

☆......☆......☆

ایک ماہ کیسے گزرا اُسے پتا بھی نہ چلا، لاکھ اُس کی کوشش کے باوجود بقر عید کا دن بھی آ گیا۔ اس پورے عرصے میں اس کے اور شیزا کے درمیان رسمی سی بات رہ گئی تھی۔ جو ہوتی تھی ورنہ ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی بن گئیں۔ جس میں سارا قصور فلزا کا تھا، فلزا کی خاموشی سے مما نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے، مگر ایسا نہ تھا۔ فلزا جیسے لوگوں کو بہت مشکل سے کوئی بات سمجھ آتی ہے وہ بھی اس وقت جب تک وہ سمجھنا چاہیں، چاند رات تھی اور وہ صبح سے ہی بے چین تھی۔ ایک دن بعد نرگس آنٹی نے آ کر شیزا کو ہادی کے نام کی انگوٹھی پہنا دینی تھی اور وہ فریق کی طرح کھڑی تماشا دیکھتی رہ جاتی ایسا وہ نہ چاہتی تھی اپنی ہر کوشش میں ناکامی کے بعد اس کے پاس ایک ہی راستہ باقی بچا تھا وہ یہ کہ وہ شیزا سے بات کرے۔ جانتی تھی شیزا شروع ہی سے بے وقوف ہے ضرور بہن کے آنسو دیکھ کر پگھل جائے گی۔ یہ خیال دل میں آتے ہی وہ مطمئن ہو گئی اسے موقع کا انتظار تھا کیونکہ شیزا کو اپنا ہم نوا بنانا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ رات ابو بکرا منڈی چلے گئے تو وہ دونوں بہنیں خان چاچا کے ساتھ مہندی لگوانے قریبی بازار آ گئیں اور وہیں فلزا نے شیزا سے بات کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔

''شیزا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

پارلر میں رش کے باعث وہ دونوں انتظار گاہ میں تھی۔ ''میرا خیال ہے ہادی کے علاوہ کوئی دوسری ضروری بات نہ ہو گی آپ کے پاس مجھ سے کرنے کے لیے ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔''

اس کا اندازہ بالکل درست تھا، فلزا نے شکر ادا کیا وہ تمہید باندھنے کے عمل سے بچ گئی۔

میرا خیال ہے تم سمجھ چکی ہو میں کیا کہنا چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہ کرو گی۔ اس نے بے اختیار ہی شیزا کے ہاتھ تھام لیے۔

''ایک بات کہوں فلزا۔'' اس نے فلزا کے ہاتھوں میں تھما ہاتھ آہستہ سے چھڑوا لیا۔ آپ کے ساتھ صرف ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ شروع سے ہی جو چیز میں نے اپنے لیے پسند کی آپ کو بھی وہ ہی پسند آئی اور میں آپ کی محبت میں اپنی ہر پسندیدہ چیز آپ کو دینے لگی اپنے پسندیدہ کپڑے، جوتے، جیولری سب کچھ، اس لیے نہیں کہ میں آپ سے ڈرتی ہوں بلکہ اس لیے کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور اس محبت کی وجہ آپ کی خوبصورتی نہ تھی بلکہ وہ خونی رشتہ تھا جو میرے اور آپ کے درمیان تھا۔ آپ میری اکلوتی بہن تھیں آپ کے علاہ میرے پاس اور کوئی رشتہ نہ تھا۔ میں نے ہمیشہ آپ کے حوالے سے مثبت انداز میں ہی سوچا جبکہ آپ کی سوچ میرے حوالے سے نفی میں ہی رہی۔'' وہ سانس لینے کے لیے رُکی۔ اُس کی باتیں فلزا کو حیران کر رہی تھیں اُسے اُمید نہ تھی کہ شیزا اس سے اس طرح بات کرے گی شاید ہادی کی محبت نے شیزا کو اعتماد بخش دیا تھا۔

مجھے میری محبت نے ہمیشہ 'دینا' سکھایا ہر وہ چیز جو آپ نے مجھ سے مانگی میں نے اپنی محبت میں آپ کو دے دی اور مجھے حیرت ہے آپ نے نفرت اور محبت دونوں میں صرف دوسروں سے لینا ہی سیکھا، دوسروں کی ہر وہ چیز جو انہیں پسند ہو آپ

چھین لینا چاہتی ہیں۔ میری نفرت میں آپ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا اور اب ہادی کی محبت میں آپ اسے مجھ سے چھیننا چاہتی ہیں مگر فلزا ہادی کوئی بے جان چیز نہیں ہے جسے میں آپ کی محبت میں دان کردوں۔ ہادی ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور معاف کیجیے گا میں اپنا سب کچھ آپ کو دے سکتی ہوں مگر ہادی نہیں ہاں البتہ اگر پھر بھی آپ کی تسلی نہ ہو تو آپ ہادی کے سامنے اپنا دامن پھیلا کر دیکھیں شاید کچھ حاصل ہو جائے۔

شیزا کے الفاظ تھے یا انگارے، فلزا ایک دم شرمندہ ہو گئی، اس نے سوچا نہ تھا کہ شیزا کبھی اس سے اس طرح بات کرے گی۔ وہ تو ہمیشہ اس کی عزت کرتی آئی تھی۔ پھر آج کیا ہوا شاید سارا قصور اسی کا تھا اُس نے صرف اپنی انا اور ضد کی خاطر اپنی چھوٹی بہن کے ہاتھوں اپنی عزت بھی گنوا دی۔

اُسے افسوس ہوا کہ کاش وہ اپنی ماں کی بات مان کر اپنے جذبات صرف ان تک ہی رہنے دیتی تو آج اس طرح شرمندہ نہ ہوتی۔ ہادی صرف شیزا کا تھا یہ یقین اُس کے لہجہ میں بول رہا تھا فلزا ہار گئی تھی۔ اُس کے دل میں ہادی کی محبت یک طرفہ تھی اور یک طرف محبت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اپنی آنکھوں میں آئے آنسو اس نے دل ہی میں اتار لیے۔

☆......☆......☆

سامنے صوفے پر وائٹ سوٹ میں سجی سنوری شیزا بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ فلزا نے ایک بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ جہاں محبت کا نور بکھرا ہوا تھا اس کے قریب بیٹھا شخص خوش و خرم ہادی، ایک مکمل کپل ان دونوں کے درمیان وہ کہیں نہ تھی۔ سب خوش تھے سوائے اس کے میں نے بلاوجہ محبت نامی روگ پال لیا۔

''مجھے حلیمہ کی بد دعا لگ گئی ہے جو میری زندگی سے خوشی رخصت ہو گئی۔'' دور کھڑی سجی سنوری حلیمہ کو دیکھتے ہی پہلا خیال اس کے دل میں یہ ہی آیا۔

''سچ ہے میں جتنا اس کے رنگ روپ سے نفرت کرتی رہی اتنا ہی مجھے ویسے ہی رنگ روپ والے مرد سے محبت ہو گئی۔ جس کے نزدیک میری خوبصورتی کی کوئی اہمیت نہ تھی مگر اس محبت میں ناکامی کا ایک فائدہ ضرور ہوا مجھے کم از کم اپنی اوقات ضرور یاد آ گئی۔ اور یہ احساس کہ خوبصورتی کا تعلق دل سے ہوتا ہے چہرے سے نہیں۔'' یہ سوچتے ہی وہ ہلکا سا مسکرا کر اپنی جگہ اٹھ کھڑی ہوئی تاکہ شیزا اور ہادی کے پاس جا کر انہیں مبارک باد دے سکے۔ اب اُس کے دل میں جو کچھ بھی تھا وہ اُسے دنیا سے چھپانا تھا اور نہ دنیا جیسے نہ دیتی محبت کا رنگ تو تاعمر جو وہ اپنے دل میں پال چکی تھی مگر اب یہ روگ دنیا کے سامنے تشہیر کر کے بدنام ہونے سے بہتر تھا جو کچھ اسے قبول کر کر کے زندگی گزاری جائے اور اسی سوچنے اُسے تھوڑا سا مطمئن کر دیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ چلتی شیزا کے قریب آ گئی دور کھڑی سعدیہ نے دیکھا وہ بہت ہنس ہنس کر ان دونوں سے بات کر رہی تھی۔ اُسے اس طرح ہنستا دیکھ کر ایک اطمینان سا ان کے چہرے پر آ گیا۔

شکر ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ورنہ بہت مشکل ہو جاتی۔ اپنے قریب بیٹھی اماں بی کے کان میں انہوں نے سرگوشی کی، جس کی تصدیق انہوں نے صرف سر ہلا کر کی کیونکہ وہ فلزا کو اچھی طرح جانتی تھیں وہ ان لوگوں میں سے تھی، جنہیں کبھی اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ وقت اور حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں، اور یہ ہی ان کے لیے بہتر ہوتا ہے وہ سمجھ گئی تھیں کہ فلزا نے بھی سمجھوتہ کر لیا ہے۔

☆☆......☆☆

محبت میں ملاوٹ کر دیتے تو ہم کبھی بھی نہ ملتے یہ سچ ہے عبدالہادی۔'' وہ خوشی سے مسرور تھی آج جیسے شکر ادا کرنے کے لیے لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔ ''ہاں درشہوار محبت میں ملاوٹ کر لینے والے کبھی سرخرو نہیں ہوتے چاہے کچھ بھی کر لیں ہماری ہر صبح روشن......

''اہل کیا تم نہیں جانتیں کہ میں اُس سے کتنا کتنا...... کتنا شدید پیار کرتی ہوں......؟؟ تم مجھے کہتی ہو میں صبر کروں......؟؟ میں کیسے صبر کروں اہل! تم بتاؤ کوئی ایسا راز ہے جس سے سورج بھی نہ نکلے اور نیا دن چڑھ جائے؟ کیا کوئی ایسا حل ہے کہ پانی بھی نہ پینا پڑے اور پیاس مٹ جائے......؟؟ ٹیل می...... کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ سانس لیے بغیر انسان زندہ رہ پائے...... بتاؤ نا ہے کوئی ایسا طریقہ......''

وہ پاگلوں کی طرح اپنی آنکھوں میں لہو رنگ

بھرے اپنے منہ سے بلا سوچے سمجھے بہت مشکل سوالات اپنے سامنے کھڑی امل سے کر رہی تھی۔ کوئی راز، کوئی حل طریقہ ہوتا تو وہ اپنی زبان کھولتی۔ وہ سناٹے میں تھی اُس کی شدت، اس کی جذباتیت، اس کا جنون...... امل کی روح کانپ رہی تھی۔

''میں نہیں مانوں گی...... کبھی نہیں۔'' اس کا فیصلہ اٹل تھا۔

''امل میرا سب کچھ اس کا ہے سب کچھ، میری روح، میرا جسم، میری زندگی، میری موت، میری سانسیں میرا خون، میں سب کچھ اس کو سونپ چکی ہوں۔'' وہ چلا چلا کر حلق پھاڑ پھاڑ کر، بے خوف ہو کر بتا رہی تھی۔ اتنی نڈر، اتنی بے خوف، اتنی بے باک کیا یہ ہر وقت ہنسنے ہنسانے والی دُرِشہوار ہی ہے؟؟'' امل مجسمہ حیرت تھی۔

''تم مجھے صبر کی تلقین مت کرنا۔ نا ہی مجھے کسی بھی عمل کے لیے روکنا...... میں بتا رہی ہوں میں کچھ بھی کرنے کے لیے نہیں رکوں گی، کبھی بھی نہیں ؟؟اس کے بغیر جینا ناممکن ہے ناممکن......'' وہ قطعی انداز سے کہتی ہوئی امل کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور پھر بے بس ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امل کو اپنی پیاری بہت پیاری دوست پر بے تحاشا ترس آیا تھا۔ امل نے اسے گلے سے لگا لیا اور خود بھی رونے لگی۔

''امل تم امی کو بتا دو تم بابا کو بتا دو کہ میں بہت بہت پیار کرتی ہوں اس سے۔ مجھے اس کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنی ہے۔'' وہ چھوٹے بچوں کی طرح ضد کر رہی تھی۔

''بتا دوں گی شہوار، سنبھالو خود کو۔'' امل نے لرزتے لب کھولے تھے۔

''امل تم بابا کو بتا دو کہ......'' وہ ایک جھٹکے سے دور ہوئی تھی اور بولتے بولتے رُک گئی۔

''کیا امل کا دل کانپنے لگا۔

''بابا کو بتا دو کہ اگر زبردستی کی گئی تو اس بار اس محل جتنے بڑے گھر میں اس سے بھی برا ہوگا جو پانچ سال پہلے ہوا تھا۔'' وہ نہایت دکھ بھرے انداز میں قطعاً کہہ رہی تھی۔ امل کو اپنے حواس قابو میں رکھنا دشوار ہوگئے۔ وہ ساتھ ہی رکھی کرسی پر زبردستی خود کو سنبھال کر بیٹھ گئی۔

یہ کسی کہانی، ڈرامے کا فلم کا سین نہیں تھا بلکہ یہ تو ایک حقیقت تھی جو وہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔ وہ ایک لڑکی ہی تھی بہت خوبصورت لڑکی وائٹ لباس میں ملبوس پریوں کا سا حسن وسراپا لیے نازک پھولوں جیسی پر وہ پہاڑی کے بالکل اوپر Peak پر کیوں جائے جا رہی تھی۔ تیز تیز جیسے خودکشی کا ارادہ رکھتی ہو۔ پہاڑی کے اس پار تو کوئی کھائی تھی۔ بہت گہری کھائی تھی۔ وہ لڑکی بہت تیزی سے چڑھ رہی تھی۔ وہ گر گئی تو بچ نہ پائے گی۔

عبدالہادی کا دماغ تیز میٹر کی طرح گھوما تھا سارے حواس بحال ہو گئے تھے وہ تیزی سے اس کے پیچھے جانے لگا۔

''اے لڑکی...... سنو لڑکی...... تم وہاں کیوں جا رہی ہو......؟؟ تم گر کر مر جاؤ گی...... تم آگے مت جاؤ......'' وہ حیرت وخوف سے چلا چلا کر اس کو بلا رہا تھا، پر شاید اس کی آواز سن چکی تھی اور اسی وجہ سے اس کے قدموں میں اور تیزی سے آ گئی تھی۔ عبدالہادی کے قدم اور بھی تیز ہو گئے اور بالآخر عبدالہادی نے پھرتیلے انداز میں پہنچتے ہی اس لڑکی کا بازو تیزی سے اپنی طرف کھینچا تھا اور اس سرعت اور جلد بازی کے انداز میں وہ دونوں ہی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے اور پہاڑی پر دھڑام سے

گر گئے۔ وہ دونوں نیچے کی طرف گرتے جا رہے تھے۔ عبدالہادی نے اس لڑکی کا بازو چھوڑا نہیں تھا بلکہ اور بھی سختی سے پکڑ لیا تھا۔ وہ دونوں گر رہے تھے۔

فرق صرف اتنا تھا کہ ان کا رُخ کھائی کی طرف نہیں بلکہ پتھریلی سڑک کی طرف تھا۔ کتنے ہی نوکیلے پتھر دونوں کو زخمی کر چکے تھے۔

☆......☆......☆

''ایسا نہیں ہوسکتا وہ مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہے؟'' دِرشہوار حیرت و کرب کا شکار تھی۔ وہ بے یقینی سے کمروں کے چاروں اطراف گھوم کر دیکھ رہی تھی۔ ہر چیز پہ سناٹا تھا۔ ہر چیز پتھریلی تھی۔ رکی ہوئی سانسوں کی طرح۔ دِرشہوار کا دماغ کسی گرداب میں پھنس رہا تھا۔ بے یقینی کا پہاڑ اس کے اوپر آ گرا تھا۔

''نہیں...... یہ لکھائی اس کی نہیں ہے۔'' وہ ہاتھ سے پکڑے کاغذ کو اپنی آنکھوں کے بہت قریب لا کر دیکھ رہی تھی۔

''میں آپ کے بابا کو بھی کوئی بھی صدمہ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا دِرشہوار...... آپ میری پسند ضرور ہو مگر محبت نہیں، جو آپ کی خاطر میں ہر حد سے گزر جاؤں۔''

''نہیں نہیں یہ لفظ یہ الفاظ یہ جملے اس کے نہیں ہیں۔'' وہ چلانے لگی تھی۔ دل پاتال میں جا رہا تھا۔ اپنے وجود کو کسی جلتی ہوئی بھٹی کے اندر گرتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

''میں یہاں سے اپنی مرضی سے جا رہا ہوں مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا۔ آپ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا کیوں کہ اگر میں دوبارہ آپ کو مل بھی گیا تب بھی آپ کا نہیں ہو پاؤں گا۔ کیوں کہ آپ کے پاپا نے آپ کی شادی طے کر دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایک بہت اچھی زندگی گزارو گی۔''

''کوئی کہانی اور کچھ ناگہانی سی آفت، کوئی دعا تھی یا کوئی بددعا تھی، کوئی سمجھوتہ تھا یا مصلحت، ہر لفظ اس تحریر کا اپنے اندر ایک بھید چھپائے ہوئے تھا۔

''نہیں...... کبھی نہیں! تم میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ نہیں کر سکتے۔ تم مجھے اتنی بڑی بددعا دے کر نہیں جا سکتے۔'' دِرشہوار نے جنونی انداز سے چلاتے ہوئے وہ کاغذ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

''تم کہاں ہو......؟ تم باہر آؤ تم یہیں کہیں چھپے ہو۔ وہ مشتعل ہو کر چلا رہی تھی اور طیش میں آ کر اس کے کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر زمین پر مار رہی تھی۔

''باہر آؤ ہادی! باہر آؤ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔'' اس کا سب کچھ چھن گیا تھا۔ وہ واش کا دروازہ کھول کر پکارنے لگی پھر بھاگتی ہوئی واپس آ کر کمرے کے تمام پردے ہٹا ہٹا کر دیکھنے لگی۔ پورا وجود شدت سے کانپ رہا تھا اس کا۔ وہ بے قابو ہو رہی تھی۔ عبدالہادی وہ پوری شدت سے چلا رہی تھی۔ عبدالہادی تمہارے بغیر میں ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنے بال نوچنے لگی۔ اس کا خزانہ جیسے زمین کے اندر دفن ہو گیا تھا وہ باہر نہیں نکال پا رہی تھی۔

''عبدالہادی واپس آ جاؤ پلیز واپس آ جاؤ۔'' اس کے شیشے کا گلاس اٹھا کر سامنے رکھے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر زور سے مارا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

''عبدالہادی۔'' ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں میں عبدالہادی کی شکل نظر آئی تھی۔ وہ لمحے کے

ہزارویں حصے میں ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کے پاس پہنچ گئی۔ پر یہ کیا...... ان کے اندر تو وہ خود بھی ٹوٹی پھوٹی دُرِ شہوار لہولہو، نوحہ کناں دُرِ شہوار، پاگل دُرِ شہوار جنونی دُرِ شہوار وہ خود کو بہتی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور پھر ایک بڑا نوک دار ٹکڑا اپنے ہاتھ میں اٹھا کر تیزی سے اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی کاٹنے لگی۔ ''آجاؤ عبدالہادی آجاؤ۔'' ابلتا خون اور مدھم آواز۔

پورا کمرہ عجب حالات بیان کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایک نوکیلا پتھر اس لڑکی کے سر سے ٹکرا کر اس کو زخمی کر چکا تھا اور خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ پکی سڑک پر گرتے ہی عبدالہادی نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ خراشیں اور چوٹیں اس کو بھی آئی تھیں۔ پر وہ ہوش میں تھا جبکہ وہ اپنا ہوش کب کا کھو چکی تھی۔ عبدالہادی خود کو سنبھال کر فوراً اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ بے ہوش سڑک پر پڑی تھی۔ خون نکلنے کی وجہ سے رنگ پیلا زرد ہوتا جا رہا تھا۔ عبدالہادی نے تیزی سے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور بھاگتا ہوا سڑک پر دائیں طرف مڑ گیا' جہاں سے کچھ ہی دور اس کا چھوٹا سا ہٹ (گھر) تھا۔''

''پتا نہیں کون ہے یہ...... کیا چاہتی تھی...... اور یہ کیا ہو گیا۔ اللہ خیر کرے......'' وہ ہم کلامی کرتا ہوا اس کو بیڈ پر لٹا کر فرسٹ ایڈ بکس کھول رہا تھا۔ نہایت سرعت سے پٹی اور آیوڈین نکال لی تھی اور اس کا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ کر کاٹن سے صاف کرنے لگا۔

پھر چھوٹی قینچی لے کر اس نے تھوڑے سے بال کاٹ کر زخم صاف کیا تھا۔ خون رک چکا تھا۔ عبدالہادی نے اس بے ہوش لڑکی کو پٹی باندھ کر لٹا دیا تھا اور پھر خود اپنی شرٹ اتار کر اپنے زخموں سے رستا خون صاف کرنے لگا۔

وہ تقریباً دو گھنٹے بعد ہوش میں آئی تھی۔ ''پانی پانی......اس کے گلابی لبوں سے لفظوں کی صورت صرف اتنا ہی نکلا تھا۔ عبدالہادی نے پانی کا گلاس بھر کر اس کے پاس بیٹھ کر اس کو سہارا دے کر اٹھایا اور پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

لڑکی نے بند آنکھیں بمشکل کھولنے کی کوشش کی تھی پر کامیاب نہ ہو سکی۔ عبدالہادی نے اس کو دوبارہ لٹا دیا اور خود کمرے سے باہر آ گیا ہو سکتا ہے اس لڑکی کے گھر والے اس طرف اس کا اتا پتا لینے ضرور آئیں۔

وہ اپنے گھر سے نکل آیا مگر سڑک دور دور تک خالی تھی۔ یہ گھر عبدالہادی نے خود اپنی پسند سے مری کے خوبصورت پُر فضا سنسان سے علاقے میں خریدا تھا۔

سرسبز پہاڑ اور لمبی سڑک اور سڑک کے اس پار نیلی جھیل وہ ہفتے میں دو دن ادھر ہی گزارتا تھا۔ ہفتہ اور اتوار اس کا ویک اینڈ اِدھر ہی گزرتا تھا۔

وہ کافی دیر اُدھر ہی کھڑا رہا تھا اور پھر تھک کر واپس گھر آ گیا۔ کمرے میں وہی ماحول تھا۔ عبدالہادی زچ ہو کر اس لڑکی کے قریب آ گیا۔ ''سنو! اٹھ جاؤ آنکھیں کھولو!!'' وہ اپنی فطری نرم آواز لہجے میں بول رہا تھا۔ دیکھو تمہاری جان بچ گئی ہے۔'' وہ اس کا گال تھپتھپانے لگا۔ اس نے اس کے ہاتھ پکڑ کر ہلائے تو اس کے بے جان وجود میں جیسے کچھ جان سی آ گئی تھی۔ بند آنکھیں وا ہوئیں تھیں، ساکت ہونٹوں میں جنبش ہوئی تھی۔

''کون؟ تم کون ہو......؟؟'' لڑکی عبدالہادی کو دیکھتے ہی پہلا سوال کر رہی تھی۔ ''میں جو کوئی

بھی ہوں تم اس بات کا شکر مناؤ کہ اللہ پاک نے میرے ذریعے تمہاری جان بچائی ہے تم کیوں ادھر پہاڑی کی طرف جا رہی تھیں......؟؟ تم کیا پاگل ہو؟؟''

عبدالہادی کو غصہ آنے لگا، وہ سختی سے بول رہا تھا اور پھر جیسے اس لڑکی کو سب کچھ یاد آ گیا وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کو دیکھنے لگی اور پھر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی ''تم کون؟ تم...... کیوں بچایا مجھے تم نے؟ کس نے حق دیا تمہیں مجھے بچانے کا؟ کیا سوچ کہ تم نے یہ ثواب کا کام کیا ہاں......؟؟''

وہ پوری طاقت سے چلا کر بپھری ہوئی شیرنی بن کر پوچھ رہی تھی۔ ''تم نے ثواب نہیں گناہ کا کام کیا ہے سمجھے تم...... میں اپنی مرضی سے ختم کر رہی تھی اپنے آپ کو میں نجات دلا رہی تھی۔ خود کو اس جہنم سے جس کا نام ''دنیا'' ہے۔ وہ عبدالہادی کا گریبان سختی سے پکڑ چکی تھی۔ وہ غصے میں تھی طیش میں تھی، کرب میں تاسف میں کیا کچھ نہیں تھا۔ اس کے ہر انداز میں عبدالہادی سناٹے میں چلا گیا۔

تم نے پھر مجھے اس بے رحم سفاک خود غرض دنیا کے ستم اٹھانے کے لیے بچا لیا...... کیوں؟ کیوں؟ وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ ''تم پاگل ہو کیا چھوڑو میرا گریبان۔'' عبدالہادی نے ہوش میں آتے ہوئے جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔'' اور بند کرو یہ رونا دھونا سمجھی تم۔

''وہ پہلی بار اس قدر زور سے دھاڑا تھا۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی پر آنکھیں آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔ وہ عبدالہادی کو گھور رہی تھی۔'' دیکھو تم جو کوئی بھی ہو۔ تمہاری جو دکھ بھری کہانی ہے مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔'' وہ قدرے نرم ہو کر اس کے سامنے بیٹھا بول رہا تھا۔ ''خودکشی کرنا حرام ہے اور حرام یا غلط کام جہاں بھی ہوتے ہوئے دیکھو اس کو روکنے کی کوشش کرو۔ صرف یہی بات سوچ کر میں نے تمہیں بچایا ہے۔ اللہ پاک کے غیض وغضب کا اندازہ نہیں ہے کیا تمہیں کیوں خود کو ناقابل معافی بنا رہی تھیں۔''

وہ بہت مدبرانہ ار ہمدردانہ طریقے سے بات کر رہا تھا۔ اس پر اس کے نام کا پورا پورا اثر تھا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو اچھی ہدایت دینے میں آگے رہتا تھا غلط اور حرام سے بہت دور۔

وہ اپنے ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر زار و قطار رونے لگی۔ ''یہ لو پانی پیو۔'' عبدالہادی نے لمبی ٹھنڈی سانس بھری تھی اور اس کو پانی کا گلاس پکڑ آیا جو اس نے بلا چوں چاں پکڑ لیا۔

''مجھے اپنے گھر کا پتا بتاؤ، میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔ وہ کچھ سوچ کر سنجیدگی سے بولا مجھے کتنا وقت ہوا ہے یہاں آئے۔'' وہ اس کا چہرہ تکنے لگی تقریباً چار گھنٹے۔'' عبدالہادی متانت سے بولا۔

''کیا......؟ وہ حیرت سے چلائی۔'' اسکول بس۔ اسکول بس تو یقیناً مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر واپس جا چکی ہوگی۔ وہ حیرت و تشویش سے بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی پر لڑکھڑا کر پھر بیٹھ گئی پاؤں پر بھی زخم تھا۔

تم کسی اسکول کے ساتھ ٹرپ پر آئیں تھیں؟؟ وہ پوچھنے لگا۔'' جی میں ٹیچنگ کرتی ہوں پرائیویٹ اسکول میں۔'' وہ سر تھام کر بول رہی تھی۔

میں گاڑی نکالتا ہوں تم جس ہوٹل میں رُکی اس کا مجھے پتا بتاؤ۔'' عبدالہادی تیزی سے اٹھا اور پھر وہ اس لڑکی کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق اس ہوٹل لایا۔ اسکول کی پرنسپل اسی ٹینشن اور پریشانی کی وجہ سے نہایت غمگین ہو کر ابھی تک واپس نہیں گئی تھیں بلکہ گمشدہ (مس) لڑکی کی

ڈھونڈ بھرپور طریقے سے جاری تھی۔

''دُرِ شہوار! اس کو دیکھتے ہی وہ غصے سے چلا کر اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ پر اس کے ماتھے پر بندھی ہوئی پٹی اور خون دیکھ کر خود ہی نرم پڑ گئیں۔ عبدالہادی نے پہاڑی سے گرنے کا واقعہ اپنے لفظوں میں سنایا اور فوراً وہاں سے واپس لوٹ آیا پر جانے کیوں وہ اپنی کمپنی کا کارڈ لڑکی کو دے آیا تھا۔

''بڑے پاپا...... بڑی امی بڑے پاپا ادھر آئیں...... احمد بھائی...... امل چلا چلا کر سب کو اکھٹا کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

ایک قیامت صغریٰ تھی جو چوہدری ہاؤس پر ٹوٹ پڑی تھی۔ دُرِ شہوار چوہدری حماد کی دو بیٹوں کے بعد اکلوتی بیٹی تھی پورے گھر کی لاڈلی۔

''لا اُبالی...... ہنس مکھ...... نرم دل؟ فرمابردار نہایت پرکشش۔'' وہ کس حال میں پڑی تھی۔

آج پورے گھر پر سناٹا چھا گیا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر لب دعا کر رہے تھے کہ کسی طرح دُرِ شہوار کی جان بچ جائے۔

چوہدری ہاؤس چار کنال پر پھیلا ہوا تھا۔ چوہدری حماد چوہدری جواد اور چوہدری حیدر تینوں بھائیوں پر حکمرانی چوہدری حماد کی ہی چلتی تھی۔ چوہدری ہاؤس بنا بھی تو ان کی ان تھک محنت سے ہی تھا۔ وہ اپنے بھائیوں کے بچوں کو بھی اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھتے تھے اور چوہدری حیدر کا ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی امل تھی۔ جو کہ دُرِ شہوار کی ہم عمر تھی۔

دُرِ شہوار کے دو بھائی بڑے تھے احمد اور امجد۔ چوہدری جواد کے بیٹے اطہر اور ارحم تھے اور بیٹیاں اُم مریم اور اُم ایمن تھیں۔

دُرِ شہوار سب سے الگ تھی۔ وہ پورے گھر میں سانولی رنگت کی تھی۔ اس کے بال بھی کرلی تھے۔ اور کمر سے نیچے نہیں آتے تھے۔ چاہے وہ ان کو لمبا کرنے کی کتنی سعی کر لے۔ ناک اتنی تیکھی نہ تھی پر پھیلی ہوئی بھی نہ تھی۔ مناسب نقش تھے۔ پر آنکھیں مقناطیسی تھیں، کالی سیاہ گھور چمکدار آنکھیں کتابی چہرے پر جب مسکراہٹ کا ڈمپل پڑتا اور دُرِ شہوار کی شخصیت آفاقی لگنے لگتی۔

وہ اس وقت قابل رحم حالت کا شکار تھی۔ گھر کے نوکر چاکر در و دیوار، پتے، درخت سب ہر چیز دعا گو تھے کہ وہ بچ جائے۔

دو دن ہی گزرے تھے اور وہ اس کے سامنے بھی ان دونوں کے درمیان اس کا سیل نمبر تو اس کے پاس ہی تھا پر نہ کوئی کال آئی تھی نہ ہی میسج پھر اچانک وہ لڑکی خود چل کر اس کے سامنے کیسے آ گئی تھی۔ اُسے اتنی آسانی سے اس کا آفس ڈھونڈ لیا تھا۔

وہ دم بخود تھا۔ سفید رنگ کے لیس کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کا اداس حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ ''آپ نے میری زندگی اور بھی دشوار کر دی۔''

وہ روہانسی ہو کر بولی۔ ''میں اس لیے نہیں آئی کہ آپ مجھ پر ترس کھاؤ......'' وہ فوراً صفائی دینے لگی تھی۔ جسے عبدالہادی کی نظروں کے سوال پڑھ لیے ہوں۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' عبدالہادی متانت سے بولا وہ سامنے رکھی کرسی پر ٹک گئی۔

''کیا ہوا ہے میری وجہ سے...... اور آپ میرے پاس کیوں آئی ہیں؟'' وہ ہمدردانہ طریقے سے پوچھنے لگا۔ ''میری ساس میرے سسر کسی بھی صورت یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ دو دن پہلے کوئی حادثہ ہوا تھا بلکہ وہ اس بات پر بضد ہیں کہ میں خود آپ کے ساتھ غائب ہوئی تھی اور میرے آپ

کے ساتھ کوئی پوشیدہ مراسم ہیں۔

وہ نظریں جھکائے نان اسٹاپ بولنے لگی تھی۔ ہر لفظ ایک دھماکہ تھا جو عبدالہادی کی سماعتوں پر ہو رہا تھا۔ ''شٹ اپ...... بس کرو۔'' وہ خفت سے سرخ ہو کر دھاڑا تھا۔

''یہ تمہارا کوئی ڈرامہ تو نہیں......؟؟'' عبدالہادی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''ڈرامہ......؟؟'' وہ حیرت میں ڈوبی۔ ''ہاں ڈرامہ۔'' عبدالہادی نے تو تصیح کی۔

''مجھے پتا ہے آپ یہی سب کہیں گے یہی سب سوچیں گے مگر صرف آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ میرے ساتھ اک بار چل کر میرے ساس سسر کو یقین دلا دیں کہ میں بدنصیب مرتے مرتے بچ گئی ہوں۔ آپ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی۔

''وہ بے بس وہ کر نہایت منت بھرے انداز میں عبدالہادی سے کہنے لگی تھی عبدالہادی کا نرم دل پگھلنے لگا۔ ''آپ کے ہزبینڈ کدھر ہیں؟'' وہ اپنی تسلی کر رہا تھا۔ ''ان کی چار سال پہلے ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' وہ تڑپ کر بولی ''او...... اوکے سوری۔''

عبدالہادی کا دل بالکل موم ہو گیا کہاں ہے آپ کا گھر؟ دس منٹ ویٹ کریں چلتے ہیں۔'' وہ اپنی فائلز چیک کرنے لگا اور اگلے دس منٹ بعد وہ اس انجان لڑکی کے ساتھ اس کے گھر جا رہا تھا۔

یہ پنڈی کا ایک گنجان آباد علاقہ تھا۔ زیادہ تر آبادی غریب طبقے کی تھی۔ کچھ پختہ کچھ ٹوٹی پھوٹی گلیاں کراس کرنے کے بعد وہ ایک زرد دروازے والے گھر کے سامنے تھے۔ گھر کی حالت نہ زیادہ اچھی تھی نہ بری وہ دونوں اندر آ گئے۔ ایک نہایت تیز طرار قسم کی عورت برآمدے میں رکھی ہوئی چوکی پر بیٹھی پان چبا رہی تھی۔

''ہے ہے یہ کس کو اندر گھسا لائی ہے اب یہ دن بھی دکھائے گی تو۔

وہ پہلے تو ان دونوں کو دیکھ کر چونکی پھر چوکی سے اٹھتے ہوئے اپنی بدزبانی پر اتر آئی۔ اماں یہ وہی لڑکا ہے۔'' کون سا لڑکا؟

سنتے ہو......؟ کدھر ہو باہر آؤ آپ کی بہو کا نیا ڈرامہ دیکھ لو......'' وہ عورت سن ہی نہیں رہی تھی بلکہ شاید اپنے خاوند کو بلا رہی تھی۔

برآمدے کے کونے میں جو کمرہ تھا وہاں سے ایک 60 کے لگ بھگ بوڑھا باہر نکلا تھا۔ ''کیا ہوا......؟'' اس کے تیور کچھ اور ہی سخت تھے۔

''کون؟ کون ہے یہ۔'' وہ آکر زور سے چلایا۔ ''اماں یہ لڑکی نئے نئے چاند چڑھاتی رہے گی اور تم چند ہزار کی نوکری کی خاطر اس کو برداشت کرتی رہنا۔'' ساتھ والے کمرے سے ایک شاطر سی لڑکی گود میں بچہ اٹھائے باہر آئی تھی. شاید وہ نند تھی۔

یہاں تو ایک تماشا کھڑا ہو گیا تھا۔ ''اماں یہ وہی لڑکا ہے جو اس دن۔'' بکواس بند کرو حرافہ ہماری عزت کے جنازے......''

''کیا بکواس ہے یہ سب...... کیا تماشا لگا لیا ہے آپ لوگوں نے بدزبانی اور الزام تراشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے؟؟

اس سارے وقت میں عبدالہادی پہلی بار ضبط توڑ کر بولا تھا اور اس قدر غصے اور غضب سے بولا تھا کہ ہر شخص سہم کر اُس کو دیکھنے لگا۔

''یہ لڑکی ایک گھنٹے سے آپ کو کچھ بتانے کی کوشش کر رہی ہے اور آپ لوگ سن ہی نہیں رہے۔ وہ اس کے سسر کے قریب آکر دھاڑ رہا تھا'' میں اس کو نہیں جانتا آپ چاہیں تو قرآن پاک پر ہاتھ رکھوا لیں کسی کے کردار کی گواہی اس

سے بڑھ کر کیا دے سکتا ہوں میں۔
میرے اور اس لڑکی کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دن جانے کیوں یہ خودکشی کے ارادے سے پہاڑی سے چھلانگ لگا رہی تھی میں نے بچا لیا اور میں......'' وہ ہر لفظ پر زور دے کر بول رہا تھا اور پوری بات بیان کر دی۔
وہاں موجود لوگ جیسے خودکشی کا سن کر تھوڑا سا گھبرا کر خفت کا شکار ہوئے تھے پر فوراً ڈھٹائی اور کمینگی پر اتر آئے اب یہ اسٹوری ہم کس کس کو سنائیں پورا محلہ ہم پر باتیں بناتا ہے۔ اس نے پورے شہر میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔
پہلے ہمارے بیٹے کو کھا گئی اور اب عزت مگر ہم اب اس کا بوجھ مزید برداشت نہیں اٹھا سکتے۔
وہ تیز طرار سی بڑھیا نہایت بے دردی اور ظالمانہ انداز سے شعلہ بیانی کر رہی تھی۔'' کیوں...... آپ مجھے اس گھر سے نکالنے پر تلی ہوئی ہیں۔'' وہ سر تھام کر رونے لگی۔ ''کیوں بی بی جہیز میں لائیں تھی کیا جو اس گھر پر ایسے حق جتاتی ہو......؟؟ نند نے اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔
عبدالہادی پوری صورتحال اچھی طرح سمجھ چکا تھا وہ سب اب اس لڑکی کا وجود کسی بھی صورت برداشت نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔
'' آپ سب کیا چاہتے ہیں اب آپ کی عزت کا جنازہ نکل گیا۔ آپ کا سر جھک گیا اب آپ لوگ کیا چاہتے ہیں......؟؟'' وہ ایک بار پھر تیز آواز میں بولا تھا۔ اگر یہ تمہیں اتنی باکردار لگتی ہے تو تم اس سے نکاح کر لو اور اس کو یہاں سے لے جاؤ۔'' وہ بوڑھا تو جیسے کسی ایسے شخص کے انتظار میں تھا جو ان کے گھر کے بوجھ کو لے جائے۔'' ٹھیک ہے میں ابھی ابھی نکاح کرنے کو تیار ہوں۔
'' عبدالہادی نے بنا سوچے سمجھے فوراً فیصلہ کیا تھا اور سنا بھی ڈالا تھا۔
میں ابھی مولوی کو بلاتا ہوں بوڑھا جلد بازی کا شکار ہوا۔
'' کیا...... کیا ہو رہا ہے یہ سب......'' وہ بوکھلا کر سب کو دیکھ رہی تھی اور دو ہی گھنٹے گزرے تھے جو کل انجان تھی اس پل وہ اس کی ملکیت اس کی منکوحہ اس کی بیوی اس کی شریک حیات بن گئی تھی۔
واپس جانے کے لیے وہ گاڑی میں بیٹھے تو عبدالہادی نے اس کا نام دہرایا تھا۔ ''اُم ایمن'' یہی نام ہے نا تمہارا......؟؟''
وہ گاڑی چلاتا ہوا کہیں بہت دور سے بول رہا تھا۔ مسلسل روتی ہوئی ام ایمن نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ عبدالہادی نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور اس کا دل دماغ جیسے کسی بہت دور سفر پر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

دُرِ شہوار کو نئی زندگی ملی تھی۔ وہ موت کے منہ سے واپس آئی تھی وہ موت کے منہ سے واپس آئی تھی۔ ہر شخص خوش تھا ہر دل شاد تھا۔ اس نے ہوسپٹل میں آنکھیں کھولیں تو سب ہی اس کے ارد گرد موجود تھے۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو۔
'' بابا اس نے چوہدری حماد کو پکارا تھا جی میری جان! میرے بچے اتنی بڑی اتنی ظالمانہ حرکت کیوں کی اپنے ساتھ وہ اس کا ہاتھ پیار سے تھام کر بولے تھے۔
'' بابا عبدالہادی کہاں ہے...... بابا آپ نے عبدالہادی کو یہاں سے جانے کو کہا تھا نا بابا آپ نے عبدالہادی کو بھیجا ہے نا؟؟''

وہ حواس میں آتے ہی وہی سوال کر رہی تھی جس کا ڈر چوہدری ہی نہیں پورے گھر کو تھا۔ مسز حماد پیار سے اس کا ماتھا چومنے لگیں۔ ''کیا ہو گیا ہے؟''

دِرشہوار یہ تمہارے بابا ہیں ان سے کیسی باتیں کر رہی ہو؟ ان کو اپنی تربیت اور اپنی بیٹی دونوں پر یقین نہیں آ رہا تھا پر اس کا پور پور عشق میں ڈوبا تھا۔

وہ فنا ہو چکی تھی جتنا خون بہا تھا اتنی عبدالہادی کی محبت اور بھر گئی تھی۔ اس کی رگوں میں بھر گئی تھی۔ بابا مجھے عبدالہادی چاہیے ورنہ میں واقعی زندہ نہیں رہوں گی۔

بابا مجھے عبدالہادی کے پاس جانا ہے۔ یہ ظلم مت کریں مجھے عبدالہادی سے الگ مت کریں۔ وہ زبردستی اٹھ کر بیٹھ گئی اور وچوہدری حماد کے ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے منت سماجت کر رہی تھی ضد کر رہی تھی۔

چوہدری حماد کا جھکا سر مزید جھکتا جا رہا تھا اور آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کچھ فیصلہ کر چکے تھے پر اس وقت بولنے کی ہمت نہیں تھی ساتھ کھڑے بھائی کو بے بسی اور ندامت سے دیکھا اور تیزی سے وہاں سے چلے گئے۔''

''دِرشہوار بیٹا! عبدالہادی آ جائے گا واپس...... میں بلاؤں گا اُس کو۔'' چوہدری جواد نے حسب عادت بہت ہی نرمی سے کہا اور شفقت سے دِرشہوار کو بیڈ پر دوبارہ لٹانے لگا۔

''اب سب چلو یہاں سے اس کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔ وہ سب کو باہر جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔

چاچو میں رُک جاؤں دِرشہوار کے پاس ......؟؟ امل تڑپ کر پوچھ رہی تھی۔

نہیں دِرشہوار کی امی رک رہی ہیں تم گھر چلو۔'' وہ متانت سے کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ امل نے پیار سے بند آنکھیں کیے لیٹی دِرشہوار کا ماتھا چوما اور خود بھی سب کے ساتھ باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی اس نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

املتاس، کچنار، مورنیکھ آم، مالٹا، انار، شہتوت، امرود اور بیری کے ساتھ ساتھ اس نے انجیر کا بھی درخت اپنے باغ میں لگا رکھا تھا۔
اس کو گارڈننگ کا کریز تھا ہر رنگ اور ہر قسم کا پھول اس خوبصورتی سے باغ میں مہکتا تھا جیسے ساری پیار صرف چوہدری ہاؤس کا ہی حصہ ہے۔ اور یہ سب کچھ دِرشہوار کی محنت و لگن کا نتیجہ تھا۔ ورنہ تو اُم ایمن کے جانے کے بعد یہ باغ کب کا اجڑ چکا ہوتا۔

وہ ٹوکری میں موٹے موٹے بیر ٹوکری اور شہتوت توڑ کر ڈالے املتاس کے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ ہلکی ہلکی دھوپ اس کو بہت مزہ دے رہی تھی ساتھ ساتھ بیٹھے پھل وہ گھنٹوں یہاں گزارا کرتی تھی۔ جب تک امل لڑ جھگڑ کر تھک کر اس کو یہاں سے نہ لا جائے۔

آج امل اپنے فزکس کے ٹیسٹ کی تیاری میں مصروف تھی چنانچہ وہ گھنٹوں کا پلان کر کے آئی تھی۔ اچانک ایک نو وارد نے اس کے باغ کی حد پار کی تھی۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کو گھورنے لگی وہ مسلسل آگے بڑھ رہا تھا اس کا رخ املتاس کے گھنے درخت کی ہی طرف تھا۔ معاً بہت سارے موٹے موٹے بیروں سے اس پر حملہ کر دیا گیا۔ وہ بے ساختہ چلایا تھا اور اپنے دونوں بازو اپنے منہ پر رکھ کر اپنا دفاع کر رہا تھا۔

''کون ہو ......تم ...... اور یہاں کیسے آئے

ہو......؟؟'' وہ پھرتی سے درخت سے اتری تھی اور دھم سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
بیروں کے نشانے سے چکراتے سر کو اب اس نے سنبھالا اور سامنے کھڑی انسپکٹر بنی لڑکی کو دیکھنے لگا۔
''اب یہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو......؟ بتاؤ کون ہو......؟؟''
وہ رعب سے اور بھی چلا کر بولی تھی۔ ''میرا نام عبدالہادی ہے۔'' عبدالہادی زیر لب مسکرا کر مہایت مودبانہ انداز سے بولا تھا۔
''کون عبدالہادی'' وہ سوچتے ہوئے بولی'' میرا کوئی رشتے دار اس نام کا نہیں ہے......'' وہ ایک بار پھر پچھلے انداز میں آ گئی۔ ''تم جو کوئی بھی ہو تم نے بلا اجازت چوہدری ہاؤس کے اندر آنے کی گستاخی کی ہے تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔''
وہ کسی ظالم شہزادی کی طرح دوٹوک انداز میں کہہ کر گویا عبدالہادی کو ڈرا رہی تھی۔ جو حکم ملکہ عالیہ خادم کو ہر سزا منظور ہے۔'' عبدالہادی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر خم کیا تھا۔
''کیا تم مذاق اڑا رہے ہو؟'' وہ خود ہی اس انداز کو تمسخر سمجھ کر دونوں ہاتھ کمر پر باندھ کر چلائی تو بے ساختہ عبدالہادی کی ہنسی نکل گئی۔ وہ بہت دنوں بعد اتنا ہنس رہا تھا۔ ''تمہیں سزا بابا دیں گے اور ضرور دیں گے۔'' وہ بہت طیش میں آ گئی تھی۔''
بابا...... بابا وہ اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔
''بابا باہر آئیں وہ بہت چلا رہی تھی۔ کان کے پردے پھاڑ دیتی تھی۔ عبدالہادی ہنستا رہا۔'' کیا ہوا ہے درِشہوار......'' کچھ ہی دیر بعد چوہدری حماد اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔'' کیا ہوا ہے میرے بچے......؟؟'' چوہدری حماد قریب آ چکے تھے۔
''بابا! یہ پتا نہیں کون ہے اور ادھر ہمارے گھر میں بلا اجازت گھس آیا ہے۔'' وہ عبدالہادی کی طرف شکایتی انداز سے اشارہ کر رہی تھی۔
''السلام و علیکم انکل......'' عبدالہادی نے مسکراتے ہوئے سلام جھاڑا تھا۔ وعلیکم السلام! ہادی بیٹا تم نے درِشہوار کو بتایا کیوں نہیں کہ تم تو پچھلے تین دن سے اس گھر میں رہ رہے ہو......؟؟''
چوہدری حماد مسکرا کر خوشگوار انداز انداز سے پوچھ رہے تھے اور درشہوار تو جیسے حیرت و شرم سے پانی پانی ہو گئی تھی۔
''کیا مطلب بابا۔'' وہ سر جھٹک کر جھنجھلائی تھی'' وہ جو سامنے گیسٹ ہاؤس ہے میں ادھر ہی رہتا ہوں آئی تھنک یہ چوہدری ہاؤس کا ہی حصہ ہے...... ہاہا...... ہا۔'' دائیں طرف بنے خوبصورت سے گیسٹ ہاؤس کی طرف اشارہ کر کے عبدالہادی نے قہقہہ لگایا تھا اور چوہدری حماد بھی زور سے ہنس پڑے۔
خفت سے سرخ چہرہ لیے درِشہوار اندر چلی گئی تھی۔
چمکیلی دھوپ کی روشن صبح وہ نرم نرم کرنوں کو اپنے وجود کے اندر اتارتی ٹیرس پر کھڑی نیلی ٹائلز والا حوض دیکھ رہی تھی جس پر سفید زرد اور سرخ پھول اس طرح پانی میں تیر رہے تھے جیسے مور کے پر ہوں یا کسی بہت ہی خوبصورت پرندے کے پر ٹوٹ ٹوٹ کر پانی پر بکھر گئے ہوں وہ ٹیرس سے اسی طرح نیچے حوض کو دیکھتی تھی ہمیشہ۔''
''ہائے۔'' حوض کے کنارے بیٹھے عبدالہادی نے خوشدلی سے اس کو ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا تھا۔'' اخ...... درشہوار کا سارا مزہ کرکرہ ہو گیا۔
''کیا ہے......؟؟'' وہ بد لحاظی سے بولی۔ ''بور ہو رہا ہوں۔'' عبدالہادی نے صاف

گوئی سے کہا۔'' تو اس ٹھنڈے پانی میں نہا لو۔ درشہوار کو اس کی بات سخت نا گوار گزری تھی۔'' بابا...... یہ کوئی حل تو نہیں ہے۔ اور سردی بھی بہت ہے۔ وہ ہنسا اور پھر متانت سے بولا۔

'' تو میں کیا کروں......؟'' وہ جل کر بولی۔'' اتنا جلو تو مت۔ پہلے ہی دھان پان سی ہو۔'' عبدالہادی اس کے نازک سراپے کو غور سے دیکھنے لگا اور اس کی نگاہیں خود پر مرکوز دیکھ کر وہ تیزی سے ٹیرس سے پیچھے ہٹ گئی۔

یہ عبداللہ بٹ کے بیٹے ہیں درشہوار آپ ان سے اتنا جھگڑا کیوں کرتی ہو۔''

ہفتے ہی رات وہ تو ان سب کے ساتھ ڈنر ٹیبل پر ہی موجود تھا۔ جہاں چوہدری حماد نے آ کر اس کا ناگوار اور سخت رویہ دیکھ کر اس کو ٹوک ہی ڈالا تھا پتا نہیں کیوں پہلے دن ہی درشہوار کو عبدالہادی سے چڑ ہو گئی تھی۔ شاید وہ سمجھ رہی تھی عبدالہادی نے اس کا مذاق اڑایا ہے۔

عبدالہادی بٹ اس کے بابا کے دوستوں میں ایک بہترین دوست تھے۔ جو اس کو بھی بہت پسند تھے ایک بہت امیر گھرانے کے بہت نرم دل اور ہمدرد قسم کے انسان ان کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا تھا جبکہ ان کی بیوی اور اکلوتا بیٹا امریکہ میں مقیم تھے پر وہ اس بات سے قطعی لاعلم تھی کہ عبدالہادی عبداللہ بٹ کا بیٹا ہے۔

'' جی۔'' عبدالہادی نے جتایا تھا۔'' سوری......!!'' وہ شرمندہ ہوئی تھی آئندہ درِشہوار بدتمیزی نہیں کرے گی۔'' ساتھ بیٹھی امل نے کیسے صفائی دی تھی۔

'' تھینکس......'' وہ کھل کر مسکرا دیا۔

'' آئس کریم کھانی ہے؟'' ڈنر کے بعد وہ لان میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ امل بھی ساتھ ہی تھی عبدالہادی ان کی طرف بڑھ آیا۔'' جی جی ضرور......'' امل فوراً بولی۔ بابا سے اجازت لیں ہم گھر نہیں باہر جا کر کھائیں گے۔''

درشہوار نے جیسے حکم دیا تھا وہ مسکرا دیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد چوہدری حماد کی اجازت سے وہ ان دونوں کو ایک آئس کریم پارلر لے آیا۔ میں اسٹابری فلیور لوں گی۔ امل بے صبری ہو رہی تھی۔'' میں ڈبل چاکلیٹ۔'' وہ نارمل کہہ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔'' اتنی چاکلیٹ کیوں......؟'' وہ دانستہ بولا۔'' کیوں......؟''

وہ حیرت سے بولی۔'' کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ میں کالی ہوں اس لیے کالی چیزیں پسند ہیں مجھے......؟؟'' وہ ہمیشہ کی طرح خود ہی اندازے لگا کر غلط بات کر رہی تھی۔'' کیا...... میں ایسا کیوں سوچوں گا اور آپ کب کالی ہیں......؟'' مجھے نے حیرت کے سمندر میں ڈبکی لگائی۔

کتنا خوبصورت سانولا رنگ تھا اس کا۔'' ہادی بھائی ڈونٹ وری اس کا تو دماغ ہی خراب ہے۔'' امل نے آئس کریم کپ اپنے سامنے رکھتے ہوئے ہادی کو کہا تو وہ سکھ کا سانس لے کر آئس کریم کھانے لگا۔

وہ ایسی تھی جلدی سے کسی سے فری نہ ہونے والی اور اگلے تین چار دن اسی طرح گزر گئے پر اس دن جب وہ کچن میں اپنے لیے کافی بنا رہی تھی تب ہادی کچن میں آ گیا۔'' درشہوار آپ چائے بنا رہی ہیں......؟؟''

'' جی۔'' مجھے بھی بنا دیں گی میرا سر بہت درد کر رہا ہے۔''

وہ درد سے چور تھا اور کہہ کر ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ درشہوار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا سفید رنگت ہلکی سرخ ہو رہی تھی۔ گہری

سبز بھوری کانچ سی آنکھیں درد سے بوجھل اور تھکی ہوئی دکھ رہی تھیں۔

''کیا ہوا آپ کو......؟'' چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ کر وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی انداز بہت نرم تھا۔'' مجھے......؟'' مجھے کی آواز میں نمی تھی پتا نہیں کتنے دنوں بعد کسی نے یہ سوال پوچھا تھا کہ ''کیا ہوا آپ کو؟'' اس لمحے وہ اتنا اکیلا محسوس کر رہا تھا کہ شاید اس سے کوئی بے جان چیز بھی اس کے دل کا حال بانٹتی تو وہ اس کو بھی اپنا ہمراز اپنا دوست اپنا غمگسار بنالیتا۔

''جی آپ کو کیا ہوا ہے......؟؟'' یہ حالت پہلی بار دیکھ رہی تھی درشہوار۔'' مجھے اپنے بابا اور اپنی امی دونوں یاد آرہے ہیں۔ وہ پرحزن لہجے میں کہہ کر اپنے ماتھے پر دائیں ہاتھ سے ہلکے ہلکے پنچ مارنے لگا آنکھیں سختی سے بھینچ لیں تھیں۔ پر درشہوار دیکھ سکتی تھی کہ وہ رو رہا ہے۔

وہ اتنا مضبوط اتنا کڑیل جوان کیسے بے بس دکھ رہا تھا۔'' زندگی تو اللہ پاک کی امانت ہے۔'' درشہوار نے بے ساختہ اس کا ماتھے کی طرف جاتا دایاں ہاتھ پکڑ کر روکا تھا۔'' جانتا ہوں۔ وہ کرب سے بولا۔'' تو اتنا اداس کیوں ہیں......؟'' انسان ہوں نا اکیلے پن سے اکتا جانا...... خوف آنا...... بیزار ہو جانا فطرت ہے اور پھر ماں باپ۔ ماں باپ جیسے رستے کھو کر بیٹھا ہوں۔

پھر جھٹکے سے اٹھ کر چلا گیا درشہوار وہاں ساکت بیٹھی رہ گئی۔

☆......☆......☆

وہ صبح وشام گیسٹ ہاؤس کے چکر لگا رہی تھی عبدالہادی کے لیے چائے خود بناتی اور کھانے کا جا کر پوچھتی کپڑے پریس کروانے کا پوچھتی جیسے اس نے ہادی کا ہر کام کرنے کا ذمہ خود لے لیا ہو۔

اس وقت بھی وہ اس کا کمرہ صاف کر رہی تھی جب وہ باہر سے آگیا۔ درشہوار مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' وہ اپنے شوز اتارتا ہوا بولا۔ جی کریں وہ ڈائنگ ٹیبل کی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔'' گیسٹ ہاؤس میں تو ماسی بھی صبح وشام آتی ہے پھر آپ اتنا کیوں آتی ہیں۔ وہ جرابیں اتارتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

درشہوار کے ہاتھ وہیں رک گئے۔'' آپ کو مجھ سے ہمدردی ہے بہت زیادہ ہمدردی اور میں بہت شرمندہ ہوں اس (رات دن) میں اتنا کمزور پڑ گیا تھا آپ کے سامنے کیا کچھ بول دیا۔ مگر پلیز مجھے ہمدردی سے سخت چڑ ہے۔'' وہ نان اسٹاپ بولتا بولتا اس کے قریب آرہا تھا اور درشہوار کا دل وہیں رک گیا۔

وہ اتنا فہیم اتنا زیرک تھا یہ تو وہ سوچ ہی نہ پائی تھی وہ شرمندہ ہوگئی۔ ہمدردی ہی تو ہوگئی تھی اس کو عبدالہادی سے۔'' مگر مجھے دوستی سے بالکل چڑ نہیں ہے۔ اور وہ بھی تم جیسی کیوٹ لڑکی کی دوستی سے۔

عبدالہادی یکدم نہایت شوخی سے بولا تو درشہوار کا سرخ چہرہ یکدم پیاری سی مسکراہٹ سے کھل اٹھا۔ تو جناب یہ ہمدردیاں چھوڑو۔ آج سے ہم دوست ہیں۔''

وہ برملا اس کا ہاتھ تھام کر کہہ رہا تھا۔

''جی۔'' درشہوار نے اثبات میں گردن ہلائی پر وہاں نہیں رُکی اور فوراً اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

کب آؤ گی پھر۔'' وہ پکار رہا تھا۔'' آپ آنا ڈنر پر۔'' وہ رُکی نہیں تھی۔

ہمیتھس مجھے بالکل بھی پسند نہیں تھا بس بابا کی پسند تھی تو رکھ لیا۔ وہ جلے کٹے انداز میں اس کے

سامنے اپنے بیگ سے بکس نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

مسز چوہدری حماد نے امل اور درشہوار دونوں کو ایک ایک گھنٹہ عبدالہادی سے ٹیوشن لینے کا کہا تھا، آخر وہ آکیفورڈ سے ایم بی اے کر کے آیا تھا۔

''اب تم باتیں کم کرنا مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنے دو۔'' امل نے ڈسٹرب ہوتے ہوئے تنگ آکر کہا عبدالہادی مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں جب آپ کو میتھس کے فارمولے سمجھاؤں گا تو آپ کو بہت ایزی لگے گا۔ جب دوستی ہوگئی ہے تو یہ آپ کا تکلف کیوں......؟'' درشہوار نے عبدالہادی کی طرف جھک کر سرگوشی میں کہا تو وہ گردن جھٹک کر ہنس دیا۔ ''یہ تو ہے...... چلو پھر جلدی سے رجسٹر دو تم مجھے۔'' وہ جتا کر بولا تھا۔

وہ ایک گھنٹہ کیسے گزرتا پتا ہی نہ چلتا واقعی درشہوار کے لیے BSC کا میتھس بہت آسان ہوتا جا رہا تھا۔ اس دن امل اپنی دوست کے ہاں گئی ہوئی تھی وہ اکیلی ہی ٹیوشن لینے آئی تھی پر پڑھنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ آپ کو تقریباً یہاں کتنے دن ہوگئے ہیں۔ وہ کافی پھینٹتے ہوئے عبدالہادی سے بولی۔ ''مجھے انیس دن...... اور یہ آپ کس کو کہا......؟'' وہ کافی بنانے لگا۔ ''او...... ہاں آپ تو کہنا ہی نہیں......'' وہ ہنسی۔

اچھا اب تمہارا کام ہوگیا جو کرنے آئے ہو......؟'' ہاں تقریباً حماد انکل نے بہت ساتھ دیا ہے۔'' ''کام کیا تھا......؟'' دراصل میرے ابو کے لالچی اور جھوٹے بھائی مجھے اور میری امی کو ہمارا حصہ دینے سے مکر گئے تھے اور جعلی کاغذات بھی تیار کروا لیے تھے۔'' اوہو...... وہ حیرت وتشویش کا شکار ہوئی۔ ''بات دولت، جائیداد حصے کی نہیں ہے، پر یہ میرے باپ کی محبت کی کمائی ہے ان کا حق ہے...... جو کہ اتنے ظالم جھوٹے اور مکار قسم کے لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ جو کہ زمین کے ٹکڑوں کی بدولت اپنے ہی خون کے دشمن ہو گئے ہیں اگر حماد انکل مجھے سہارا اور تحفظ نہ دیتے تو میں پاکستان آتے ہی کب کا قتل ہو چکا ہوتا۔''

وہ نہایت غمزدہ دکھ رہا تھا۔

''آپ کی امی کا انتقال کب ہوا۔'' وہ بجھ کر پوچھنے لگی۔ ''دو سال پہلے ہارٹ اٹیک ہوا تھا ان کو۔'' وہ کافی کا مگ اس کو پکڑاتے ہوئے بولا۔ میری امی بہت بہادر تھیں۔ بہت خوبصورت بہت ذہین۔'' وہ بہت خوش ہو کر بتا رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے آپ اپنی امی پر گئے ہیں۔'' وہ ان ڈائریکٹ تعریف کر رہی تھی۔ ''ہاہاہا وہ بے ساختہ ہنسا'' کلیور۔'' وہ تو میں ہوں۔ وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گئی۔

او میڈم پڑھنا نہیں ہے کیا اٹھو اور کتابیں کھولو۔'' وہ استاد بنا'آج میرا موڈ نہیں ہے پلیز!'' وہ منت بھرے انداز سے بولی۔ تو کیا کرنا ہے آج؟'' وہ حیران ہوا آج ہم باتیں کریں گے۔ بہت ساری باتیں۔'' وہ فیصلہ بھی کر کے آ چکی تھی کہ آج کیا کرنا ہے۔

''بور ہو جاؤ گی تم میری باتوں سے۔'' وہ وارننگ دینے لگا۔ قطعاً نہیں' وہ بھی پکی تھی' اچھا تمہیں پتا ہے پہلے مجھے کون پڑھاتا تھا۔'' وہ اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ اُم ایمن آپی!'' وہ کون تھیں؟'' وہ میری آئیڈیل تھیں ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔'' وہ جذباتی ہو کر بولی۔

لیکن اُم ایمن ہیں کون اور کہاں ہیں؟'' عبدالہادی زچ ہوا۔

آپ کی عمر کتنی ہے؟؟ وہ کب جواب دینے والی تھی'' 26 '' سال۔ کیا؟ واقعی اُم ایمن آپی کی

بھی 26 سا ہی ہے۔ وہ مجھ سے سات سال بڑی ہیں۔

درشہوار کا من پسند ٹاپک شروع ہو چکا تھا اور اب وہ یہاں سے کہاں اٹھنے والی تھی۔ مجھے چائے بنانا' پڑھنا' بال بنانا' کپڑے پہننا کا سلیقہ' اچھے برے میں تمیز' بڑوں کی عزت سب اُم ایمن آپی نے سکھایا ہے۔

اس گھر میں سب پیار کرتے ہیں پر جب سکھنے سکھانے کی بات آتی ہے تو مجھے اُم ایمن آپی یاد آتی ہیں۔''

''اس کی پلکوں کے کونے بھیگنے لگے۔

مجھے کچھ بتاؤ تو سہی وہ کہاں ہیں؟ عبدالہادی خفگی سے پوچھ رہا تھا۔ ''ہادی وہ چلی گئیں مجھے چھوڑ کر سب کو چھوڑ کر بس انہوں نے یہی غلطی کی ہے۔

درشہوار کا چہرہ سرخ ہونے لگا عجب رنگ آئے تھے لہجہ بھیگ رہا تھا'' پر کہاں......؟'' یہ گتھی عبدالہادی سے سلجھ نہیں رہی تھی۔'' گل میر کے ساتھ ہم سے بہت دور۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی تھی۔

''ان کو محبت ہو گئی تھی اور چوہدری ہاؤس میں محبت کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ یہاں پسند کی شادی کرنا ایسی غلطی ہے جس کا نتیجہ سفاکانہ سزا ہے یا موت یا دربدری۔

''آپی کو محبت نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ دکھی لہجے میں اپنی رائے دے رہی تھی۔

محبت میں اگر سوچنے سمجھنے کا عنصر شامل ہو جائے تو پھر وہ شاید محبت محبت ہی نہ رہے۔''عبدالہادی نے متانت سے بے ساختہ کہا۔''محبت ایک ایسا جذبہ ہے شہوار جو گیدڑ کو بھی شیر بنا دیتا ہے۔ بھربھری دیوار کو چٹان میں بدل دیتا ہے۔

ہم سوچ ہی کب پاتے ہیں......؟ ہم کچھ سمجھ ہی کب پاتے ہیں بس ہم اس امربیل میں لپٹے چلے جاتے ہیں۔ آنکھوں کا سمندر بہا کر کسی تنکے کی طرح بہت بہت آگے لے جاتا ہے۔

وہ درشہوار کے معصوم چہرے کو اپنی پُر شوق نگاہوں کے حصار میں لیے محبت کی واضح تشریح کر رہا تھا۔

درشہوار کسی چھوٹے بچے کی طرح اس کا لفظ لفظ بہت غور سے سن رہی تھی۔ پر وہ اتنا کچھ محبت کے بارے میں کیسے جانتا تھا۔ اس کا دل اس سے سوال کر رہا تھا کیا وہ اس جذبے سے آشنا ہو چکا ہے۔ دل کا سکون آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی تازگی محسوس ہو رہی تھی عبدالہادی بری طرح چونکا۔

''درشہوار۔'' وہ نظریں چرا چرا کر بولا۔''جی...... اور بتائیں نا محبت کیا ہوتی ہے۔'' وہ اس کے رک جانے پر خفا ہوئی تھی۔''تم جاؤ مجھے کچھ کام یاد آ گئے ہیں پلیز۔''

''وہ یکدم لہجہ بدل کر بولا۔ تو کر لیں!!'' وہ جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔''نہیں پلیز تم جاؤ...... پلیز تم جاؤ!!'' وہ اپنے جذبوں کو سمیٹ رہا تھا جو کسی نغمے کے سروں کی طرح بکھرتے جا رہے تھے کسی خوشبو کی طرح پھیلتے جا رہے تھے۔

وہ آنکھیں موند کر صوفے سے ٹیل لگا کر بیٹھ گیا۔''اوکے جا رہی ہوں میں۔'' وہ خفا ہو کر جا رہی تھی عبدالہادی نے اس کو نہیں روکا ایک آواز بھی نہ دی۔

☆......☆......☆

ہادی بھائی! ہادی بھائی امل اس کو زور سے پکارتی ہوئی ٹیرس پر آئی تھی وہ علی کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا موسم نہایت خوشگوار تھا کالے سیاہ

بادل چھائے ہوئے تھے۔''شکر ہے علی بھی ادھر ہی ہے یہ لیں میں نا موسم کی مناسبت سے پکوڑے بنائے ہیں خود......'' اس نے پکوڑوں سے بھری ٹرے ان کے سامنے رکھی ٹیبل پر رکھ دی۔ ساتھ میں املی کی چٹنی بھی ہے۔'' وہ داد لینے کو تیار کھڑی تھی۔

''گڈ گرل! شاباش'' علی نے پیار سے بہن کو کہا''تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس وقت میرا دل پکوڑے کھانے کو کر رہا ہے۔'' عبدالہادی نے پکوڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔''دیکھ لیں۔'' وہ اترا کر بولی۔''امل آ جاؤ اب واپس نیچے سے درشہوار کی آواز آ رہی تھی۔ آتی ہوں۔

''ہاں ہاں جاؤ اور اس کو بھی تھوڑی سی کوکنگ سکھا دو۔'' علی نے ہنس کر طنزیہ انداز سے چلا کر شہوار کو سنانے کے لیے کہا۔

اس دن کے بعد سے عبدالہادی قصداً شہوار سے فاصلہ رکھ رہا تھا نہ زیادہ بولتا نہ قریب جاتا پر اس رویے پر وہ خفا ہو چکی ہے پر وہ منا نہیں رہا تھا اس کو۔

علی کو اس کی امی نے نیچے بلایا تو وہ بھی چلا گیا اور پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ تیز بارش اسٹارٹ ہو گئی۔

بہار کے موسم میں بارش کتنا خوشگوار تھا وہ دن وہ ٹیرس سے نیچے بڑے لان میں بارش میں دھلتے سبز پودوں اور رنگ برنگے پھولوں کو دیکھنے لگا اور یہ کون سا نایاب پھول تھا......؟ یہ کون سا خوبصورت رنگ تھا۔ یہ وجود یا کوئی پاکیزہ موتی۔'' وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

ہلکے نیلے رنگ کے ٹخنوں تک کے ریشمی فراک میں درشہوار بارش میں بھیگ رہی تھی۔ گھنے بال بکھر کر شانوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ مسکرا کر امل سے کوئی بات کر رہی تھی پر وہ صرف تک رہا تھا ساکت بے خود وہ ہنس رہی تھی۔ امل کے پیچھے بھاگ رہی تھی اس کو پکڑ رہی تھی۔

محبت اس کے لفظ اسی کو یاد آ رہے تھے۔'' محبت کب کہاں کس سے ہو جائے کس کو خبر۔'' وقت کی کوئی قید نہیں کبھی اک لمحہ کبھی ایک صدی۔

امل شاید اندر آ گئی تھی وہ اکیلی تھی۔ بارش رک چکی تھی وہ شتوت کا درخت ہلا کر پانی جھاڑ رہی تھی۔ ہنس رہی تھی مزہ لے رہی تھی اور پھر جیسے یکدم چونکی ایک حیرت بھری نگاہ اوپر ٹیرس پر ڈالی تھی عبدالہادی نے نگاہیں نہیں ہٹائیں۔ وہ ہٹا ہی نہیں پایا۔ درشہوار نے تیزی سے دوپٹہ پھیلا کر اوڑھا اور خود کو ڈھانپ لیا تھا۔ پر دوسرے ہی پل نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا تھا وہ جما کھڑا تھا مکمل طور پر بھیگا ہوا بارش کے پانی اور شہوار کی محبت میں۔''

ایک پل۔'' ایک پل میں دل بدل جاتے ہیں۔ ایک پل میں اپنا آپ پرایا ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایک پل میں آگاہی ہوتی ہے کسی بہت ہی پیارے جذبے سے۔'' کیا وہ یہی پل ہے۔''

درشہوار معصومیت سے دیکھے جا رہی تھی عبدالہادی رکا نہیں تیزی سے ٹیرس خالی کر گیا۔

درشہوار کا دل دھڑک رہا تھا بہت زور زور سے۔

☆......☆......☆

''پلیز پلیز ہادی! یہ ٹیڈی بیئر اپنے روم میں رکھ لیں۔ وہ صبح صبح اس کے کمرے میں موجود تھی۔''کیوں کیا ہوا ہے؟'' وہ آنکھیں مسلتا ہوا حیرت سے بولا۔

''امی میرے تمام Toys کے پیچھے پڑ گئی ہیں اٹھا کر شنو (نوکرانی) کی بیٹی کو دے رہی ہیں کہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں پر یہ ٹیڈی بیئر مجھے اُم

ایمن آپی نے دیا تھا۔ پلیز آپ کچھ دیر یہاں رکھ لو پھر میں لے جاؤں گی۔'' وہ روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی۔ ''اچھا پریشان کیوں ہوتی ہو لاؤ ادھر دو۔'' وہ پیار سے بیڈ سے کہتا ہوا اٹھا اور ٹیڈی لے کر بیڈ پر رکھ دیا۔''

بیٹھ جاؤ۔'' وہی دھیمانہ انداز شہوار صوفے پر بیٹھ گئی۔ امی کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے میرے پیچھے پڑ گئی ہیں مجھے کہتی ہیں کہ میں اب بڑی ہو گئی ہوں اپنی عادتیں بدل لوں۔ کچن کا کام سیکھوں۔ دوپٹہ ٹھیک سے لیا کروں اور تو اور...... آپ کے پاس بھی کم کم آیا کروں۔'' وہ معصومیت سے ہر بات بتا رہی تھی۔

وہ مسکراتا مسکراتا چونک گیا کہیں اس کی آنکھوں کی چمک اس کے چہرے سے عیاں ہر جذبہ اس گھر کے مکینوں نے تو نہیں پڑھ لیا تھا۔

اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا کیا ہوا......؟'' شہوار نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔ ''کچھ بھی نہیں...... شہوار دیکھو تم واقعی بڑی ہو گئی ہو آنٹی ٹھیک روک ٹوک کر رہی ہیں۔ تمہیں کچن کا کام بھی آنا چاہیے زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور جوان و خوبصورت لڑکوں سے گریز بھی۔

آخری جملے پر وہ بہت بہت شوخ ہو گیا تھا۔ ''ہاہا جوان اور خوبصورت۔'' وہ طنزیہ ہنسی تھی۔ ''آپ سے زیادہ خوبصورت ہوں میں۔ وہ اپنے بالوں کو جھٹکا دے کر اتراہٹ سے بول رہی تھی۔ ''جی جی بالکل۔'' عبدالہادی نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ''مذاق اڑا رہے ہیں نا۔'' وہ خفا ہونے لگی عبدالہادی بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

''عجیب ہو تم تعریف نہ کرو تب ناراض اور کر دو تب بھی ناراض۔'' وہ زور دے کر بولا۔ ''اچھا آج پتا ہے ناشتے میں نہاری اور پائے ہیں۔'' جلدی سے تیار ہو کر ادھر ہی آ جاؤ اکھٹے ناشتا کرتے ہیں۔''

وہ ناشتے کا سوچ کر فوراً اٹھی اور تیزی سے کہہ کر بھاگ گئی۔

عبدالہادی میں واش روم میں گھس گیا اتوار کا دن تھا اس کا جو مقدمہ چل رہا تھا کل اس کی بہت اہم پیشی تھی اسی حوالے سے آج اس کو بہت کام کرنا تھا۔

''احمد بھائی نہیں آئے آج!'' وہ دونوں کالج سے باہر آئیں تو گاڑی لیے عبدالہادی کھڑا تھا۔'' ہاں احمد کو کچھ کام تھا میں اسی طرف آ رہا تھا تو سوچا دو چڑیلوں کو گھر پہنچا دوں گا۔''

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ درشہوار نے سیٹ سے ٹیک لگائی تھی۔ گاڑی میں عبدالہادی کی مخصوص پرفیوم کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ امل سے باتیں کر رہا تھا۔ درشہوار اس کی آواز کو جیسے اپنے اندر اتار رہی تھی۔ عبدالہادی نے نا چاہتے ہوئے بھی بیک مرر سے اس کو دیکھا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی وائٹ یونیفارم میں کتنی کیوٹ لگ رہی تھی۔ ''کاش'' وہ ابھی ابھی اس کی ہو جائے اس کی ملکیت اس کی شریک سفر اس کا سب کچھ اس کا حق بن جائے وہ دل سے دعا مانگ رہا تھا۔

درشہوار نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور بیک مرر میں دیکھا جیسے وہ اس کے دل کی آواز سن گئی ہو۔ گہری سبز و بھوری آنکھیں چمکیلے کانچ وہ صرف آنکھیں تو نہیں تھیں وہ تو ایک جہان تھیں' ایک دنیا' ایک کائنات' درشہوار کی کائنات۔

درشہوار نے دوبارہ آنکھیں موند لیں تھیں۔

آج وہ گھر آ کر بھی چہکتی پھر رہی تھی۔ معمول

سے زیادہ خوش تھی۔ آنٹی مجھے بہت ساری ڈشز بنانے آتی ہیں وہ اپنی تعریفیں سننا چاہ رہا تھا۔

''آج عبدالہادی نے سب لوگوں کے لیے ڈنر میں پاستا ریڈی کیا تھا اور وہ اس وقت اپنا فیورٹ ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

ہاں تو ماشاء اللہ بیٹا تم نے سیکھا تب ہی آیا نا۔'' اگر کوئی سیکھنا نہ چاہے تو کیسے آسکتا ہے۔ امل کو دیکھ لو سب کچھ سیکھتی جا رہی ہے۔'' ان کا اشارہ اب درشہوار کی طرف تھا۔ امی بس آپ کو موقع مل گیا۔'' درشہوار جل کر بولی۔''

ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں شہوار۔'' عبدالہادی نے قہقہہ لگایا آپ تو ہنس لیں بس۔'' وہ منہ بسور کر بیٹھ گئی۔

''ہادی بیٹا بس مجھے لگتا ہے ایک ہفتہ ہی رہ گیا ہے تمہارا سارا کام فائنل ہو جائے گا'' چوہدری حماد نے ہادی کو مخاطب کیا۔'' جی بالکل انکل۔'' وہ مودبانہ بولا۔

''بس ایک ہفتہ پھر ہادی یہاں سے چلا جائے گا......؟'' شہوار کا دل رکنے لگا۔ وہ کھانا چھوڑ کر اٹھی اور اندر چلی گئی۔ سب ہی نے چونک کر اس کو دیکھا تھا۔

''کیا آپ ایک ہفتے کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔'' وہ رات کو بیڈ پر لیٹا تو شہوار کا سیل پر ٹیکس آ گیا وہ بے ساختہ مسکرا رہا تھا جیسے یہی پڑھنا یہی سننا چاہ رہا ہو دل کو کتنا سکون محسوس ہو رہا تھا۔''

''ہاں......'' اس نے جان بوجھ کر ٹیکس کا جواب ہاں دیا تھا پر یہ کیا دس منٹ بیس منٹ آدھا گھنٹہ پورا گھنٹہ گزر گیا پر مزید کوئی ٹیکس نہیں آیا۔ وہ خود سے ٹیکس کرنے پر گریز کر رہا تھا پر دل میں ایک ہلچل مچ گئی تھی کیا ہوا کیوں جواب نہیں آیا......؟ سو گئی ہو گی اس کا دماغ سو سو سوال سوچ رہا تھا۔ وہ مضطرب ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔

کیا شہوار مجھ سے واقعی ناراض ہو گئی؟'' وہ بے چینی سے گیسٹ ہاؤس سے باہر نکل آیا برآمدہ پار کر کے وہ بڑے سے لان کے اندر چلا آیا تھا۔ جس کو شہوار اپنا باغ کہتی تھی۔ وہ وہاں لگے ایک ایک پودے کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ شہوار ان سے محبت کرتی تھی۔ شہوار کو سبزہ پسند تھا' نیلا پانی پسند تھا وہ شدت سے اس کی کمی محسوس کر رہا تھا معاً ٹھٹک کر رک گیا۔

اتنی رات کو اتنی ٹھنڈ میں وہ آم کے پیڑ کے نیچے وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی درشہوار کیا ہوا؟'' وہ تڑپ کر اس کے قریب جا پہنچا۔'' درشہوار یہاں اس ٹھنڈ اور تاریکی میں کیوں بیٹھی ہو وہ حیران سا اس بے وقوف لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو بنا آواز رو رہی تھی۔

چہرہ سرخ آنکھیں سرخ عبدالہادی کا دل مٹھی میں بند ہونے لگا۔'' کیوں رو رہی ہو......؟'' وہ تڑپ رہا تھا۔'' آپ اگلے ہفتے کیا یہاں نہیں ہوں گے......؟'' وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

اس کے لہجے میں اتنی تڑپ تھی کہ عبدالہادی بوکھلا کر رہ گیا۔'' میں ...... کیوں پتا نہیں۔'' وہ کچھ دور ہٹ گیا۔ عبدالہادی مجھے اُم ایمن آپی یاد آ رہی ہیں۔'' وہ رو رہی تھی کیوں وہ کیوں......؟'' وہ حیران ہوا۔ وہ میری ہر مشکل کا حل نکال دیتی تھیں۔

شہوار اب درخت سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔'' میں آج تک سمجھتی تھی انہوں نے محبت کر کے بہت بڑی غلطی کی ان کو محبت نہیں کرنی چاہیے تھی پر آج مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے اور اس میں ہماری مرضی کتنی شامل ہوتی ہے۔

بے ساختہ اور خود ساختہ کا فرق بجھ گئی ہوں میں ہادی۔ وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ آج جیسے بیاں کرنے کے موڈ میں تھی۔ آج جیسے وہ سب راز کھولنا چاہتی تھی۔

جانے کیسا خوف تھا جو عبدالہادی کو قدم پیچھے ہٹانے پر مجبور کر رہا تھا۔ تم اندر جاؤ وہ بات بدل کر بولا۔ ''اب کہیں جانے کا راستہ ہی نہیں ہے۔ وہ ہم کلامی کے انداز میں بولی۔ ''چلو نا اندر عبدالہادی نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑے اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

شہوار کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا وہ اس کا لمس روح تک محسوس کر رہی تھی۔ چوہدری حیدر کے کمرے کی بہت دیر سے کھلی کھڑکی جھٹکے سے بند ہوئی تھی۔

وہ دونوں اندر جا چکے تھے۔ ''بھائی مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ حماد چوہدری آفس میں موجود تھے۔ جب اچانک چوہدری حیدر نے آ کر کہا تھا وہ متوجہ ہو گئے۔

بیٹھو حیدر کہو۔ ''بھائی آپ کو یاد ہو اُم ایمن کا معاملہ......'' چوہدری حیدر نے تلخ یادوں کا دریچہ وا کرنے کی سعی کی۔

''ہاں یاد ہے۔'' کیوں......؟'' چوہدری حماد کے چہرے کے تاثرات سخت ہوئے۔ ''بھائی اُم مریم کی شادی اپنوں میں ہو گئی امل کا رشتہ اپنوں میں ہی طے ہے۔ اُم ایمن نے جو بھی کیا...... مگر اس معاملے پر سب راضی تھے آپ کے سوا۔''

''چوہدری حماد کا انداز عجیب سا تھا۔'' ہاں میں جانتا ہوں جو ہوا میری ضد اور انا کی وجہ سے ہوا تم اصل بات کرو۔

چوہدری حماد نے فطری سختی اور غصے کا مظاہرہ کیا۔ ''بھائی برہم نہ ہوں...... دراصل عبدالہادی بے شک بہت ہی معزز خاندان کی اولاد ہے پڑھا لکھا ہے' خوبرو ہے پر درشہوار سے اس کی یہ بے تکلف دوستی۔''

''بس چپ کر جاؤ حیدر...... تم نے کچھ دیکھا ہے کیا۔''

چوہدری حماد نے بات مکمل ہی نہ ہونے دی سخت برہم ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بھائی کو روک دیا۔ ''میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو درشہوار کی شادی میرے علی سے کر دی جائے تاکہ گھر کی بچی گھر میں ہی رہ جائے اور کچھ غلط فہمی نہ ہو۔''

چوہدری حماد نے نہایت مناسبت کے ساتھ اپنا مطمع پیش کر ڈالا تھا۔ چوہدری حماد کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا جبکہ چوہدری حیدران کے دل میں شک و خوف کا بیج بھی اگا چکا تھا۔

پنک کلر کی نہایت خوبصورت گھیر دار شلوار جس کے گلے پر آگے سفید موتیوں کا کام تھا۔ پنک چنا ہوا دوپٹہ بازوؤں پر لپیٹے گھنے بالوں کو فراک کی مناسبت سے جوڑے کی صورت میں قید کیے سلور کلر کی ہائی ہیل نازک پیروں میں پہنے وہ مسز حماد کے ساتھ کھڑی تھی۔

عبدالہادی بیٹا نہ احمد ہے نا علی...... امل اپنے ٹیسٹوں کی تیاری کر رہی ہے درشہوار نے اپنی سہیلی کے گھر جانا ہے تم لے جاؤ بیٹا۔

وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا مسز حماد نے کہا تو وہ فوراً اٹھ گیا کچھ ہی دیر میں وہ دونوں گاڑی میں موجود تھے۔

درشہوار غیر معمولی طور پر چپ تھی۔ کالی سیاہ آنکھوں میں گہرا کاجل جیسے دو مقدس موتی ہوں نازک سے ہونٹوں پر ہلکی پنک لپ اسٹک عبدالہادی کو لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی ماورائی مخلوق

ہے وہ۔“

”گاڑی درشہوار کی سہیلی کے گھر کی طرف رواں دواں تھی معاً درشہوار چلا کر بولی۔ ”گاڑی روکیں۔“ وہ حیران رہ گیا سنسان سڑک تھی۔ ”کیوں......؟“ ”روکیں نہ روکیں گاڑی......“ اس کا انداز عجیب تذبذب کا شکار تھا عبدالہادی نے گاڑی روک دی۔

”کیا ہوا گاڑی کیوں رکوائی......؟“ ”مجھے کہیں نہیں جانا۔“ وہ اپنی کلائی سے نازک پنک کانچ کی چوڑیاں اتار کر سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ رہی تھی ”پر کیوں......؟“

مجھے جانا ہی نہیں تھا امی نے زبردستی تیار کروا کر بھیجا ہے پر مجھے نہیں جانا۔“ وہ کانوں سے سفید خوبصورت موتیوں کے ٹاپس اتار رہی تھی۔ ”پر درشہوار ہوا کیا ہے......؟“ وہ خفگی سے بولا درشہوار ڈیش بورڈ پر انگلی سے رنگ اتار کر ڈال رہی تھی۔

”آپ نے علی کو دیکھا ہے۔“ وہ سرخ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ”ہاں“ اس نے زور دے کر بتایا۔ ”مجھے امل بتا رہی تھی کہ اس سے میرا رشتہ طے کیا جا رہا ہے۔“ روہانسی آواز میں وہ عبدالہادی کے کانوں پر کوئی دھماکہ کر رہی تھی۔

”کیا......؟“ کچھ دیر بہت حیرانگی کے بعد وہ بجھی بجھی آواز سے بولا۔ ہاں اور وہ مجھے بھی بالکل پسند نہیں ہے۔“ وہ اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی

اچھا عبدالہادی کی سانس رُک رہی تھی۔ ”اب تم نے جانا ہے یا نہیں۔“ وہ مشکل سے خود کو کنٹرول کر رہا تھا۔ ”نہیں۔“ وہ سختی سے بولی عبدالہادی نے گاڑی واپسی کی طرف موڑ دی۔

آج الفاظ کتنے کم ہوگئے تھے نہ درشہوار کو مل رہے تھے نہ عبدالہادی کے پاس تھے۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی انسان منزل کے بہت پاس ہوتا ہے اور اچانک سے اس کی آنکھ کھل جاتی ہے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو منزل بہت بہت دور ہوتی ہے اتنی جیسے پہنچنا ناممکن ہو۔ یہی سب عبدالہادی کے ساتھ ہوا تھا جب سے وہ درشہوار کو چاہنے لگا تھا۔

اس نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ درشہوار کو حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا وہ سمجھ رہا ہے وہ تو بس درشہوار کی ہنسی اور مسکراہٹ کو دیکھ کر سمجھتا تھا کہ زندگی حسین ہے اور حسین ہی رہے گی خاردار راستوں نے منزل راہوں کا تو اس نے تصور ہی نہیں رکھا تھا۔

مگر آج وہی سب ہو رہا تھا جو پرانے قصے کہانیوں میں پڑھتا آیا تھا جن کا وہ مذاق اڑاتا تھا کیا کوئی اتنا بے بس بھی ہو جاتا ہے کہ جس شخص کو بہت بہت پیار کرتا ہو اس کو ہی چھوڑ کر چلا جائے۔“

وہ رومانوی ناول پڑھ کر خوب ہنسا کرتا تھا پر یہ آج کیا ہوگیا تھا۔ ”انکل حماد اس کو ایک دن کے اندر اندر گھر سے جانے کا کہہ چکے تھے اور ساتھ میں یہ بھی بتا چکے تھے کہ اگلے ہفتے علی حیدر کے ساتھ درشہوار کی شادی ہے چاہے تو اٹینڈ کر سکتا ہے۔

آج وہ ایسے بلک بلک کر رو رہا تھا۔ جیسے دو دن کا بچہ ہو خالی ہاتھ ٹوٹا دل یہ سب کیا ہوگیا تھا اس میں کس چیز کی کمی ہے دولت عزت خوبصورتی تعلیم......وہ اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا۔

معاً دروازہ بجا وہ خود کو نارمل کر کے دروازہ کھول کر ہٹ گیا۔ ”ہادی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ شکست خوردہ آواز میں وہ شہوار ہی تھی۔ وہ

تڑپ کر پلٹا وہ سرخ چہرہ سرخ نگاہیں لیے کھڑی تھی۔
''کیا ہوا ہے؟'' وہ پاس آ کر پیار سے بولا۔ ''ہادی میں آپ سے بہت بہت پیار کرتی ہوں میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے امی کو بتا دیا ہے مگر امی کہتی ہیں ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں۔'' وہ ہادی کے گلے لگ گئی تھی بے تحاشا روتے ہوئے وہ تڑپ تڑپ کر بتا رہی تھی۔
عبدالہادی آنکھیں پھاڑے اس نازک سے وجود کو دیکھ رہا تھا دل چاہ رہا تھا ابھی ابھی وہ آنکھیں بند کرے اور کسی جادوگر کی طرح درشہوار کو ساتھ لے کر کسی اور دنیا میں پہنچ جائے جہاں وہ دونوں ہوں صرف اور ہر طرف پیار ہی پیار۔
عبدالہادی آپ بھی مجھے پیار کرتے ہو نا۔''
وہ بے تابی سے پیچھے ہٹ کر اس کا ہاتھ تھام کر پوچھ رہی تھی۔
''بتائیں نا۔'' ہاں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا بولا ہے وہ تو خواب دیکھ رہا تھا بس۔ ''تو آپ کو بابا کو بتانا پلیز بتانا کہ اسلام میں لڑکا لڑکی سے ان کی مرضی پوچھ لینا جائز ہے۔'' اسلام میں کسی بھی خاندان پر پابندی نہیں بس نیک مسلمان حلال حرام کی تمیز کرنے والا اسلامی تعلیمات کی پابند کرنے والا خوش اخلاق!...... اور اور اپ میں تو سب کچھ ہے سب کچھ۔
وہ عبدالہادی سے امید بھرے انداز میں کہہ رہی تھی جیسے وہ یہ سب کچھ کہے گا اور چوہدری حماد مان جائیں گے۔''
درشہوار بچوں کی طرح کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو۔ ہمت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اگر ابھی تمہیں کسی نے یہاں دیکھ لیا تو بات بہت بڑی بن جائے گی۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر متانت سے سمجھا رہا تھا۔
''سب ٹھیک ہو جائے گا نا......'' وہ خوفزدہ سی پوچھ رہی تھی۔ ''انشاء اللہ۔'' عبدالہادی نے پر یقین ہو کر کہا اور درشہوار کے جاتے ہی دروازہ بند کر لیا اور وہ اپنی پیکنگ کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

چھوٹا سا سادہ سا گھر تھا۔ مگر زندگی گزارنے کی ہر آسائش موجود تھی۔ عبدالہادی نے اس کو ایک کمرہ دکھایا تھا جو گھر میں کچھ سائیڈ پر ہی تھا۔ آپ یہاں آرام سے رہ سکتی ہیں۔ بہت سادہ سا انداز تھا اس کا پر جاتے جاتے وہ شکی انداز سے پوچھ رہا تھا۔
اُم ایمن آپ کے والد کا کیا نام ہے؟ اس وقت میں غور نہیں کر پایا......!'' جھکی جھکی پلکوں کے ساتھ جواب ملا۔
عبدالہادی نے بمشکل اپنی حیرت پر قابو پایا ایک نام جو اس کو پوری طرح اندر سے ہلا چکا تھا۔ ''کراچی کے رہنے والے ہیں کیا......؟''
وہ تصدیق چاہ رہا تھا۔ ''جی......'' بھیگا بھیگا لہجہ ''او کے۔'' وہ تیزی سے کہہ کر گھر سے چلا گیا۔ ایک چال چلی تھی زندگی نے اس کے ساتھ ابھی تو چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ اس خاندان کا ایک ایسا شخص جو ان کی عزت پر حرف لا کر ان کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا مجبوری ہی سہی پر حقیقت تو تھی نہ کہ وہ نکاح کر چکا ہے۔
وہ رات کو آفس ہی آ گیا تھا اور اس وقت بیٹھا خود کو کوس رہا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟
وہ درشہوار کی محبت' یادوں' وفا کسی بھی چیز کے ساتھ خیانت یا بے وفائی ہرگز نہیں کر سکتا تھا اور اس کی زندگی میں آیا بھی تو کون اُم ایمن کو درشہوار کی

آئیڈیل تھی۔ درشہوار اس کو بہت پیار کرتی تھی اس کے لیے بے پناہ دعائیں کرتی تھی کہ وہ جہاں رہے خوش ہو۔

پر یہ پورے خاندان کی عزت تباہ کر کے آ گئی تھی۔ اسی لیے اس کو یہ سب سزائیں مل رہی ہیں۔'' کبھی ہمدردی اور کبھی نفرت عبدالہادی اُم ایمن کی طرف سے عجیب جذبات کا شکار ہو رہا تھا۔ پر آخر میں ہمدردی اور انسیت کا جزبہ ہی غالب آیا کیوں کہ درشہوار کو اُم ایمن سے بہت محبت تھی۔

☆......☆......☆

''آخر کب تک شہوار......! کب تک...... تم اپنا یہی حال بنائے رکھو گی کب تک اپنی زندگی کے حسین دن پرانی یادوں کے ویران رستوں پر چل کر برباد کرو تم بناؤ......''

وہ ٹھنڈے پانی کے حوض میں ننگے پاؤں دے کر بیٹھی تھی امل اس کے پاس آ کر خفگی سے پوچھنے لگی درشہوار نے کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہیں غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں ''امل......!'' ہاں بولو......؟'' کچھ نہیں

وہ ایسے ہی کرتی تھی مخاطب کرتی اور پھر چپ کر جاتی ''حد ہے درشہوار......! سال ہونے کے قریب ہے اس نے پلٹ کر آنا ہوتا تو ضرور آ جاتا مجھے لگا ہے وہ تم سے واقعی محبت نہیں کرتا تھا......''

بہت درشتی اور خفگی سے اٹھتے ہوئے اس نے پانی کے چھینٹے اڑائے اور بہت تیزی سے اندر چلی گئی۔

''میری بات سنو تم۔'' امل اس کے پیچھے گئی تھی۔ چوہدری حماد نے اپنی اکلوتی بیٹی کے آگے چاروں شانے چت ہو گئے تھے۔ چوہدری جواد فطرتاً نرم دل انسان تھے انہوں نے خود بڑے بھائی کو کہا تھا کہ آپ اُم ایمن کا واقعہ بھول کر درشہوار کی شادی عبدالہادی سے کروائیں مگر دور دور تک عبدالہادی کا کوئی نام نشان نہیں ملا اس کے تمام کونٹیکٹ بند تھے۔

جس شخص سے بھی ہادی کے بارے میں پوچھا گیا لاعلمی کا اظہار ہی کیا گیا۔

وہ کیا کرتے اپنی اس لاڈلی بیٹی کا جس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ دیکھ کر مسز حماد چوہدری خود بیمار رہنے لگیں۔ پورا گھر بے رونق اور افسردہ رہنے لگا تھا۔

اُم مریم امریکہ سے خاص طور پر شہوار سے ملنے آئی ہوئی تھی۔

شہوار کے بڑے بھائی کے ساتھ ساتھ علی کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ ماحول تبدیل ہو چکا تھا پر درشہوار کے لیے جیسے زندگی تھم سی گئی تھی۔ پر وہ یہ وقت گم صم دروازے کو تکتی رہتی کہ عبدالہادی کہیں کسی پل تو مل جائے حتیٰ کہ وہ لڑکی جو باقاعدگی سے نماز بھی نہ پڑھتی تھی تہجد پڑھنے لگی تھی کب دعائیں قبول ہوں گی کب خواب روشن ہوں گے کبھی تو تمام سوچیں پوری ہوں گی کبھی تو امید بر لائیں گی۔

وہ پوری پوری رات جاگ کر گزار دیتی تھی۔ BCS تو جیسے تیسے کر ہی لیا۔ آگے پڑھنے سے خود ہی انکار کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''آپ ویکنڈ مری میں گزارتے ہیں......؟''

اُم ایمن نے چائے کا کپ عبدالہادی کے سامنے رکھا۔ ''جی'' مختصر جواب۔

''پوچھ سکتی ہوں کیوں......؟'' ڈرتے ڈرتے پوچھا گیا۔

میں جب بھی فرصت ہوتی ہے تو زندگی گزارنا

بہت مشکل ہو جاتے ہیں اس لیے میں مری چلا جاتا ہوں۔

''میری اپنی ایک دنیا ہے اُم ایمن۔'' اور وہ دنیا مجھے تب ہی اچھی لگتی ہے جب یہ دنیا اس میں شامل نہیں ہوتی۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز سے بتا رہا تھا۔ اُم ایمن کو اشارہ مل گیا تھا۔ ''اچھا میں ڈنر تیار کر لوں۔'' وہ متانت سے کہہ کر کچن میں چلی گئی۔

اس کو پورا ایک ماہ ہو گیا تھا اس مسیحا جیسے شخص کے ساتھ رہتے رہتے اور حیرت کی انتہا تھی کہ اس نے ایک بار بھی اُم ایمن کے حسن کی طرف ایک نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی تھی۔ جب کہ اس کا حق تھا اور اگر اس کی طرف مائل بھی ہوتا تو وہ کیا کر سکتی تھی جبکہ یہ زندگی اس کے توسط سے ملی تھی۔

آپ نے سب کو بتا دیا کہ میں آپ کی مسز ہوں آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہ بن جائے۔'' اُم ایمن حیرت وتشویش سے رات لے کھانے پر اس کو کہہ رہی تھی۔

''میں نیکی کرتے وقت کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔'' وہ جتا رہا تھا۔ ''اچھا...... اللہ پاک ویسے آپ سے سچ میں بہت خوش ہوں گے بہت۔'' وہ ہمیشہ کی طرح دعا دینے لگی۔

ایک بات پوچھوں......؟'' ''جی......'' تم نے گھر سے بھاگ کر شادی کیوں کی تھی......؟'' وہ نخوت سے پوچھ رہا تھا اُم ایمن کا سر ندامت سے جھکتا چلا گیا۔

''بتاؤ۔'' انداز سخت تھا۔ ''محبت سب کچھ کروا دیتی ہے۔'' نہایت ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا گیا۔ اور ماں باپ کی عزت......؟'' چھبتا ہوا سوال۔ ''بہت منایا تھا پیرنٹس کو بہت...... کاش!'' تڑپ بہت تھی۔ ''تمہیں معلوم ہے ان سب پر کیا گزر رہی ہوگی......؟'' انداز تھا......'' وہ اعتراف جرم کرنے لگی۔

''عبدالہادی اگر آپ کو کسی سے محبت ہوتی تو آپ کے لہجے میں میرے لیے کم از کم اتنی نفرت نہ ہوتی۔'' اُم ایمن منہ چھپا کر رونے لگی۔

''محبت......'' وہ استہزائیہ ہنسا محبت ندامت اور رسوائی کا نام نہیں۔'' ''بے شک پھر...... تم...... جو کچھ بھی ہوا غلط ہوا سب سے بڑا تھپڑ میرے منہ پر میرے نصیب نے مارا مرتضیٰ خان سے شادی کرنے کے بعد میں خود کو اس دنیا کی شہزادی سمجھ رہی تھی۔ مجھے خود پر اتنا غرور ہونے لگا تھا کہ میں ہواؤں میں اڑتی تھی دن رات۔

ماضی کی بھول بھلیوں میں الجھنے لگی تھی۔'' پتا ہے میرا فخر میرا غرور ایک سال بھی سلامت نہیں رہا میرے نصیب نے شادی کے دسویں ماہ ہی مرتضیٰ کو مجھ سے چھین لیا وہ بے آواز ہو رہی تھی۔''

مرتضیٰ نے مجھے اتنا پیار دیا کہ اب پیار کی حسرت ہی نہیں ہے اس دل میں...... میں پلٹ کر گھر والوں کی طرف نہیں گئی کیسے جاتی......؟؟ وہ جیسے اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی۔'' وہ مجھے کبھی قبول نہ کرتے دوبارہ اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی بے بسی اور بدقسمتی کی کہانی ہر کسی کو سنا کر اپنے گناہ معاف کرواتی۔

''مرتضیٰ کے ماں باپ بھی تو ظلم کر رہے تھے وہ کیوں سہتی رہی تم......؟'' وہ آج سب کچھ پوچھ رہا تھا۔'' وہ لوگ...... ظلم تو نہیں کر رہے تھے۔'' جواب پر وہ حیران رہ گیا جنہوں نے اپنی زندگی کا تمام سرمایہ ساری جمع پونجی لگا کر اپنے بیٹے کو کسی قابل بنایا ہو اس کے دن رات خواب دیکھے ہوں ایک انجان لڑکی کی نحوست کی وجہ سے وہ اس دنیا سے ہی چلا جائے تو ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی

بتایئے۔''

احساس کمتری یا یاسیت اور احساس محرومی اس کے اندر جیسے اس کی رگوں میں دوڑ رہی تھی۔ ''اُم ایمن۔'' عبدالہادی نے لمبی سانس خارج کی۔ '' کس حال میں کس طرح زندگی گزاری ہے اس لڑکی ہے جو ایک معزز ترین امیر اور ایجوکیٹڈ فیملی کا حلہ ہے اور سب سے بڑھ کر درشہوار کی آئیڈیل ہے۔''

تم جاب کرو گی میرے آفس میں...... اس کے اندر کے خالی پن کو دور کرنے کے لیے اس کا دھیان بٹانا ضروری تھا۔

''واقعی۔'' وہ بہت خوش بھی ہوئی اور حیران بھی۔ ''جی بالکل ضرور کروں گی۔'' وہ بے تحاشا خوش تھی کل میرے آفس چلنا ٹھیک ہے۔

''ہادی اس کو مزید خوش کر یک کھانے کی ٹیبل سے اٹھ چکا تھا۔

وہ عبدالہادی سے ایک بار بھی پوچھ نہیں پائی تھی کہ آخر اس کی زندگی میں کون ہے ایسا جو اس کو کسی طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ اُم ایمن لاکھ حسین سہی پر شاید واقع کوئی ایسا ہے جو عبدالہادی کے لیے اس کی زندگی اور اس کی پوری دنیا ہے اور عبدالہادی تسبیح کے مقدس دانوں کی طرح اس شخص کی یادوں کی حفاظت کرتا تھا' عزت کرتا تھا' قدر کرتا تھا وہ رات کلو جب اپنے کمرے میں بند ہوتا تو اس کی جرأت نہیں ہوتی کے وہ دروازہ بجائے' ویک اینڈ پر مری جاتا تو اس کی ہمت نہ ہوتی کہ اس کو جانے سے روک لے۔

پورے آفس میں پورے محلے میں وہ عبدالہادی کی مسز کے طور پر جانی جانے لگی تھی۔ وہ اس کی پہنچان بن گیا تھا۔

صرف وہ جانتی تھی کہ عبدالہادی کو جس کی یادوں کے سہارے سانس آتی ہے وہ کوئی اور ہے اور وہ اس کا نام تک نہیں جانتی۔'' محبت تو مرتضیٰ کی امانت تھی۔ پر کچھ اور تھا دل میں جواب عبدالہادی کے لیے پیدا ہو چکا تھا۔ اسے تجسس تھا کہ آخر کون ہے وہ خوش نصیب جو ہادی کی پسند ہے اور پھر سوچتی کہ آخر کون ہے وہ بدنصیب جسے ہادی نہیں ملا۔

اچانک موسم کے بدلاؤ کی وجہ سے وہ سخت بیمار پڑ گئی۔ ڈاکٹر نے پانی اور ہوا بدلنے کا کہا تو اس ویک اینڈ عبدالہادی اُس کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ وہ اپنے بیمار ہونے پر خوش ہوگئی چلو اس بہانے عبدالہادی کا قرب تو نصیب ہوا۔

عبدالہادی اور اس میں اچھی دوستی قائم ہو چکی وقت بہت اچھا گزر جاتا ہے اس وقت بھی دونوں آتش دان میں آگ جلائے اپنے کالج لائف کے قصے ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ ''آپ کو پتا ہے میری ایک کزن ہے درشہوار......'' وہ مجھے بہت بہت یاد آتی ہے سچ وہ بہت پیاری ہے پتا نہیں اب کیسی ہو گی وہ پورے چھ سال گزر گئے ہیں جب میں گھر سے آئی تھی اس وقت 14 سال کی تھی وہ۔

گھر کا ذکر آیا تو معاً درشہوار کا ذکر اُم ایمن کے ہونٹوں پر آ گیا۔

عبدالہادی نے چائے کا کپ نیچے کارپٹ پر رکھ دیا اور خود دیوار سے ٹیل لگائی۔ وہ دونوں آتش دان کے پاس نیچے کارپٹ پر ہی بیٹھے تھے۔ '' پڑھتی تھی وہ'' جی اسکول میں 9th گریڈ کی اسٹوڈنٹ تھی۔ مجھے بچپن ہی سے اس سے بہت پیار ہے جیسے میری سگی بہن ہو۔

وہ پیار سے بتا رہی تھی۔'' اچھا گڈ نائٹ۔'' عبدالہادی کا دل بے تاب ہو رہا تھا۔ محرومی کا احساس آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ اندر

سے بند کرلیا۔ اُم ایمن حیران رہ گئی تھی۔
تا حد نظر سبزہ ہی سبزہ اور دور تک پھیلی سنسان پتھریلی سڑک وہ ہوٹل کے ٹیرس پر اکیلی کھڑی تھی اور سورج کی پہلی کرن زمین پر پہنچتے ہی ٹیرس پر آ گئی تھی۔
اہل شہوار کو زبردستی یونیورسٹی ٹرپ کے ساتھ مری لائی تھی۔ اور دو دن سے وہ یہاں ہی رُکے ہوئے تھے۔ ہادی مجھے سبزہ بہت پسند ہے میرا دل چاہتا ہے کہ ہم مری میں رہتے ہوتے۔ وہ اکثر اپنی خواہش کا اظہار کرتی تھی آج بھی ایک وہی شخص یاد آ رہا تھا۔ جس سے دیوانوں کی طرح محبت کرنے لگی تھی۔
معاً جیسے دعائیں قبول ہو گئیں۔ امیدیں بر لے آئیں تھیں تمام خواب روشن ہو چکے تھے۔ امید کے سارے یقین چاند میں بدل چکے تھے۔ وہ حیرت و بے یقینی سے منہ کھولے نیچے سڑک پر دیکھ رہی تھی جہاں وہ عبدالہادی ہی تھا جو پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔
شہوار سانس لینا پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی۔ عبدالہادی وہ زندگی سے بھرپور آواز میں چلائی تھی۔ اور مقابل نے فوراً نگاہیں اٹھا کر دیکھا تھا جیسے اسی کی پکار کی تلاش میں ہو۔ ''عبدالہادی...... وہ پاگلوں کی طرح پکارے جا رہی تھی۔ کتنے پیارے لگ رہے تھے اپنے نام کے حرف یہ خواب تھا کہ سچ وہ ساکت کھڑا تھا وہ تیز سے سیڑھیاں اتر کر و کے پاس آ چکی تھی۔
''عبدالہادی۔'' وہ بری طرح خوشی سے کانپ رہی تھی۔ ''آپ مجھے مل گئے آخر۔''
اس کی سانسیں بے ربط ہو رہی تھیں اور پھر بے تحاشا روتے ہوئے ایک بار پھر عبدالہادی کے سینے سے لگ گئی۔

آپ مجھے کیوں چھوڑ کر چلے گئے تھے عبدالہادی...... آپ کو بابا نے بھیجا تھا...... آپ کیوں گئے مجھے چھوڑ کر۔
''وہ ایک سانس میں ہزار شکوے ہزار سوال کر رہی تھی۔ عبدالہادی سینے میں جو طوفان اٹھا ہوا تھا جیسے وہ تھم گیا تھا زخمی وجود پر جیسے کسی نے مرہم رکھ دیا تھا۔ سانسیں سکون کی حالت میں تھیں وہ ایک بار پھر خوش نصیب ٹھہرا تھا۔
بتائیں نہ کیوں گئے تھے......؟'' وہ پیچھے ہٹ کر خفگی سے پوچھ رہی تھی اترا چہرہ بجھی بجھی آنکھیں بکھرے بال کیا حال کر دیا عبدالہادی تم نے اس لڑکی کا عبدالہادی نے خود کو فوراً 'کوسا' پر جواب اس کو نہ دے سکا۔
عبدالہادی پتا ہے کچھ بھی نہیں بدلا کچھ بھی بابا مان گئے پھر اگھر مان گیا بابا نے مجھے کہا کہ جب عبدالہادی ملے گا اس سے میری شادی کر دیں گے۔ کچھ بھی نہیں بدلا عبدالہادی کچھ بھی نہیں علی نے خود انکار کر دیا دیکھیں میں آپ کی امانت ہوں۔
''وہ بے تابانہ انداز سے بتا رہی تھی آنکھوں میں بے تحاشا خوشی جھلک رہی تھی...... یہ کیا ہے......؟'' اس کی بائیں کلائی پر گہرا نشان دیکھ کر عبدالہادی نے حیرت سے پوچھا۔ ''کچھ...... کچھ...... کچھ بھی نہیں۔'' وہ گڑبڑا گئی۔ ''آپ اب میرے ساتھ چلو گے نا۔'' وہ فوراً پر یقین لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
اُم ایمن۔'' ایک گرم گرم سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا گیا تھا۔ اندر تک جلن ہی جلن ہی...... زندگی ملتے ملتے پھر بہت دور چلی گئی تھی سانس لینے کے لیے آکسیجن کم بہت کم لگ رہی تھی۔'' بے بسی سے شہوار کو دیکھنے لگا۔'' بتائیں......؟ شہوار کو ڈر لگنے لگا۔
''در شہوار......'' وہ محبت سے لبریز لہجے میں

بولا۔ ''جی بتائیں۔'' وہ آج بھی ضدی لا اُبالی اور جلد باز ہی تھی۔ '' میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا درشہوار...... '' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

'' کیوں...... '' کیوں کے میں شادی کر چکا ہوں۔'' بہت ہمتیں جمع کر کے عبدالہادی نے وہی کہا جو اس کو کہنا چاہیے تھا آخر وہ اُم ایمن کا کیا کرتا اگر شہوار کے ساتھ چلا جاتا تو۔

'' کیا......؟'' درشہوار جھٹکے سے کچھ دور ہٹی تھی چھن کر کے جیسے خوابوں کا پورا محل ٹوٹ کر گرنے لگا تھا۔ چاروں طرف زلزلہ کو آ چکا تھا۔ وہ بے یقین سی عبدالہادی کو دیکھ رہی تھی۔

ہاں درشہوار میں تمہاری زندگی سے جا چکا ہوں اور یہ ایک حقیقت ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا اور ٹھہرے پھر واپس اسی طرف مڑ گیا جہاں سے آیا تھا۔

کیوں وہ اتنی بدنصیب ہے کہ محبت بھری آنکھوں۔کے باوجود وہ عبدالہادی کے منہ سے ہمیشہ دھتکار کے لفظ ہی سنتی تھی۔

☆......☆......☆

پُر اسراریت اُم ایمن کو بے چین کر رہی تھی کیا راز تھے آخر جو اتنے چھپائے جا رہے تھے ایسا بھی کیا تھا جو اتنا پوشیدہ تھا۔

عبدالہادی ہٹ سے باہر گیا تو اُم ایمن خود کو روک نہ پائی اور عبدالہادی کے بیڈ روم میں آ گئی دیوار پر جو الماری تھی اس کو لاک نہیں لگا ہوا تھا۔ اُم ایمن نے کھولی سامنے ہی سنہری رنگ کا بکس جگمگا رہا تھا ایمن نے دھڑکتے دل کے ساتھ باہر نکال کر بیڈ پر رکھ لیا دل عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا جیسے وہ کوئی گناہ کر رہی ہو دھڑکتے دل کانتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے کھولا تو کانچ کی پنک چوڑیاں سفید موتیوں کے ٹاپس سفید نگ کی نفیس انگوٹھی تو یہ سب عبدالہادی کا سرمایہ تھا جس کو وہ سب سے چھپا چھپا کر سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا۔

وہ کسی پاک چیز کی طرح ڈر ڈر کر ہر چیز کو ہاتھ لگا رہی تھی پر جان تو وہ اب تک نہ سکی تھی کہ آخر اس کا نام کیا ہے جو عبدالہادی کا سب کچھ تھی کچھ دیر بعد جب وہ گولڈن بکس الماری میں رکھ رہی تھی تو بری طرح چونک گئی۔ حیرت کی انتہا پر تھی اور بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے الماری کے کونے میں رکھے ٹیڈی بیئر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی یادداشت اتنی کمزور نہ تھی کہ وہ یہ ٹیڈی بھول جاتی سنہرے اور سفید رنگ کا بڑا سا ٹیڈی جو اس نے درشہوار کو گفٹ کیا تھا اور ٹیڈی کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے سینے پر سرخ رنگ کا جو دل نا تھا اس کے اندر اُم ایمن نے خود وائٹ کلر سے ہپی برتھ ڈے لکھا اور وہ اب تک جگمگا رہا تھا۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اُسے اٹھا رہی تھی۔

درشہوار...... '' وہ پاگلوں کی طرح ٹیڈی چوم رہی تھی جیسے خود درشہوار ہو۔ ''میری پیاری درشہوار'' وہ بھول گئی تھی کہ وہ عبدالہادی کی وجہ سے اس روم میں آئی تھی اچانک اس کو جیسے سب کچھ یاد آ گیا وہ پھر بے یقینی کے عالم میں تھی۔

'' کیا وہ لڑکی درشہوار ہے......؟'' وہ دیواروں سے سوال کر رہی تھی اور پھر بے ترتیب دھڑکنوں کو لے کر وہاں سے چلی گئی جیسے اس کمرے میں آئی ہی نہیں۔

کیوں اتنی مشکل ہوگئی ہے زندگی کیوں ایسا لگتا ہے ایک ایک دن عذاب ہے وہ گھر پہنچتے ہی کمرے میں گھس گیا تھا اور تکیے میں منہ چھپا کر بے تحاشا رو رہا تھا کتنا بے بس اتھا اگر وہ اُم ایمن کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ شاید شہوار سے جھوٹ بول کر اس کے ساتھ چلا جاتا پر ''اُم ایمن'' اس کے ہوتے ہوئے وہ

درشہوار سے کیسے سب کچھ چھپاتا اس کو۔
دروازہ آہستگی سے کھٹکھایا گیا۔ وہ اپنا منہ رگڑنے لگا آجاؤ دروازہ کھول کر وہ پھر بیڈ پر ڈھے گیا۔ ''خیریت ہے...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے......'' وہ پریشانی وفکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔ ''تم میری فکر مت کرو خدا کے واسطے تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں جاؤ یہاں سے جان چھوڑو میری مجھے اکیلے رہنا ہے۔''
وہ پھٹ ہی پڑا تھا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا بس چلتا تو کھا جاتا یہ وجود۔
اُم ایمن سہم کر دور ہٹ گئی تھی اور پھر غصیلی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً اپنے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ عبدالہادی کا رویہ اُم ایمن کے ساتھ نہایت سخت اور سرد ہو چکا تھا اور چاہ کر بھی درشہوار کے حوالے سے کوئی سوال نہیں کر پا رہی تھی۔
اسی دن وہ اس کو واپس پنڈی لے آیا تھا
وہ ادھر ہی کھڑی تھی گھنٹہ دو گھنٹے اور پھر کتنی ہی دیر گزر گئی وہ ادھر ہی جمی کھڑی تھی امل کا گلا اس کو پکار پکار کر سوکھ گیا تھا پر وہ جواب نہیں دے رہی تھی بے حس وحرکت نگاہیں زمین پر گاڑے کھڑی تھی۔
درشہوار کی قوت گو یائی جیسے کھو چکی تھی امل آ کر زبردستی اس کو پکڑ کر اندر کمرے میں لے آئی تھی کیوں بارش بہت تیز بارش شروع ہو چکی تھی۔ ''امل وہ آیا تھا۔'' آ کر وہ چپ توڑ کر بے یقین لہجے میں کہہ رہی تھی۔
''امل مجھے یقین نہیں آ رہا...... وہ آیا اور چلا بھی گیا۔'' ''میں نے تو اتنی دعائیں مانگی تھیں...... ہر پل ہر لحہ پکارا تھا اس کو...... کیا وہ بس اتنی سی دیر کے لیے آیا اور وہ بھی جسٹ یہ بتانے کے وہ......'' وہ کسی خواب کی کیفیت میں رک رک کر بول رہی تھی اور پھر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر بے تحاشا رونے لگی۔
''کیا عبدالہادی آیا تھا وہ ملا تمہیں......؟''
امل کو اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''کیا کہہ رہی ہو تم سچ بتاؤ......'' امل نے شہوار کے دونوں ہاتھ تھام لیے وہ شہوار کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔
''امل کیا وہ مجھے واقعی پیار نہیں کرتا...... امل وہ نہیں کرتا مجھے پیار...... کیا میں نے یک طرفہ محبت کی......؟ وہ بے یقینی کے عالم میں امل کی بات کا جواب دے رہی تھی۔
''اچھا بتاؤ مجھے پوری بات بتاؤ آخر ہوا کیا تھا؟'' امل نے اس کو پیار اور ترحم سے گلے لگایا اور وہ ایک بار پھر کھل کر رو دی۔ ''دیکھو شہوار! اس کا قصور نہیں ہے ذرا بھی نہیں ہے اس نے تمہیں کوئی آس نہیں دلائی تھی، وعدہ نہیں کیا تھا، وفا کے دعوے نہیں کیے تھے پھر تم اس کی محبت بھری نگاہوں سے اتنی امیدیں کیوں لگائیں اس کی پوری بات سن لینے کے بعد امل اسکو سمجھا رہی تھی۔ درشہوار نے کوئی جواب نہ دیا وہ لوگ واپس جانے کی تیاری کرنے لگیں تھیں۔
☆......☆......☆
خزاں آئی اور پھر جیسے جم کر ہی رہ گئی تھی۔ دنیا کی جیسے ہر شے یاسیت کی چادر اوڑھ گئی تھی۔
وہ مرے مرے قدموں سے ہاسٹل پہنچا تھا زندگی تو گزارنی ہی تھی چاہے سانس لینے میں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو اس نے ڈاکٹر سے پہلے خود کا چیک اپ کرایا پھر اُم ایمن کی رپوٹ جو کہ ڈاکٹر نے آج شام چار بجے اٹھانے کو کہا تھا اور پھر رپورٹ دیتے ہوئے ڈاکٹر نے جو اس کو کہا اور جو اس نے رپورٹ میں پڑھا وہ اس کے ہوش اڑادنے کے لیے کافی تھا اس کا سر اس قدر زور سے چکرایا اس کو لگتا تھا کہ وہ زمین پر ہی گر جائے گا یہ کیسے کیسے امتحانات آ رہے ہیں زندگی میں وہ سر تھام کر کرسی پر بیٹھا تھا اور

پھر تمام ہمتیں جمع کر کے بڑی مشکل سے اٹھا اور گھر جانے کے لیے گاڑی کی طرف گیا۔

کتنے ہی آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے دونوں گالوں پر گر رہے تھے۔ قصداً اس نے گاڑی روکی اور اُم ایمن کے لیے موتیے اور گلاب کے گجرے خریدے تھے ساتھ میں چاکلیٹس بھی لیں اور دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کردی۔''

☆......☆......☆

اب دل اور اس کی روز جنگ ہوتی تھی۔ مسز حماد اور امل نے اس کو سمجھایا بھی تھا کہ وہ کبھی اس کا نہیں تھا وہ اپنے کام کی غرض سے یہاں آیا اور کام ہوئے ہی چلا گیا یہ اس کی بے وقوفی ہے جو اس قدر شدید محبت اس سے کرنے لگ گئی تھی۔ کچھ کچھ وہ ان کی بات سمجھ گئی تھی۔ اپنے اندر کی شدت اور بھرپور سعی اور برداشت کے بعد کافی حد تک اس نے کم کرلیا تھا دل اپنی راہوں پر جانے کا بار بار کہتا وہ اپنے پاوں خفگی ناراضگی غصے کی زنجیروں سے باندھ لیتی اور عبدالہادی کی طرف اس کی سوچوں کی طرف اٹھائے جانے والے قدم روک لیتی کوئی رات کوئی دن ایسا نہیں تھا جہاں عبدالہادی اس کی دنیا کا شہزادہ بن کر اس کے سامنے نہ آتا اور کہتا کہ بس تم اس کی امانت ہو۔

یہ ہی وجہ تھی کہ اس کو چوہدری حماد نے دو رشتوں میں سے ایک سیلیکٹ کرنے کو کہا ایک اس کا اپنا ماموں کا بیٹا تھا اور ایک چوہدری فیملی سے ہی چوہدری حماد کے دوست کا بیٹا مسز حماد کی نظر میں اپنے بھائی کے گھر رشتہ کرنا زیادہ مناسب تھا۔ رشتے دونوں ہی اچھے تھے پر اس نے صاف انکار کردیا۔'' امل میں نے کافی حد تک خود کو نارمل کرلیا ہے پر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم لوگ میری شادی کردو گے۔''

وہ سخت لہجے میں کہہ رہی تھی۔ میں کوئی جاب کر لوں گی تم سب پر بوجھ نہیں بنوں گی پر شادی مجھے نہیں کرنی۔'' وہ امل کو جتاتے ہوئے دوٹوک کہہ رہی تھی۔'' اُف......!'' امل نے ٹھنڈی سانس خارج کی تھی۔ شہوار اپنی سرخ آنکھیں بے ساختہ رگڑنے لگی تھی۔ بار بار آنسو آئیں تو اب جلن رہنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اُم ایمن تم اپنا بالکل بھی خیال نہیں کرتیں۔

بہت پیار سے ایمن نے دونوں ہاتھ تھام کر عبدالہادی خفگی سے کہہ رہا تھا۔'' اُم ایمن کا دل بہت زور سے دھڑکنے لگا پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اُسے اتنے پیار سے عبدالہادی نے ایمن کے ہاتھ تھامے ہوں۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ اُم ایمن کا کسی کانچ کی گڑیا کی طرح خیال کر رہا تھا اس کی طبیعت کا بدلاؤ ایمن خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ کیوں کیا اس بار بھی میری رپورٹس ٹھیک نہیں آئیں......؟''

وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔'' نہیں یار رپورٹس تو ٹھیک ہیں پر شکل تو دیکھو اپنی اتنا خوبصورت چہرہ کسی بجھے ہوئے چراغ کی طرح لگتی ہو تم۔''

وہ اس کا جائزہ لے رہا تھا اس کی گہری نگاہوں سے وہ جھینپ کر رہ گئی۔

اچھا آج سے خیال رکھوں گی۔'' وہ فوراً مان گئی تھی۔ عبدالہادی نے پیار سے اس کے ماتھے پر آئے ہوئے بال ہٹائے تھے۔ آج اُم ایمن پر نجانے کیوں اتنا پیار آرہا تھا، جیسے وہ کوئی پیاری سی گڑیا ہو۔'' اُم ایمن بے ساختگی کی اس حرکت پر پتھر ہی تو بن گئی تھی کیا عبدالہادی مجھے پیار تو نہیں کرنے لگے مگر دوسرے ہی لمحے وہ وہ خود کو جھٹلا رہی تھی۔

رات کا کھانا وہ دونوں باہر ہوٹل میں کھا رہے تھے۔ وہ بھی اُم ایمن کی پسند کا ایمن کو اس ایک مہینے میں ایسا فیل ہوتا تھا جیسے مرتضیٰ سے زیادہ عبدالہادی

اس کا خیال رکھ رہا ہے۔ ''آپ کو کسی سے محبت ہے۔''

''وہ ہادی کا اچھا موڈ دیکھ کر دل میں کب سے چھپے سوال پوچھ ہی بیٹھی۔ ''ہاں ہے۔' ایمن کا دل دھڑکنے لگا۔ ''پوچھ سکتی ہوں کس سے......؟'' اُم ایمن بس اتنا سمجھ لو کہ اس کی محبت نے ہی مجھے زندہ رکھا ہوا ہے اگر اس کی محبت بھی میری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو کب کا عبدالہادی کھوکھلے وجود کے ساتھ مر چکا ہوتا۔ میں سانس بعد میں لیتا ہوں پہلے اس کو یاد کرتا ہوں۔

''لیکن میں ...... وہ جذباتیت میں کہتا کہتا رک گیا۔ ''کیا آپ وہ ہمہ تن گوش تھی۔ ''میں بہت برا ہوں بہت...... اس دنیا کا سب سے بے وفا...... سب سے بدنصیب' سب سے زیادہ ظالم......'' وہ اعتراف کر رہا تھا اپنے دونوں ہاتھ سختی سے میز پر جما کر آنسو پلکوں سے نیچے آئے تو اس نے سر بھی جھکا دیا۔

''پلیز سوری عبدالہادی......'' وہ رو رہا تھا ایمن کا دل کٹنے لگا۔

ایمن محبت بہت بری چیز ہے یہ تو تم بھی جانتی ہو نا......؟'' جی بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔'' ایمن نے گہرے لہجے میں کہا۔ ''کیا اس لڑکی کا نام در شہوار ہے......'' دھک دھک دل کے ساتھ وہ پوچھ رہی تھی۔

''نہیں......نہیں......تو۔'' نگاہیں چراتا ہوا وہ جھوٹ بول رہا تھا پر اُم ایمن سمجھ چکی تھی۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر نے عبدالہادی کو پھر ایک مشکل میں ڈال دیا تھا ان کا کہنا تھا کہ اُم ایمن کو برین ٹیومر ہے اور وہ اس تیزی سے پھیل چکا ہے کہ اُم ایمن کے پاس صرف چند ماہ ہی باقی ہیں یہ خبر سننے کے بعد اس کو واقعی میں دکھ اور صدمہ ہوا تھا اُم ایمن کے پاس گھر آتے ہوئے پتا وہ کتنی بار اپنی گیلی آنکھیں صاف کر چکا تھا۔

گھر جا کر بہت محبت سے بولا۔

''ایمن ایک بات پوچھوں......؟'' وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی جی پوچھیں۔'' اپنے گھر والوں سے ملنے کو دل کرتا ہے تمہارا......؟''

اُم ایمن نے ہاتھ میں پکڑا کپ بہ مشکل شیلف کر رکھا۔ اس کا وجود کپکپا رہا تھا۔ ''کیا ہوا......؟'' کچھ نہیں...... نہیں کرتا۔'' وہ نگاہیں چراتے ہوئے بولی۔

I am your Friend tell me''

۔''بہت کرتا ہے۔'' وہ مدھم سا بولی۔ ''واقعی......؟'' جی وہ بے ساختہ رونے لگی تھی۔ ''ارے یار میرا وعدہ ہے تم سے کل تمہیں تمہارے گھر لے کر جاؤں گا سب سے ملواؤں گا۔'' وہ یقین سے کہہ رہا تھا۔

''کیا......؟؟'' وہ مجسمہ حیرت تھی۔ ''ہاں وعدہ ہے میرا اور عبدالہادی کم از کم وعدہ نہیں توڑتا۔'' وہ شوخ لہجے میں بتا رہا تھا ایمن خوشی سے پاگل ہونے کو تھی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ دونوں چوہدری ہاؤس کی طرف رواں دواں تھے۔ دل دونوں کے ہی بہت تیزی سے دھڑک رہے تھے اسی لیے دونوں ہی بالکل چپ تھے۔ گاڑی میں بلا کا سکوت طاری تھا۔ ''در شہوار کو یقیناً بہت غلط مطلب نکالے گی وہ کیا سمجھے گی......؟'' سوال دونوں کے ذہنوں میں ایک ہی اٹھ رہا تھا۔ ''میں کیسے سمجھاؤں گا اس کو۔ عبدالہادی کی جان نکل رہی تھی۔

طویل سفر کے بعد وہ دونوں چوہدری ہاؤس کے سامنے ہی موجود تھے۔ عبدالہادی نے گاڑی باہر ہی روک دی اور اتر کر ایمن کو بھی اترنے کو کہا۔ پورے

ساڑھے چھ سال بعد وہ اپنے گھر کا گیٹ دیکھ رہی تھی اپنے پیاروں کا گھر وہ دروازہ چوم رہی تھی۔ آنسو ایسے بہہ رہے تھے جیسے آج ہی آنکھوں میں آئے ہیں۔ عبدالہادی اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے آیا وہ بری طرح ڈر رہی تھی۔ جیسے سب اُس کو مار ڈالیں گے سب سنگسار کر دیں گے۔ ''نہیں مجھے نہیں جانا......'' وہ کانپتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی سامنے ہی کوریڈور تھا۔ اُم ایمن ہمت کرو۔ وہ اس کا حوصلہ بنا تھا۔ ''میں ہوں نا پیار سے تھپکی دی۔

اُم ایمن اس کے پیچھے چل کر لیونگ روم میں پہنچی تو چھ فٹ کے عبدالہادی کے پیچھے چھپی کسی کو ٹھیک سے نظر نہیں آئی۔ عبدالہادی دو تین ملی جلی آوازیں ابھریں تھیں۔ اور سب ہی اٹھ کر حیرت سے کھڑے ہو گئے تھے۔

امل نے تیزی سے درشہوار کے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ عبدالہادی سے متانت سے سلام۔ جس کا جواب حیرت سے ہی ملا امل اس کو کچھ بتائے بغیر کھینچ کر لیونگ روم میں لے آئی تھی۔ وہ مجسمہ بنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے عبدالہادی کو دیکھ رہی تھی۔ یہ تو عبدالہادی ہے وہی عبدالہادی جس کو وہ بے تحاشا پیار کرتی تھی۔ آج وہ پھر اس کے سامنے تھے۔ پر کوئی اور بھی تو تھا لائٹ پرپل کلر کے لباس میں ملبوس ہادی کی اوٹ میں اس کی جانب ہادی کے سامنے سے ہٹتے ہی اُم ایمن سب کو صاف صاف نظر آ رہی تھی ہر شخص ششدر تھا گنگ تھا۔

مسز جواد نے بے ساختہ جذباتی ہوتے ہوئے اُم ایمن کو گلے سے لگا لیا۔ ''میری بچی میری اُم ایمن......!'' وہ شدت جذبات سے اس کو چوم رہی تھیں۔ جیسے برسوں کی تڑپتی مامتا کو قرار مل گیا ہو اور پھر سب ہی اُم ایمن سے مل رہے تھے۔

عبدالہادی کی نگاہیں عشق میں اپنی ذات کو فنا کر دینے والی درشہوار کے اوپر ہی تھیں۔ وہ اُم ایمن سے بہت پیار سے مل رہی تھی۔ سالوں کی جدائی ختم ہو تو انسان کے چہرے پر کتنی پیاری خوشی آتی ہے وہ آج دیکھ سکتا تھا اس وقت گھر میں صرف خواتین تھیں اور سب کی سب ہی مسرور تھیں۔ حتیٰ کے درشہوار بھی روتی ہوئی اُم ایمن کو چپ کروا رہی تھی۔

اس وقت گھر میں سناٹا چھا گیا جب لنچ ٹائم پر چوہدری حماد اور اُم ایمن کے والد چوہدری جواد آ گئے وہ سب اسی طرح لیونگ روم میں ہی موجود تھے عبدالہادی سے ابھی تک کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا۔ چوہدری حماد اور چوہدری جواد دونوں پتھر کے ہی بن گئے حیرت سے عبدالہادی اور اُم ایمن کو دیکھتے ہوئے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

اُم ایمن ڈرتے ڈرتے اٹھی اور چوہدری حماد کے پاس آئی اور ان کے قدموں میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مسز جواد منہ چھپا کر رو رہی تھیں۔ اگلے ہی پل انہوں نے اُم ایمن کو بازوؤں سے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ معاف تو وہ اس کو اسی دن کر چکے تھے جس دن درشہوار کو نئی زندگی ملی تھی۔ چوہدری جواد نے اپنی پیاری سی بیٹی کو کتنے سالوں بعد دیکھا تھا۔ کتنی کمزور ناتواں لگ رہی تھی۔ جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو۔ سب سے معافی مانگ رہی تھی اور رو رہی تھی گڑگڑا رہی تھی اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں پچھتاوا اعتراف سب شامل تھا۔

بے تحاشا جذباتی ماحول کے بعد کمرے میں اس وقت صرف سناٹا تھا مسز جواد بیٹی کو اپنے ساتھ کمرے میں لے جا چکی تھیں کمرے میں صرف گھر کے مرد تھے وہ کمرے کے دروازے میں قریباً چھپ کر کھڑی تھی اور سامنے صوفے پر بیٹھے عبدالہادی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا کچھ بھی نہیں بدلا

تھا بس ''آنکھیں'' یہ بتا رہی تھیں کہ وہ کتنے کرب میں رہا ہے کتنا درد سہا ہے اس نے وہ یک ٹک اس کو دیکھے جا رہی تھی معاً چونک اٹھی۔

''تم سے اُم ایمن کا نکاح کب اور کہاں ہوا......؟'' شاید وہ اپنی اور اُم ایمن کی ہی کہانی سنا رہا تھا ان سب کو پر یہ کیسے الفاظ تھے جو اس کی سماعتوں پر دھماکے کرتے چلے گئے وہ لڑکھڑا تی گئی بمشکل دروازہ سنبھالا حیرت اور صرف حیرت سے وہ عبدالہادی کے جواب کی منتظر تھی۔

میرا نکاح اُم ایمن سے تقریباً سات آٹھ ماہ پہلے ہوا ہے۔'' سارے خواب ساری خواہشیں ساری خوشیاں ٹوٹ پھوٹ ہو گئیں کچھ دیر بعد ہی از سر بنا محل ایک بار پھر ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ شیشے کے نوکیلے ٹکڑے اس کے پورے وجود کے اندر پیوست ہو رہے تھے۔ دل کٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے گرم پانی بہنے لگا وہ آگے کچھ بھی نہ سن سکی تیزی سے بھاگی اور اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ لاک کر دیا۔

☆......☆......☆

عبدالہادی اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا ایک زندگی سے بہت بہت دور جاتے ہوئے شخص کو زندگی دینا ہی تو اس کا مقصد تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو چکا تھا یہ کامیابی ہی تو تھی کہ اپنے والدین کی شفقت و محبت سے محروم اُم ایمن کو ایک بار پھر والدین کی محبت و شفقت میسر ہو گئی تھی اور یہ سب کچھ عبدالہادی کی وجہ سے ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنے بارے میں بھی تو کچھ نہ سوچا تھا اور نہ ہی درشہوار کے بارے میں۔

جب سے وہ آیا تھا شہوار اپنے کمرے میں بند تھی کمرے سے باہر بھی آئی تو ایک بار بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی اُم ایمن سے بھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کر رہی تھی وہ خود حیران تھی کہ اُم ایمن جا کو وہ اپنا آئیڈیل کہتی تھی۔ اُس سے اس قدر شدید جلن کیسے محسوس کر رہی تھی اور عبدالہادی سے تو جیسے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

لیکن اس دن جب مسز حماد نے روتے ہوئے اسے بتایا کہ اُم ایمن کو برین ٹیومر ہے اور اس کے پاس وقت بہت ہی کم ہے تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی وہ بے ساختہ سن کر رونے لگی۔ ''امی کیا کہہ رہی ہیں......؟''

''یہ سچ ہے۔'' مسز حماد بے حد دکھ سے بولیں۔ اوہ اسی لیے سب نے فوراً معاف کر دیا۔ وہ بہت دور سے بول رہی تھی۔ شاید...... گہرا دکھ وہ دونوں ایمن کے ہی پاس آ گئیں۔

ایمن کو ابھی تک اپنی بیماری کا علم نہیں تھا۔ ''آپی آپ یہاں آ کر خوش ہیں نا۔'' وہ اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئی۔ '......درشہوار...... میری جان میری گڑیا کیسی ہو تم؟'' ایمن نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''ٹھیک وہ گلے لگ گئی کیوں ہوتا ہے ایسا کہ اتنے پیارے لوگ چلے جاتے ہیں بہت بہت دور...... یہ کیسی زندگی ہے کیوں ختم ہو جاتی ہے......؟''

''وہ گلے لگ کر رو بھی رہی تھی اور سوچ بھی رہی تھی۔'' کیا ہوا درشہوار؟'' ایمن کو محسوس ہوا تو فوراً گلے سے ہٹا کر بولی۔ ''کچھ...... کچھ...... نہیں آپی بس سوچ رہی تھی کہ اتنے دن آپ دور رہیں......'' وہ متانت سے بات بدل گئی۔''

''شہوار......! کمرہ خالی ہوا تو ایمن نے پکارا۔'' جی......'' یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے کیا ہوا ہے تمہیں......؟'' وہ پیار سے پوچھ رہی تھی۔'' محبت '' بے ساختہ درشہوار کے لب ہلے۔'' کیا......؟ سچ......

؟'' اُم ایمن نے تصدیق چاہی۔ '' نن...... نہیں...... ہاہاہا......'' وہ گڑبڑا کر مصنوعی ہنسی ہنس دی۔ '' آپی میرا نصیب اچھا نہیں ہے وہ زخمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ '' خبر دار آئندہ ایسا مت کہنا۔

بتاؤ مجھے وہ کون ہے تنبیہی کرتے ہوئے ایمن پوچھ رہی تھی بلکہ اپنا شک یقین میں بدل رہی تھی۔ '' آپی......'' جی وہ شہوار سے قابو ہو کر گلے لگ گئی آپی وہ بہت برا ہے میں اس سے محبت نہیں کرتی۔

'' کتنا ٹوٹا ہوا انداز لہجہ جیسے تھکاوٹ اور دور اب حد پار کر گیا ہو۔ '' کس سے عبدالہادی سے۔''

ایمن نے اس کے بال سہلاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔ '' جی......'' وہ پیچھے ہٹی اور سنجیدگی سے کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔

اُم ایمن کا دماغ گھوم رہا تھا پچھلے چار مہینے سے اس کے سر میں شدید درد رہتا تھا کبھی کبھی تو دل چاہتا تھا کہ دیوار سے ٹکریں مارے اور اپنا اور یہ درد دونوں ہی ختم کر دے۔ اور یہی کنڈیشن آج اس وقت ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

امل میں یہ سب کیا سن رہی ہوں......؟'' وہ دندناتی ہوئی کچن میں آ کر چلائی تھی۔ امل پاستا بنا رہی تھی مسکرا کر بولی۔ '' جو تم سالوں سے چاہتی تھی وہی سن رہی ہو۔'' میں اب ایسا کچھ بھی نہیں چاہتی کچھ بھی '' مائی ڈیئر کزن یہ سب تو قسمت کے کھیل ہیں جب انسان جیتنا چاہے تو ہار مل جائے اور جب ہارنا چاہے تو جیت مل جائے۔ جو منشا الٰہی۔

امل پاستا باؤل میں نکال رہی تھی۔ '' پر اب ایسا نہیں ہوگا کیونکہ میں اب وہ در شہوار نہیں رہی۔'' وہ قطعی انداز سے کہہ کر کچن سے نکل گئی۔ آج وہ پورے دن گزرنے کے بعد گیسٹ ہاؤس آ رہی تھی۔ جہاں عبدالہادی قیام پذیر تھا وہ نہایت غصے اور طیش میں اس کے کمرے میں آئی تھی وہ بیڈ پر اداس لیٹا تھا مجھے آپ سے بات کرنی ہے انداز بہت سخت اور سپاٹ تھا۔

وہ حیرت سے دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ '' جی شہوار بولو۔

وہ حسب عادت محبت سے بولا۔ '' یہ کیا ڈرامہ ہے...... آپ کی نظر میں، میں کھلونا ہوں ہاں!'' وہ درشتی سے دریافت کر رہی تھی۔ '' کیا میں سمجھا نہیں......'' وہ لاعلمی سے بولا۔ '' مسٹر عبدالہادی میں آپ سے کسی بھی صورت نکاح کرنے پر راضی نہیں ہوں...... کیوں کہ میں نے اتنے بے حس ضدی اور پتھر جیسے انسان کے ساتھ کسی صورت پوری زندگی نہیں گزارنا چاہوں گی۔

آج وہ جیسے سب گلے شکوے نفرت بھرے انداز میں کرنے کا ارادہ کر کے آئی تھی۔ عبدالہادی نے تڑپ کر اس کی حقارت بھری نگاہوں میں دیکھا تھا۔ '' کیا سمجھتے ہو آپ ہاں جب چاہو گے در شہوار کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے جب چاہو گے حاصل کر لو گے......؟'' وہ جیسے عبدالہادی کو کوڑوں سے مار رہی تھی وہ گونگا بن گیا تھا جیسے '' ایک بات اور مسٹر عبدالہادی۔ '' آئی ڈونٹ نو اُم ایمن آپی سے آپ نے شادی اپنی حسن پرستی کی وجہ سے کی ہمدردی کے تحت کی یا وقت گزاری کے لیے پر میں بتا رہی ہوں آپ کو۔'' وہ انگلی اٹھا کر جیسے وارننگ دے رہی تھی۔ '' ان کو اگر طلاق دی تو اچھا نہیں ہوگا۔

وہ آخری جملہ مکمل کر کے رکی نہیں تھی عبدالہادی سلگتے کوئلوں پر ننگے پاؤں چل رہا تھا کیسے الفاظ تھے یہ کیسی باتیں تھیں اس کا وجود تار تار کر گئے تھے وہ سسک سسک کر رونے لگا۔

☆......☆......☆

'' شہوار بیٹا کب تک زندگی کو اپنے مطابق

جینے کی خواہش میں اداس رکھو گی۔ کب تک دکھوں کو گلے کا ہار بناؤ گی کب تک......؟''

اس وقت اس کے کمرے میں اس کے والدین کے علاوہ چوہدری جواد بھی تھے اور اس وقت وہ ہی اس سے مخاطب بھی تھے ''چھوٹے بابا تھک گئی ہوں زندگی سے۔'' وہ بے بس ہو چکی تھی۔ ''تو پھر کچھ خدا کی مرضی بھی قبول کرلو شہوار......!'' چوہدری حماد پیار سے بولے وہ نظریں جھکا گئی۔ اس جمعے کو ہم تمہارا نکاح کرنا چاہتے ہیں اور یہ اُم ایمن کی شدید خواہش ہے بیٹا کیا اس کی بات بھی نہیں مانو گی......'' مسز حماد کی نگاہیں بھر آ ئیں۔ ''پر یہ آپی پر ظلم ہوگا......؟'' وہ ماننے کو تیار نہ تھی۔ اس کے نصیب میں جو کچھ تھا وہی ملا اس کو عبدالہادی تمہارا نصیب ہے شہوار۔'' چوہدری حماد نے قائل کیا۔

اوکے میں آپی سے خود بات کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر ایمن کے پاس آ گئی۔ ''آپی! یہ کیا ہے کیوں کر رہی ہیں آپ ایسے......؟'' وہ ایمن کے سامنے بیٹھ گئی تھی ایمن کی حالت بہت بہت ڈاؤن لگ رہی تھی۔ ''درشہوار مجھے زندگی میں ایک کام تو ایسا کرنے دو جو مجھے بہت بہت سکون دے سکے میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' روتے روتے ہاتھ جوڑے تو شہوار تڑپ کر لپٹ گئی۔

شہوار مجھے پتا ہے میرے پاس زندگی باقی نہیں رہی مجھ سے سب چھپاتے پر مجھے ہر بات پتا ہے ......اُم ایمن تڑپ تڑپ کر کرب بھرے انداز سے بولے جا رہی تھی اور شہوار کے اندر اتنا حوصلہ نہ تھا کہ اس کو دیکھ بھی سکے۔

جمعے کے دن عبدالہادی اور درشہوار کا نکاح ہوا تھا گھر میں چھوٹی سی تقریب رکھی گئی تھی عبدالہادی کی اکلوتی خالہ USA سے فوراً پہنچ گئی تھیں اور بہت خوش تھیں۔ وہ پنک کلر کے لہنگے میں ملبوس تھی جبکہ عبدالہادی بلیک سوٹ میں ملبوس تھا۔ ایسا ہی ہوتا ہے انسان بھاگا بھاگا پھرے اپنا آپ برپا کر دے، دنیا کے پیر پڑ جائے پر جو چیز اللہ پاک نے جس وقت دینی ہوتی ہے اسی وقت ملتی ہے۔

ہادی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ درشہوار مل جائے گی اور وہ بھی اس طرح وہ پلکیں جھکائے بیٹھی درشہوار کو محویت سے دیکھ رہا تھا۔ صد شکرانے اللہ پاک تیرا جتنا شکر ادا کروں کم ہے وہ دل ہی دل میں بے تحاشا شکرانہ ادا کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

دکھ اور سکھ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور چوہدری ہاؤس میں یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی تھی نکاح کی رات ہی ایمن کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی ہاسپٹل لے جایا گیا اور اگلے ہی دن وہ خالق حقیقی سے جا ملی جیسے قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی تھی ہر آنکھ اشکبار تھی ہر ذی روح شدید صدمے کی حالت میں تھا۔ نکاح کے بعد عبدالہادی پنڈی جا چکا تھا خبر سن کر وہ فوراً پہنچا تھا۔ اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے سب کب کس کو بلا لے یہی زندگی کی حقیقت ہے انسان خود کو سونے کا بھی بنا لے تو موت ایک منٹ میں مٹی کے ڈھیر میں بدل دیتی ہے۔ ہر طرف سوگ تھا ایک ایسی لڑکی جو شاید اپنے تمام گناہوں کی سزا دنیا میں ہی کاٹ گئی تھی۔

دو ماہ گزر چکے تھے چوہدری جواد نے خود چوہدری حماد کو کہا تھا کہ درشہوار کی رخصتی کر دیں اس کی خوشیوں کو ہم ترس گئے ہیں دھوم دھام سے شادی کریں درشہوار کے والدین کچھ جھجک محسوس کر رہے تھے پر سب نے ہی کہہ دیا تھا کہ شہوار نے جس قدر درد سہا ہے اس کو مکمل تیاری کے ساتھ رخصت کریں گے اور وہی ہوا اگلے ماہ اس کی رخصتی طے پائی۔

شادی کی ایک ایک چیز نہایت قیمتی اور سب کی

پسند سے خریدی جا رہی تھی۔ درشہوار چپ تھی وہ تیاریوں میں زیادہ تنقید یا پسندیدگی کا اظہار کم ہی کرتی تھی اور پھر وہ دن بھی آ گیا ریڈ کلر کی کرتی کے نیچے گرین لہنگا اور بلیو دوپٹہ اوڑھے وہ مہندی کے لیے تیار کھڑی تھی۔ پھولوں کی مکمل جیولری پہنے وہ کسی دوسرے دیس کی شہزادی لگ رہی تھی۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ ہر طرف یہی بازگشت تھی رسم جاری تھی کہ معاً دھماکے ہوئے تھے سب چونک گئے تھے۔ سفید کرتا شلوار پہنے وہ کسی دیس کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی پر اس نے ایک نگاہ بھی شہوار پر نہیں ڈالی۔ اسٹیج پر شہوار کے پاس بیٹھا تو شہوار کا دل بری طرح دھڑکنے لگا وہ بے انتہا شرما رہی تھی۔ معاً سب سے چھپا کر عبدالہادی نے بڑی سی چاکلیٹ اور سرخ گلاب اس کی گود میں رکھ دیا تھا وہ حیران رہ گئی۔

''مجھے نہیں چاہیے کچھ......!'' وہ خفگی سے بولی۔ ''تو واپس کر دو۔'' وہ شوخ ہوا۔ ''اٹھا لیں۔'' وہ بہت خفا تھی۔ ''خود اٹھا کے دو نہ۔'' وہ شوخ ہوا آ کر وہ نظریں جھکا گئی۔

دلہن بنی وہ کوئی اپسرا کوئی ملکہ حسن سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ فیروزی لہنگا گولڈن کام کے ساتھ اس پر خوب جچا تھا پر جب عبدالہادی اسٹیج پر آ کر بیٹھا تو یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ دلہن زیادہ پیاری ہے یا دولہا آج اس کو سب مل گیا تھا سب جس کے لیے وہ پاگل تھی۔ اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ پر ایک جملے سے تمام شکایتیں دور نہیں ہوئی تھیں۔

وہ بیڈ پر بیٹھی گلاب کی پتیوں کو ہاتھ سے مسل رہی تھی کتنا مشکل تھا یہ وقت کیسے سنبھالوں خود کو وہ بار بار اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔ ''السلام وعلیکم!'' وہ آ چکا تھا سامنے بیٹھ چکا تھا مخاطب ہو چکا تھا شہوار نے نگاہیں بیڈ پر جما دیں عبدالہادی بہت پیار سے اس کا چہرہ ہاتھ سے اوپر کیا تھا عبدالہادی کی نگاہوں سے محبت ہی محبت ٹپک رہی تھی۔ ''شہوار میں تمہارا گنہگار ہوں چاہے جو بھی سزا دے دو لیکن یہ یاد رکھو میں محبت تم سے بے حساب کرتا ہوں میں تمہارے عشق میں پاگل ہوں وہ جذبات سے بھرپور لہجے میں بتا رہا تھا۔

شاید اُم ایمن میری زندگی میں آئی ہی اس لیے تھی تاکہ مجھے تم سے پھر ملوا سکے۔ درشہوار میں آج اعتراف کرتا ہوں میں تم سے شدید' پاک' لازوال محبت کرتا ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر وہ جوشیلے انداز سے بولا وہ ترس چکی تھی اس کی روح اس کی سماعتیں اس کا وجود کتنا پیاسا محروم تھا۔ وہ بے یقینی سے اتنے پیارے جملے سنتی رہی۔ ''یہ تمہاری منہ دکھائی۔'' ایک سنہری بکس ہادی نے اس کی گود میں رکھا۔ درشہوار نے کھولا اور حیرت سے بول اٹھی۔

''یہ کیا عبدالہادی یہ سب تو......'' جی یہ چوڑیاں' یہ بندے' یہ رنگ سب تمہارا ہے۔'' جو میرے پاس میرا سرمایہ تھا تمہارا لمس ملتا تھا ان سے تمہاری خوشبو تمہاری ہنسی صورت سب......'' وہ بتائے جا رہا تھا آپ بھی مجھے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی کہ میں آپ سے۔'' میں کتنی خوش نصیب ہوں ہادی وہ بے ساختہ اس کے کاندھے سے لگ گئی تھی۔ اللہ پاک کی رضا جب تھی ہم جب ملے مگر ہم راستے سے بھٹک جاتے محبت میں ملاوٹ کر دیتے تو ہم کبھی بھی نہ ملتے یہ سچ ہے عبدالہادی۔'' وہ خوشی سے مسرور تھی آج جیسے شکر ادا کرنے کے لیے لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔'' ہاں درشہوار محبت میں ملاوٹ کر لینے والے کبھی سرخرو نہیں ہوتے چاہے کچھ بھی کر لیں ہماری ہر صبح روشن ہے کیونکہ ہم اپنے حصے کا اندھیرا پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ باہر چاندنی مسکرا رہی تھی اور اندر وہ دونوں۔

☆☆......☆☆

عمودی چٹان

ایک جملے کے بعد مما کے سامنے زمین اور آسمان گھومنے لگے تھے۔ مما چکرا کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں اور بیٹھتے ہی ان کی نظر برابر میں کھڑی ہوئی افشین پر پڑی جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی لیکن چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اللہ کا راستہ آسان نہیں ہوتا۔ اس راستے پر......

جب سے افشین نے رمیز کے رشتے سے انکار کیا تھا ماما جلے پاؤں کی بلی کی طرح کمرے میں پھر رہی تھیں جبکہ افشین اپنا فیصلہ سنا کر اپنے کمرے میں اے سی آن کر کے مزے سے محو استراحت تھی۔ سب
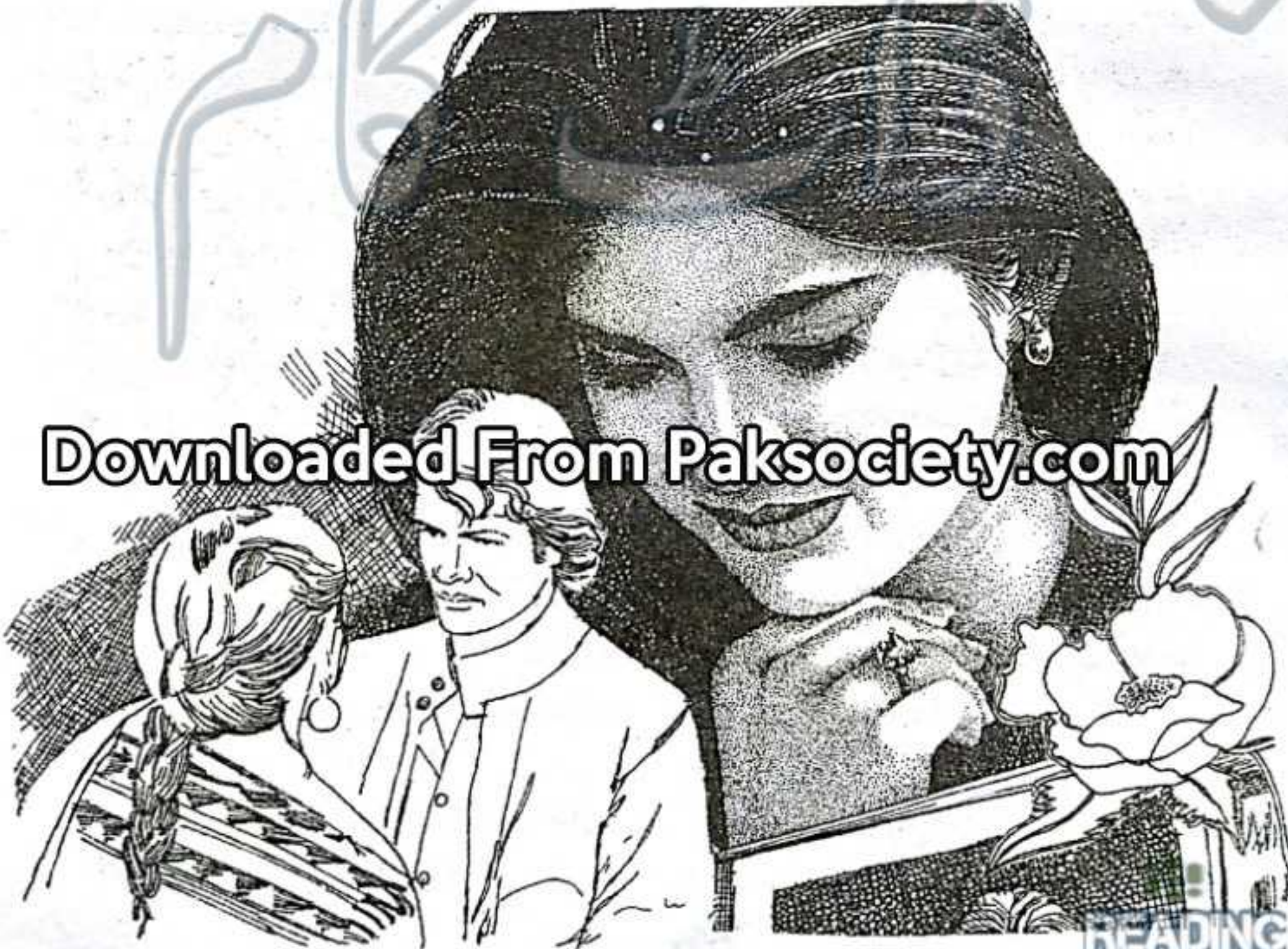
سے چھوٹی شاز مین اپنے لیپ ٹاپ پر فلم دیکھنے میں مصروف تھی۔ پاپا بھی گھر نہیں آئے تھے اب لے دے کر افشین سے چھوٹی ماہین ہی رہ گئی تھی جو ماما کی ساری کڑوی کسیلی باتوں کو سن کر ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔

''غضب خدا کا۔ سراسر کفران نعمت ہے۔ کیسا عمدہ رشتہ تھا۔ ہر لحاظ سے بہترین آخر کیا کمی تھی......؟''

خوبصورت، پڑھا لکھا، نیک اچھا خاندان' بھلا اب اس سے اچھا رشتہ اور کیا ہوگا۔''

ماما چلتے چلتے تھوڑی دیر کے لیے رکیں تو وہ جو ماما کے ہر جملے پر ہاں کی گردان کر رہی تھی گڑبڑا گئی۔ پتا نہیں ماما پوچھ رہی تھیں یا بتا رہی تھیں۔

''اور کیا اس سے اچھا رشتہ اور کیا ہوگا......؟''

اس نے جلدی سے ماما کا آخری جملہ دہرایا۔

''وہ سمجھ رہی ہے کہ شاید اس کے لیے شہزادہ چارلس اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئے گا۔'' ماما کی پریڈ دوبارہ سے شروع ہو چکی تھی۔

''یہ سب تمہاری دادی کا کیا دھرا ہے بچپن میں ہر وقت ان کے پاس گھسی رہتی تھی۔ نہ جانے کیا پڑھاتی کیا سکھاتی رہتی تھیں خود تو اللہ کے گھر چلی گئیں اور ہم ان کی تربیت کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ تمہارے باپ کو بڑا فخر تھا کہ ان کی ماں نے کیسی عمدہ تربیت کی ہے...... دیکھ لیا...... کیا خوب تربیت کی ہے......؟ ماما سانس لینے کے لیے رکیں تو اس نے جلدی سے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بہت خوب تربیت کی ہے۔'' اس نے ماں کی بات سمجھے بغیر ہی دادی کی حمایت کردی۔

''آج کل لڑکیاں اپنے آپ کو کیسے سجا سنوار کر رکھتی ہیں اور اس میں نہ جانے کون سی بڈھی روح سما گئی ہے کہ ہر وقت اپنے آپ کو چار گز چادر میں لپٹے رکھتی ہے میں تو حیران ہوں آخر بھابی کے گھر والوں نے اسے کیسے پسند کیا۔ ان کے خاندان میں تو اتنی اچھی اچھی لڑکیاں موجود ہیں ایک سے ایک دولتمند پڑھی لکھی۔ ماما ایک سیکنڈ کو رکیں تو اس نے وقت ضائع کیے بغیر فوراً ٹکرا لگایا۔'' اور ایک سے ایک ماڈرن کوئی بھی دوپٹہ نہیں اوڑھتی۔''

بھابی کا خاندان تو ہمیشہ سے ہی بہت پڑھا لکھا اور روشن خیال ہے وہ لوگ تو جدی پشتی رئیس ہیں۔ آج کل کے دولتمندوں کی طرح نو دو لیتے نہیں ہیں......'' ماما کو فی الحال ان کے خاندان میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی خامی نظر نہیں آرہی تھی اور ماما تو ویسے ہی اپنی بھابی کے گھر والوں سے حد درجہ مرعوب رہتی تھیں اور خاص طور پر ان کے چچا کے گھرانے سے جو ڈیفنس میں رہتے تھے اور جن کا آدھے سے زیادہ خاندان امریکہ میں رہتا تھا اور امریکہ میں رہنے والوں سے ماما کو اتنی عقیدت تھی کہ ان کے گھر میں کوئی امریکہ میں رہنے والا کوئی رشتے دار آجاتا تو ان کا بس ہی نہیں چلتا کہ اس کے سامنے اپنے گوشت کے کباب بنا کر پیش کردیں۔

جب بھی ماما کو ان کے گھر کسی تقریب میں جانا ہوتا تو ان کی تیاریاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اپنا سب سے بہترین جوڑا نکالتیں بالوں میں کلر لگاتیں موقع ملتا تو بیوٹی پارلر جا کر فیشل بھی کرالیتیں اور جب مکمل کیل کانٹوں سے لیس ہو کر ان کے گھر جاتیں تو واپسی میں ہمیشہ ان کے لبوں سے ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں برامد ہوتیں۔

''بس جی اللہ کے کام ہیں کسی کو اتنا دیتا ہے کہ خرچ کرنے کا بہانہ تلاش کرتے ہیں اور کسی کو ساری زندگی ایک ایک پیسہ دانتوں سے پکڑ کر

خرچ کرنا پڑتا ہے۔'' دوسرے قسم کے لوگوں میں اپنے آپ کو وہ شامل کرتیں۔
''کیسی باتیں کرتی ہو اللہ کا شکر ادا کرو ہزاروں لاکھوں سے بہتر ہیں۔'' پاپا کو ماما کی ایسی ٹھنڈی آہوں اور جذباتی، ڈائیلاگز سے سخت چڑ تھی۔ ''ہاں بھئی شکر تو کرتے ہیں کب ناشکری کی ہے۔ اس کی مرضی جس حال میں رکھے۔ ویسے کیسا جگر جگر ہو رہا تھا گھر کیا تھا محل تھا ہر چیز ایسے چمکتی ہے جیسے ابھی ابھی بازار سے آئی ہے۔
ماما سارے راستے گھر کے قصیدے پڑھتی رہیں اور پاپا کا خون کھولتا رہتا۔
''پتا نہیں لوگوں کے پاس اتنا پیسا کہاں سے آجاتا ہے......''
''بھئی ان کے چاروں بیٹے امریکہ میں رہتے ہیں دھڑا دھڑ ڈالر بھجوا رہے ہیں۔'' پاپا کلس کر کہتے۔
''آپ کے اندر تو آگے بڑھنے کی لگن ہی نہیں اگر آپ بھی جوانی میں کہیں باہر چلے جاتے تو ہم بھی اسی طرح عیش کرتے۔'' ماما کو اس عمر میں بھی پاپا کے باہر نہ جانے کا شدید قلق تھا۔
''اپنے وطن کی روکھی سوکھی بھی غیروں کے ترنوالوں سے بہتر ہے۔'' پاپا بھی وطن کی محبت میں عرق عرق ڈوبے ہوئے تھے۔
''یہ سب کتابی باتیں ہیں۔ کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں اس دنیا میں عزت سے رہنے کے لیے پیسہ چاہیے۔ ماما اپنے موقف سے ایک انچ بھی نہ ہٹیں۔
''آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ آپ ہر چیز کو دولت کے آئینے میں دیکھتی ہیں۔'' پاپا جل کر یہ جملہ کہتے اور خاموشی اختیار کر لیتے اور اب یہ کیسی حیرت انگیز بات تھی کہ اس گھر کے سب سے چھوٹے بیٹے رمیز کا رشتہ ان کی بیٹی افشین کے لیے آیا تھا۔ جس کا رنگ تو گندمی تھا لیکن چہرے پر بلا کی کشش تھی پھر اس کی آواز اس قدر دلکش تھی کہ سننے والا دم بخود ہو کر سنتا۔ وہ میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی اور میلادوں میں نعتیں پڑھتی تھی۔ کچھ دن پہلے ماما کی بھابی کے چچازاد بھائی کے گھر میلاد تھا وہیں رمیز کی والدہ جو دو دن پہلے امریکہ سے آئیں تھیں اور رمیز کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں انہیں میلاد میں نعت پڑھتی افشین اس قدر پسند آئی کہ وہ اگلے دن ہی ماما کی بھابی کے گھر پہنچ گئیں۔
''میں نے تو جب سے اس بچی کو دیکھا ہے میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ چہرے پر کیسی معصومیت ہے مجھے تو رمیز کے لیے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔'' ان کے ایک ایک لفظ سے افشین کے لیے پسندیدگی جھلک رہی تھی۔
''آپ کو اندزہ نہیں اپ نے کس لڑکی کو پسند کیا ہے یہ لڑکی تو ہمارے خاندان کا ہیرا ہے۔ ایسی نیک، فرمابردار لڑکیاں آج کل ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔'' ماما کی بھابی بھی کیوں پیچھے رہتیں انہوں نے بھی دل بھر کے تعریفیں کرنی شروع کر دیں اور دو دن بعد ہی ان کو لے کر افشین کے گھر پہنچ گئیں۔ ماما تو انہیں دیکھ کر ہی ہونق ہو گئیں جبکہ ان کی بھابی نے رمیز کی والدہ کے جانے کے بعد ہی ماما کا نمبر ملا کر انہیں یہ خوشخبری سنائی تھی۔
''آپا کیا بتاؤں کیسا بہترین لڑکا ہے۔ پڑھا لکھا، لائق، قابل نیک۔ ادھر ماما کو یہ سن کر ہی پسینے آنے لگے کہ وہ دو دن کے بعد ہی رشتہ لے کر آ رہی ہیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرح اس گھر کی ہر شے کو بدل دیں ویسے ہی انہیں اپنا گھر بہت پرانا اور بوسیدہ لگتا تھا اور اب تو رمیز کے گھر والوں نے آنا تھا اور ان کے پاس صرف دو دن تھے۔ ان دو

دنوں میں ہی انہوں نے گھر کی حالت بہتر بنانے کے لیے اپنی جان کھپا دی۔ پورے گھر میں وائٹ واش کروانا تو ممکن نہیں تھا اس لیے ڈرائنگ روم میں کلر کروایا۔ نئے پردے لے کر آئیں۔ شکر ہے صوفہ لیدر کا تھا اسے صحن میں نکال کر سرف سے رگڑ رگڑ کر دھویا۔ قالین اچھا خاصا صاف تھا لیکن انہیں میلا میلا لگ رہا تھا اسے بھی باہر نکلوا کر دھلوایا۔ پنکھے ٹیوب لائٹس ڈیکوریشن پیسز جان لگا کر صاف کروائے گئے پھر ان کے ناشتے کے لیے جو فہرست تیار ہوئی اسے دیکھ کر پاپا چکرا کر رہ گئے۔ ''یہ لوگ افشین کا رشتہ لے کر آرہے ہیں یا بارات لے کر آرہے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے......؟'' ماما تو بابا کی حیرانی پر پریشان تھیں۔

''آپ اتنے مہنگے آئٹم ناشتے کے لیے منگوا رہی ہیں۔ اس میں تو چھوٹی موٹی بارات کے کھانے کا بندوبست ہو سکتا ہے۔'' پاپا نے بھی مبالغے کی حد کر دی تھی۔

تو کیا ان لوگوں کے سامنے چائے اور بسکٹ رکھ دوں...... '' ماما پاپا کے جملے پر تڑپ کر بولیں۔

''یہ کون کہہ رہا ہے کہ چائے کے ساتھ بسکٹ پیش کر دیں لیکن پیزا، رس ملائی، ملائی بوٹی، پاستا، پیسٹری، اور ...... جانے کون کون سی غیر ملکی آئٹم ہیں جنہیں آج میں پہلی دفعہ پڑھ رہا ہوں...... کچھ زیادہ نہیں ہو گیا......'' پاپا آدھی لسٹ پڑھ کر ہی پریشان ہو گئے۔

''آپ ان کے گھر میلاد میں گئے تھے۔ وہاں نہیں دیکھا تھا کتنے قسم کے کھانے تھے گننا مشکل ہو رہا تھا۔'' ماما نے یاد دلایا۔

ہمارا ان سے کوئی مقابلہ نہیں...... ان کے پاس تو بہت پیسہ ہے۔'' پاپا یہ کہتے ہوئے متفکر ہو گئے۔

''ظاہر ہے ہم ان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے لیکن اب وہ ہمارے گھر میں رشتہ جوڑنا چاہ رہے ہیں تو ہم اپنے آپ کو تھوڑا بہت تو ان کی سطح پر لانا ہوگا۔'' ماما کی بات میں کسی حد تک وزن تھا شاید اسی لیے پھر پاپا نے بحث نہیں کی اور لسٹ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

جمعہ کے دن گھر میں صبح سے ہی ایسی ہلچل تھی جیسی پاکستان میں اوباما کے آنے پر ہونے کا امکان ہے۔ ماما دل ہی دل میں وہ الفاظ دہرا رہی تھیں جو انہیں رمیز کے گھر والوں کے سامنے بولنے تھے۔ پورا گھر آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ پھر بھی ماما کو کہیں نہ کہیں گرد نظر آجاتی اور ماما کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگتا۔ ماما کی وجہ سے پورا گھر ٹینشن میں تھا۔ بہر حال خدا خدا کر کے شام پانچ بجے رمیز کی والدہ اپنی بہن اور دو نندوں اور جیٹھانی کے ساتھ تشریف لائیں۔ رمیز بھی ان کے ساتھ ہی تھا سیاہ چمچماتی ہوئی گاڑیوں میں جب وہ لوگ آئے اور ماما نے کھڑکی سے دیکھا تو ان کو اپنے قدموں پر کھڑا رہنا دشوار ہو گیا۔

''آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ مجھے رمیز کے لیے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ رمیز کی والدہ کی رسمی گفتگو کے دوران افشین کے کمرے میں آئی تو اس کو گلے کر بڑے پیار سے کہا۔ وہ ہلکے پیازی کلر کے لان کے سوٹ اور اس کے ہم رنگ اسکارف میں بغیر میک اپ اور جیولری کے بہت فریش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ رمیز اپنی والدہ کے برابر بیٹھا تھا۔ اس نے اس کے داخل ہوتے ہی کھڑے ہو کر بہت مہذب انداز میں اسے سلام کیا۔ اور پھر سارا وقت وہ اپنی خالہ سے باتوں میں مصروف رہا۔ ایک آدھ بار ہی کنکھیوں سے اس نے افشین کو دیکھا تھا۔ افشین کو اس کا مہذب انداز بہت اچھا لگا۔ افشین کچھ دیر ان کے درمیان بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔

بہت پیاری بچی ہے۔ خدا اس کا نصیب اچھا

کرے افشین کے جانے کے بعد رمیز کی والدہ نے پھر اس کی تعریف کی۔

بڑی نیک اور پرہیز گار ہے۔ نماز روزے کی پابند اور پردہ تو اتنا کرتی ہے کہ کزنز کے سامنے بھی بغیر پردے کے نہیں آتی۔ ماما کی بھابی کو پھر افشین کی تعریف کرنے کے موقع مل گیا۔ وہ بہت پرجوش تھیں کہ سسرال اور میکے میں دونوں جگہ ان کا گراف اوپر جا رہا ہے۔

''اتنا سخت پردہ......'' ان کی بات سن کر رمیز چونکا۔

''تو اور کیا۔'' یونیورسٹی بھی عبایا پہن کر جاتی ہے...... جب سے اس نے ہوش سنبھالا ہے کبھی عبایا کے بغیر گھر سے نہیں نکلی......'' ماما کی بھابی کو کچھ زیادہ ہی جوش آ گیا۔

''واقعی آج کل کے دور میں اس طرح پردہ کرنا بہت مشکل ہے......'' رمیز کی خالہ نے حیرانی سے کہا۔

''وہ تو اسکول کے زمانے سے کرتی آ رہی ہے......'' ماما کو بھابی کا یہ جملہ کچھ زیادہ ہی پسند آیا۔ وہ نہ خود پردہ کرتی تھیں نہ ان کی دونوں بیٹیاں اور نہ ہی انہیں افشین کا پردہ کرنا پسند تھا۔

''اصل میں میری ساس بہت بہت پرانے خیالات کی تھیں۔ افشین زیادہ تر انہی کے ساتھ رہی۔ اس لیے اس پر بھی ان کے خیالات کا اثر ہو گیا ہے۔ ورنہ ہم ہمارے خاندان میں تو اب کوئی بھی پردہ نہیں کرتا۔'' ماما نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''مجھے تو ایسی ہی لڑکیاں پسند ہیں......'' رمیز کی والدہ کے اس جملے پر ماما کی جان میں جان آئی اور ان کا بلڈ پریشر نارمل ہونے لگا۔

''آپ جلد از جلد ہمیں جواب دے دیجیے گا۔ میری بہنیں اور میری نندیں اگلے ہفتے امریکہ جانے والی ہیں میں چاہتی ہوں ان کی موجودگی میں کوئی رسم ہو جائے۔''

رمیز کی والدہ نے جاتے جاتے رشتہ پکا کر دیا اور ماما پر گویا شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد ماما کی بھابی نے پھر رمیز کی تعریفیں شروع کر دیں۔

''آپا کیا بتاؤں کیسا ہیرا لڑکا ہے۔ اس قدر قابل، پڑھا لکھا اور اتنا نیک شریف۔

''ہاں ہاں کیوں نہ اچھا ہوگا آخر تمہارے خاندان کا ہے اور تمہارا خاندان تو ایسا لاجواب ہے کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ایسے لوگ نہ ملیں۔'' مما کا لہجہ شہد میں ڈوبا ہوا تھا ان کا بس چلتا تو اپنی بھابی اور ان کے خاندان کے ہر فرد کی ڈاکومنٹری فلم بنا کر آسکر ایوارڈ کے لیے بھجوا دیتیں۔

''آپا آپ نے کچھ نہیں سوچنا ہے بس فوراً ہاں کر دینی ہے۔'' بھابی کے لہجے میں بھی اپنائیت آخری حدوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ شکر ہے پاپا وہاں موجود نہ تھے۔ اگر وہ ان کی گفتگو سن لیتے تو شاید سکتے میں آ جاتے۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو تمہارے خاندان کا لڑکا ہے تم رشتہ لے کر آئی ہو۔ بھلا میں تم سے انکار کر سکتی ہوں لیکن تم اپنے نندوئی کو تو جانتی ہو کہ ہر رشتے میں اسی باریکی سے جانچ پرتال کرتے ہیں کہ سائنسدان لیبارٹری میں خلیوں کو بھی اسے نہ جانچتے ہوں گے۔'' مما نے بی ایس سی کیا تھا۔ لہٰذا وہ وقتاً وقتاً عام گفتگو میں بھی اپنے بی ایس سی ہونے کا ثبوت دینے کی کوشش کرتیں۔

''آپ بھائی جان سے صاف صاف کہہ دیجیے گا کہ اس رشتے میں کسی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ

کی نیکیوں کا صلہ ہے۔ بھابی کا یہ جملہ مما کے دل پر اس قدر لگا کہ بے اختیار ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''ہم گناہ گار کس قابل ہیں یہ تو اس پروردگار کا احسان ہے کہ اس نے ہمیشہ ہر خواہش کو پورا کیا۔

دونوں اتنی دیر تک باتیں کرتی رہیں کہ وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ نند بھاوج کی ایسی مثالی دوستی دیکھ کر شیطان بھی بلبلا اٹھا ہو گا۔

☆......☆......☆

اب پتا نہیں تمہارے باپ سنیں گے تو ان پر کیا گزرے گی۔'' اتنی دیر ٹہلنے سے مما کے گھٹنوں کا درد پھر سے شروع ہو گیا۔ وہ وہیں تخت پر بیٹھ کر گھٹنے دبانے لگیں۔

''ہاں پتا نہیں پاپا پر کیا گزرے گی......'' ماہین کو ایکدم پاپا پر بے تحاشہ ترس آنے لگا۔

''بے چارے پتا نہیں کیا سوچ بیٹھے تھے سارے خاندان کو بھی بتا دیا تھا۔ اب انہیں کتنی شرمندگی ہو گی......'' ماہین نے مما کے اس جملے پر حیرانی نے ان کو دیکھا تھا پاپا نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ مما نے رمیز اور ان کے گھر والوں کے جانے کے بعد خود ہی سب کو فون کر کے بتایا تھا جبکہ پاپا تو منع کر رہے تھے کہ ''اتنی جلدی ہاں کرنا مناسب نہیں ہے مانا کے دیکھے بھالے لوگ ہیں پھر بھی لڑکی کا معاملہ ہے سوچ بجھ کر جواب دینا چاہیے۔ اور ان کے اس طرح کہنے پر مما نے فوراً کہا تھا۔'' مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں سوچنے سمجھنے کی کیا ضرورت ہے رمیز کو دیکھا نہیں کتنا خوبصورت ہے...... لوگ کتنے مالدار ہیں اور...... اور...... ماما کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہونے لگا تو وہ فوراً ٹکنے لگیں۔

اور آدھے سے زیادہ خاندان امریکہ میں رہتا ہے۔'' ماہین نے فوراً مما کی مدد کی تھی۔

آدھا کیا تقریباً پورا خاندان ہی امریکہ میں آباد ہے......''

''لگتا ہے اگلے الیکشن میں اوباما کی جگہ رمیز کے خاندان کا کوئی فرد ہی امریکہ کا صدر بنے گا۔'' پاپا کے اس جملے پر بڑی مشکل سے ماہین نے اپنی ہنسی روکی تھی۔

''آپ تو میری ہر بات کو مذاق میں اُڑا دیتے ہیں......آپ کو تو کسی بات کی فکر ہی نہیں...... میں ہی رات بھر جاگ جاگ کر ان کے لیے دعائیں کرتی ہوں۔'' مما کا لہجہ بھرانے لگا تھا تو پاپا فوراً سنجیدہ ہو گئے۔

''ٹھیک ہے آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں لیکن فوری ہاں کرنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ وہ لوگ سوچیں گے کہ ہم پر اپنی لڑکی بھاری تھی۔''

''یہ تو صحیح ہے لیکن آج کل اچھے لڑکے پر بھی ہر ایک کی نظر ہوتی ہے بھابی بتا رہی تھیں بہت بڑے بڑے گھروں کے لوگ آس لگائے بیٹھے تھے بس اللہ کا احسان ہے ان کی نظروں میں ہماری افشین سما گئی۔'' یہ حقیقت تھی کہ پاپا ماما کی طرح خوشی کا اظہار نہیں کر رہے تھے لیکن ان کے اندر خوشی ان کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''تم ہی اسے کچھ سمجھا دیں یوں تو سارا دن سر جوڑے دنیا جہاں کی قصے کہانیاں سناتی رہتی ہو اب اتنے اہم مسئلے پر تم نے بھی منہ پر گوند لگا لیا ہے۔'' ماما کے گھٹنوں کا درد تھوڑا کم ہوا تو وہ پھر ٹہلنا شروع ہو گئیں اور اب توپ کے دہانے کا رُخ اس کی طرف تھا۔

''میں نے سمجھایا تھا وہ نہیں مان رہی......''

''وہ کیسے نہیں مانے گی اس کا تو باپ بھی مانے گا......'' مما کا پارہ ہائی ہوگیا کہ ماہین بری طرح خوفزدہ ہوگئی اس نے جلدی سے ٹھنڈے پانی میں لیموں اور چینی ڈال کر انہیں پلایا۔ اتنے میں پاپا بھی آگئے وہ مما کی صورت کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ کوئی افارت ہوئی ہے۔

''کیا ہوا......'' انہوں نے اشارے سے ماہین سے پوچھا۔

''افشین نے رمیز کے رشتے سے انکار کر دیا۔'' ماہین نے ماما سے نظریں بچا کر اشارے سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بے چاری بھی اشاروں کی زبان کی ماہر تو نہ تھی اور نہ ہی اس نے گونگوں، بہروں کے اسکول میں پڑھا تھا۔ اس نے جو اشارے کیے پاپا سمجھے پڑوس کے گھر حافظ صاحب کے والد سو سال پورے کر چکے ہیں اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔

''بڑا افسوس ہوا......'' اس دفعہ وہ زور سے بولے انہیں حیرانی تھی کہ حافظ صاحب کے والد کے انتقال پر مما اتنے غصے میں کیوں ہیں......؟''

''کیسا افسوس اور کہاں کا افسوس میں اتنی آسانی سے ماننے والی نہیں......'' مما نے غرا کر کہا۔

''پھر اب کیا ہو سکتا ہے ہم اللہ کی مرضی کے آگے تو کچھ نہیں کر سکتے۔''

''یہ اللہ کی مرضی ہے یہ اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے......؟''

''ایسے کفر کے کلمات زبان سے نکالنے پہ اللہ کو برا لگے گا۔'' پاپا سمجھے کے حافظ صاحب کے والد کے انتقال نے مما کے دماغ پر اثر کر دیا۔ ویسے بھی مما ان سے بہت محبت کرتی تھیں اکثر ان کے لیے کھانے کی چیزیں بھیجا کرتیں وہ بھی انہیں محبت سے میری بیٹی کہا کرتے تھے۔

''مجھے تو یہی سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے ہیں کہ میں خاندان والوں کو کیا جواب دوں گی۔''

''کیوں......؟ خاندان والوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ آپ کے گھر آئیں اور آپ سے پوچھ گچھ کریں۔''

''مجھ سے نہیں پوچھیں گے تو اور کس سے پوچھیں گے......'' مما کا پارہ بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔

''کیوں بھلا کیا آپ نے انہیں اس دار فانی سے رخصت کیا ہے؟ پاپا نے بھی جانے کیوں اس وقت اس قدر ادب زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ مما اتنے شدید غصے میں تھی کہ ہمیشہ کی طرح پاپا کی بات سنے بغیر یہ سمجھیں کہ انہوں نے ان پر طعنہ زنی رخصت کی ہے۔

''ہاں، ہاں اگر وہ نہیں مانی تو یہ بھی کروں گی۔'' اماں غصے میں تنک کر بولیں ماہین عجیب معمے میں گرفتار ہوگئی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دونوں کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔

''کون نہیں مانی...... ان کی بہو......؟'' پاپا سمجھے حافظ صاحب کی بیوی کیوں کہ مما ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ ان کا سلوک اپنے سسر کے ساتھ اچھا نہیں ہے اور وہ یہ چاہتی ہیں کہ اس کے سسر جلد از جلد اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تاکہ ساری جائیداد ان کے شوہر کے قبضے میں آ جائے پاپا کو یقین ہوگیا کہ حافظ صاحب کی بیوی نے ہی اپنے سسر کا خاتمہ کیا ہے تب ہی مما اتنے غصے میں ہیں۔

''اف میرے اللہ خدا آپ جیسا دماغ کسی کو نہ دے......؟'' کیا بہو کی مرضی کے بغیر کوئی اتنا بڑا فیصلہ کر سکتا ہے۔

’’یہ تو آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں یقیناً ان کی بہو اس معاملے میں شریک ہوں گی۔ اللہ رحم کرے کیسا دور آ گیا ہے۔ انسان کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتا۔ پاپا نے گلوگیر آواز میں کہا۔

مما آپ تھوڑی دیر کے لیے آرام سے بیٹھ جائیں پھر پاپا کو ساری بات تفصیل سے بتایئے۔‘‘ ماہین نے تنگ آ کر مما کو بٹھانے کی کوشش کی۔ مما فوراً ماہین کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بیٹھ گئیں لیکن بیٹھتے ہی جو گھٹنوں میں ٹیس اٹھی تو آواز سے درد کا اظہار ہونے لگا جسے سن کر پاپا شدید پریشان ہو گئے۔

’’بھئی کیا بات ہے......؟‘‘ آخر حافظ صاحب کے والد کے انتقال پر تم اتنی کیوں افسردہ ہو رہی ہو کہیں وہ تمہارے بچھڑے ہوئے باپ تو نہیں تھے۔‘‘ پاپا کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

’’کون حافظ......؟‘‘ کون سا بچھڑا ہوا باپ...... ماہین مجھے بہت دنوں سے شک تھا کہ تمہارے باپ کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے یہ کئی دنوں سے ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، مما نے باقاعدہ ھچکیاں لے لے کر رونا شروع کر دیا۔ ماہین رحم بھری نظروں سے باپ کو دیکھنے لگی اسے افشین اور شازمین دونوں پر غصہ آ رہا تھا جو دونوں اپنے کمرے میں بند اپنے دل پسند مشغلوں میں مگن تھیں اور وہ اکیلی اس میدان کارزار میں مصلح کا کردار ادا کر رہی تھی۔

’’یہ افشین کہاں ہے......‘‘ پاپا سمجھ گئے مما کو اختلاج کا دورہ پڑ گیا ہے اب افشین ہی انہیں سنبھال سکتی ہے۔

’’اس کا تو نام ہی نہ لیں سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہے۔‘‘

اس دفعہ پاپا کچھ نہ بولے تو مما نے بالآخر بات پوری کر دی......’’اب آپ ہی اسے سمجھایئے کہ اتنی سی بات پر ایسے رشتے سے انکار کی کیا تک بنتی ہے۔‘‘

’’تو کیا افشین نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔‘‘ پاپا کی اردو گرامر اتنی اچھی نہ تھی وہ مما کے In direct جملوں کو فوراً سمجھ جاتے لیکن سالوں سے مما کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں بھی مما کی پہلیاں بوجھنے کی عادت ہو گئی تھی۔

’’تو اور کیا......؟ میں کیا اتنی دیر سے سقراط کے فلسفے پر بحث کر رہی تھی؟‘‘

’’مجال ہے کبھی کوئی بات سیدھی طرح کہہ دیجیے اچھا اب یہ بتایئے آخر اس نے انکار کیوں کیا......‘‘

’’کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس رمیز کو حجاب پسند نہیں ہے۔ مما نے اتنی اہم بات کو اتنا معمولی بنا کر پیش کیا کہ ایک لمحے کو پاپا بھی چکرا کر رہ گئے۔

’’واقعی یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہر انسان کی اپنی اپنی پسند اور ناپسند ہوتی ہے۔ پاپا کو ویسے بھی حجاب یا پردے کے موضوع سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔

’’یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں۔‘‘ مما پاپا کی شہ پا کر کچھ زیادہ ہی پرجوش ہو گئیں...... اور پھر دنیا جانتی ہے وہ سالوں سے امریکہ میں رہ رہا ہے اس کا ذہن کھلا ہوا ہے۔ وہ دقیانوسی خیالات کا مالک تو نہیں کہ بیوی کو پردے میں لپیٹ کر تماشہ بنا دے۔‘‘

’’آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں افشین کو خود سمجھاؤں گا۔‘‘ پاپا بھی آج کل کے moderate ذہنیت رکھنے والے مسلمان تھے۔ جو اماں ابا نے سمجھا دیا تھا آج تک اسی پر عمل پیرا تھے نماز پابندی سے پڑھتے تھے۔ وہ بھی

اس عمر میں روزے بھی رکھتے تھے۔ گانے بجانے کو برا نہیں سمجھتے تھے پردے کو اچھا سمجھتے تھے لیکن گھر کی عورتوں پر زبردستی کرنے کے قائل نہیں تھے۔ اسی لیے نہ مما پردہ کرتی تھیں نہ ماہین اور نہ شازمین بس افشین نہ جانے کس پر چلی گئی تھی کہ مکمل پردے میں رہتی تھی۔

''مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات ضرور مانے گی۔''

پاپا کی یقین دہانی پر مما کی جان میں جان آ گئی۔

اسی رات پاپا نے افشین سے بات کی تھی۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے تم کھانے کے بعد میرے کمرے میں آ جانا۔'' کھانے کے وقت جب افشین ٹیبل پر برتن لگا رہی تھی پاپا نے اس سے کہا۔ وہ سمجھ گئی کہ پاپا اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

کھانے کے بعد جب مما عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں وہ ان کے کمرے میں اگئی۔

''تم نے رمیز کے رشتے سے صرف اس لیے انکار کیا ہے کہ اُسے حجاب پسند نہیں۔'' انہوں نے بغیر کسی تمہید کے بات شروع کی۔

''جی...... پاپا...... کیوں کہ اس نے کہلوا دیا ہے کہ مجھے شادی کے بعد حجاب اتارنا ہوگا۔ اس کا لہجہ بے حد مضبوط تھا۔

''میرا خیال ہے یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے جس پر اتنا اچھا رشتہ ٹھکرا دیا جائے۔''

''پاپا میرے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے میں کسی کے کہنے پر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔

''بیٹا یہ بھی تو ہو سکتا ہے تم ابھی اس کی بات مان لو اور بعد میں آہستہ آہستہ اپنی بات منوا لو......''

''پاپا جس رشتے کی بنیاد میں شرط ہی اللہ کی نافرمانی ہو وہ رشتہ کیسے پائیدار ہو سکتا ہے......''

افشین کی اس بات پر پاپا لاجواب ہو گئے۔

بیٹا آج کل کے لڑکے اتنی گہرائی میں نہیں سوچتے اور سوچیں گے بھی کیسے انہیں کوئی سیدھا راستہ بتانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پاپا نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

انسان کی عقل اس کی سب سے بڑی رہبر ہے وہی اسے سچا راستہ دکھاتی ہے اور آج کل تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے سارے راستے آپ کے سامنے کھلے ہیں آپ جہاں سے چاہیں اور جو چاہے معلومات حاصل کر سکتے ہیں افشین اسکول کالج کے زمانے میں بہترین مقررہ رہ چکی تھی۔ اس کو قائل کرنا آسان نہیں تھا۔

بیٹا ان کے گھر کا ماحول بھی تو دیکھو ایسے ماحول میں بچوں کو کیا پتا دین کیا ہے؟ اور دین کے احکامات کیا ہیں......؟ اور سچ پوچھو تو ہمارے گھر میں تمہارے سوا کس کو دین کا صحیح علم ہے؟ ہم لوگ بھی تو دین کی بنیادی تعلیمات سے واقف نہیں......''

''لیکن ہاں مجھ پر پابندی تو نہیں ہے کہ میں اللہ کے راستے میں نہ چلوں آج ان کی یہ شرط ہے کہ میں حجاب نہ لوں کل وہ کہیں گے نماز پڑھنا چھوڑ دو...... پھر کیا ہوگا......؟ پھر سب مجھے سمجھائیں گے کہ دیکھو شوہر مجازی خدا ہوتا ہے شوہر کا حکم مانو...... اپنے گھر کو بچاؤ۔ اور پھر میں شوہر کا حکم ماننے کے لیے اللہ کا حکم ماننا چھوڑ دوں گی۔ افشین کی تقریر سن کر پاپا کے پسینے چھوٹ گئے۔

''اچھا خیر ابھی جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کرو اچھی طرح سوچ سمجھ لو......''

پاپا کو آگے کچھ کہنا سمجھ میں نہ آیا تو جان بچانے کے لیے یہ جملہ بول دیا۔

''پاپا میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور یہ میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے وہ بالکل ان کی ماں کی طرح دوٹوک بات کرتی تھی۔ ساری زندگی وہ ماں سے ڈرتے رہے اور ان کے سامنے کچھ بول نہ سکے اور اب بیٹی کے سامنے بالکل گنگ ہو گئے۔

''واقعی ان کی بیگم ٹھیک ہی کہتی تھی اماں نے اسے بالکل اپنا جیسا بنا دیا ہے۔'' وہ پریشان ہو کر لاؤنج میں آئے تو بیگم نماز سے فارغ ہو چکی تھیں۔

''کیا ہوا...... وہ مان گئی...... انہوں نے بڑی امید سے پوچھا۔

''فکر نہ کریں مان جائے گی۔'' فی الحال وہ سچ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

''مجھے پتا تھا لڑکیاں ایسے ہی کرتی ہیں ذرا سا ڈراؤ دھمکاؤ راضی ہو جاتی ہیں۔ بس دعا کریں اللہ خیر کرے۔ انہوں نے آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کی اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تفصیل سے بتایئے کیا بات ہوئی وہ اتنی جلدی کیسے مان گئی......'' وہ بھی ان کی اماں کی بہو تھی۔ پچیس سال ان کے ساتھ رہی تھیں۔

اور دونوں ساس بہوؤں میں سے کسی نے ہار نہیں مانی تھی۔ دونوں اپنے اپنے محاذ پر لڑتی رہی تھیں۔

''ابھی تو مجھے شدید نیند آ رہی ہے صبح بتاؤں گا......'' پاپا یہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے اور ان کے داخل ہونے سے پہلے ہی خراٹے لینے لگے۔

☆......☆......☆

افشین کے انکار کے بعد دونوں گھروں میں معرکوں کا آغاز ہو گیا۔ رمیز کی والدہ کو افشین اس قدر پسند آ گئی تھی کہ وہ اس رشتے سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھیں انہیں رمیز کی اس شرط پر کہ وہ شادی کے بعد افشین کو حجاب نہیں لینے دے گا سخت اعتراض تھا۔ ادھر افشین کی مما رمیز کی حمایت کر رہی تھیں اور مما کی بھابی بیچ کی بلی بنی ہوئی تھیں بھابی رمیز کو سمجھاتیں اور کبھی افشین کو لیکن دونوں میں سے کوئی ایک بھی اپنے موقف سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

☆......☆......☆

رمیز اور اس کے سارے گھر والے امریکہ واپس جا رہے تھے۔ رمیز جانے سے پہلے اس سے ملنے اسپتال آیا۔ اس کی ایمرجنسی میں ڈیوٹی لگی ہوئی تھی وہ وہیں آ گیا وہ ایک مریض کا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھی ایمرجنسی میں حشر کا منظر تھا ایک مریض اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ دو افراد کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک ایکسیڈنٹ کا کیس آیا ہوا تھا۔

آپ مجھے تھوڑا سا ٹائم دے سکتی ہیں وہ بلڈ پریشر نے کر پلٹی تو رمیز نے بڑے مہذب انداز میں درخواست کی حالانکہ اسے اس وقت یہ کہنا انتہائی نامناسب لگ رہا تھا۔ افشین نے بلڈ پریشر کا آلہ کیس میں رکھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

''آپ کو تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا اس وقت آپ دیکھ رہے ہیں کتنا رش ہے۔

''نو پرابلم میں انتظار کر لوں گا......''

رمیز کے جانے کے بعد اس نے دو مریض نمٹائے ایک کو ڈرپ لگائی تھی اور دوسرے کے بینڈیج کی تھی۔ پھر اپنی کولیگ سے کہہ کر ایمرجنسی سے باہر آ گئی جہاں رمیز اس کے انتظار میں ٹہل رہا تھا۔ رمیز کو دیکھ کر اس کا دل بغاوت پر آمادہ ہونے لگا۔ چند لمحوں میں وہ دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے۔ افشین اس وقت بھی اسکارف پہنے ہوئی تھی

لیکن اس وقت عبایا کی جگہ اس نے اوور آل پہنا ہوا تھا۔

''کیا آپ گھر میں بھی ہر وقت حجاب میں رہتی ہیں؟'' تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد رمیز اصل موضوع پر آیا اس کا سوال سن کر افشین کو لگا وہ طنز کر رہا ہے یا اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

''جی اگر گھر میں کوئی نامحرم ہو تو میں حجاب میں ہی رہتی ہوں۔'' اس کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔

''آپ کی ڈکشنری میں نامحرموں کی لسٹ میں کون کون سے افراد شامل ہیں؟ رمیز نے پوچھا۔

یہ تو آپ کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں کس کو نامحرم کہا گیا ہے......''

''میں عالم دین تو نہیں لیکن اتنا جاہل بھی نہیں جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔'' رمیز کو غصہ آ گیا۔

''ایسی بات نہیں مجھے کسی کو جاہل سمجھنے کا کوئی حق نہیں میں تو صرف آپ کے سوال کا جواب دے رہی تھی۔

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... رمیز کے اس جملے پر اس کا سارا خون سمٹ پر اس کے چہرے پر آ گیا۔

''جی...... جی......'' وہ اس کے سامنے نظریں نہ اٹھا سکی۔

لیکن شادی سے پہلے میں کھل کر آپ کو یہ بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں اور میں عورتوں کے معاملے میں بہت روشن خیال ہوں اور مجھے عورتوں کا اس طرح پردے میں رہنا بالکل پسند نہیں۔ آپ کو مجھ سے شادی کے بعد نارمل طریقے سے رہنا ہوگا۔ رمیز نے اپنی بات کی وضاحت کر کے اس کی طرف دیکھا۔

اسے لگا جیسے وہ پل صراط پر کھڑی ہے۔ اس نے رمیز کی طرف دیکھا اس کی جان لبوں میں آ گئی۔ اتنے خوبرو اور اسمارٹ لڑکے کو ریجیکٹ کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے فیصلے کی سولی پر لٹکا دی گئی۔ فیصلہ کرنا کتنا مشکل کام ہے......؟ آج اسے احساس ہو رہا تھا اور وہ رمیز کی بات مان لے تو آئندہ زندگی بظاہر بے حد خوش رنگ اور خوشیوں کے پھولوں سے بھری رنگین نظر آ رہی ہے اور اگر وہ رمیز کی بات سے انکار کر دیتی تو مستقبل غیر یقینی تھا اچھا بھی وہ سکتا تھا اور برا بھی۔

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں اس آیت کو دھرایا۔ یہ اس کی عادت تھی جب بھی وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتی تھی تو اس آیت کو دھرا کر اللہ سے مدد مانگتی۔

اور پھر اُسے فوراً اس کے ذہن میں سورۃ احزاب کی 59 آیت کا ترجمہ گونجنے لگا جسے وہ آج کی صبح ٹی وی پر سن کر آئی تھی۔

اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی چادریں کو اپنے اوپر لے لیا کریں تا کہ پہچانی نہ جائیں۔''

اسے لگا جیسے اللہ اس کو راستہ دکھا رہا ہے۔

''یہ ناممکن ہے......'' اس نے بے حد مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

افشین کا یہ دوٹوک جواب سن کر رمیز سکتے میں آ گیا۔ زندگی میں پہلا موقع تھا جب ایک عام سی لڑکی اسے ریجیکٹ کر رہی تھی ورنہ اب تک تو وہ جس لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھاتا وہ مقناطیس کی طرح اس کی طرف کھنچی چلی آتی۔ وہ جھنجلا گیا کیا آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتیں......'' اس نے پھر کوشش کی۔

''میں اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتی۔'' اللہ کے حکم کو

سامنے رکھ کر وہ پہلے کی طرح بے خوف اور بولڈ بن چکی تھی۔ افشین کے اس جملے پر رمیز کو غصہ آ گیا وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اس Chapter کو Close کر دینا چاہیے۔'' رمیز کے اس جملے پر اسے لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے جان نکال دی۔

''آپ بہت اچھی ہیں اور میری دعا ہے کہ آپ کو آپ کی مرضی کا ساتھی مل جائے جو آپ کو بہت خوش رکھ سکے۔

رمیز یہ کہہ کر چلا گیا۔ اور وہ نظریں جھکائے فرش کو دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

رمیز امریکہ چلا گیا ایک ماہ بعد ہی افشین کا ایک اور رشتہ آ گیا۔ لڑکا ڈاکٹر تھا۔ گھرانہ بہت دین دار اور مذہبی تھا۔ متوسط طبقے کے لوگ تھے لیکن لڑکا شکل وصورت کا بہت اچھا نہیں تھا۔ رنگ خاصا سانولا تھا اور قد بھی درمیانہ تھا۔ لیکن لڑکے کی شرافت اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے پاپا نے یہ رشتہ او کے کر دیا۔ جبکہ مما کو لڑکے کی شکل وصورت پسند نہیں آ ئی ان کی نظر میں رمیز بسا ہوا تھا وہ ہر لڑکے کا اسی سے مقابلہ کرنے لگیں تھیں۔ اس رشتے کے لیے پاپا نے مما کو بہت سمجھایا۔

حسن بہت اچھا لڑکا ہے سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ڈاکٹر ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے، اتنے اچھے رشتے کو ٹھکرانا کفران نعمت ہے آپ رمیز کا خیال دل سے نکال دیجیے۔ افشین بہت نیک اور پرہیز گار ہے اس نے جو فیصلہ کیا تھا بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اور مجھے یقین ہے وہ بہت خوش رہے گی۔ اور یہ بھی سوچیے ماہین اور شازمین بھی برابر کی ہو گئی ہیں ان کے رشتے بھی آ رہے ہیں ہمیں ان کی بھی شادی کرنی ہیں۔ پاپا کے سمجھانے پر مما با دل نخواستہ راضی ہو گئیں اور ایک ماہ کے اندر ہی افشین رخصت ہو کر حسن کے گھر آ گئی۔ وہ بظاہر بڑی خوش نظر آتی تھی لیکن نہ جانے مما کو ایسا کیوں لگتا تھا وہ خوش ہونے کی اداکاری کرتی ہے۔

☆......☆......☆

رمیز کی شادی کی تیاریاں زوروشور سے ہو رہی تھیں ہر طرف خاندان میں شور تھا۔ آئے دن امریکہ سے کوئی نہ کوئی آ رہا تھا بڑی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں ولیمہ ہونا تھا۔ برائڈل ڈریسز سب سے بڑے بوتیک سے تیار کیے جا رہے تھے۔ جن کے بارے میں سنا گیا تھا کہ وہ لاکھوں کے تھے۔ نکاح پہلے سے ہو گیا تھا ان لوگوں کو صرف ولیمے میں بلایا گیا تھا۔ ولیمے کے دن مما کی عجیب حالت تھی۔ بار بار بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا وہ کبھی بلڈ پریشر کو کنٹرول کرنے کے لیے گولی کھاتیں کبھی ٹھنڈا پانی پی کر سینے کی جلن کم کرتیں۔

''اگر افشین اپنی ضد سے باز آ جاتی تو آج کس شان سے اس کا ولیمہ ہوتا۔'' ہوٹل میں داخل ہوتے ہی وہاں کی شان وشوکت دیکھ کر مما کی زبان سے بلا ارادہ یہ جملہ پھسل گیا۔

''مما پلیز اب آپ وہاں جا کر ایسی کوئی بات نہیں کیجیے گا۔'' ماہین نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سرگوشی کی۔

''اوہنہ میری اماں مت بنو میرا جو جی چاہے گا وہی کہوں گی۔''

وہ سب ہال میں پہنچ گئے ہر چیز جگمگا رہی تھی سب کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔ ایک تو ویسے ہی رمیز کا خاندان بہت حسین تھا اور دوسرے پیسے کی چمک نے اور نور بکھیر دیا۔ رمیز کی والدہ مما کے پاس آئیں۔ بہت اخلاق سے ملیں۔

''میں تو آپ کے پاس آنے ہی والی تھی......''

انہوں نے مما کو گلے لگا کر کہا۔ ''میرے پاس......

آپ کا شکریہ ادا کرنے...... آپ کی بیٹی نے رمیز کو ہدایت کا راستہ دکھا دیا......'' رمیز کی والدہ مما کا ہاتھ تھامتے ہوئے جو کچھ کہہ رہی تھیں مما کو مکمل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

رمیز افشین کو راضی کرنے اس کے اسپتال گیا تھا اور اس کے دو ٹوک جواب انکار پر بہت دل برداشتہ ہو کر واپس آ گیا۔ اور پھر ہر چیز سے اسکا دل اچاٹ ہو گیا۔ پھر وہ فوراً ہی امریکہ چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے اسلامک سینٹر جوائن کیا اور بہت گہرائی سے اسلام کا مطالعہ کیا۔ خدا نے اسے ہدایت دی۔ اب وہ پکا مسلمان بن چکا ہے۔ رمیز کی والدہ کی گفتگو جاری تھی کہ ان کی بہن انہیں بلانے آ گئیں۔

باجی رمیز اور اس کی دلہن آ رہے ہیں۔'' رمیز کی والدہ یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھیں اور مما کا دل ان روشنیوں کے باوجود اندھیرے میں ڈوبنے لگا اور اس وقت تو مما کو لگا جیسے ان کی سانس رک جائے گی جب انہوں نے دیکھا کہ دلہن ہال میں داخل ہوئی وہ عبایا میں ملبوس تھی۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے عبایا اتارا کیونکہ وہاں عورتوں اور مردوں کا حصہ بالکل الگ تھا عورتوں کے حصے میں فوٹو گرافر بھی عورتیں تھیں اور ویٹرز بھی۔ دلہن کا لباس بے انتہا خوبصورت تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے غرارے پر بہت قیمتی کام بنا ہوا تھا۔ شرٹ کی آستینیں کلائیوں تک تھیں۔ بال حجاب میں چھپے ہوئے تھے اور لباس کے اوپر وہ بڑا اور چوڑا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھے میک اپ بھی برائے نام تھا۔

''یہ سب کیا ہے دلہن حجاب اور عبایا میں۔'' مما نے ماہین سے آہستہ سے کہا۔

''واقعی حیرت کی بات ہے ایسی باپردہ دلہن تو ہم نے کہیں نہیں دیکھی۔ کسی خاتون نے تبصرہ کیا۔

''لڑکی کا گھرانہ بہت مذہبی ہے لڑکی اتنی باپردہ ہے کہ کزنز کے سامنے بغیر حجاب کے نہیں آتی۔''

''پر رمیز ایسی لڑکی سے شادی پر کیسے آمادہ ہو گیا اسے تو حجاب پسند نہیں تھا۔ مما کے دل کا درد زبان پر آ گیا۔

''بس آپا قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔'' مما کی بھابی نجانے کس وقت ان کے برابر میں آ کھڑی ہو گئی تھیں۔

مما کی آنکھوں میں بے شمار سوال مچل رہے تھے۔

''آپا آپ نے افشین کی شادی میں بہت جلدی کی۔ رمیز کے امریکہ جانے کے بعد جب اس نے اسلامک سینٹر جوائن کیا تو کچھ ہی دن بعد مجھے فون کیا کہ میں دوبارہ آپ کے پاس آؤں اور افشین کا رشتہ مانگوں۔ وہ اپنی شرط سے دستبردار ہو گیا تھا......''

لیکن تم نے مجھ سے اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔'' مما کی آواز میں بے شمار سسکیاں گونج رہی تھیں۔

کیسے ذکر کرتی۔ اس فون سے دو دن پہلے ہی افشین کا نکاح ہو چکا تھا۔''

مما کی بھابی کے ایک جملے کے بعد مما کے سامنے زمین اور آسمان گھومنے لگے تھے۔ مما چکرا کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں اور بیٹھتے ہی ان کی نظر برابر میں کھڑی ہوئی افشین پر پڑی جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی لیکن چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔

اللہ کا راستہ آسان نہیں ہوتا۔ اس راستے پر چلنے والوں کو بہت کچھ کھونا پڑتا ہے اور اس وقت اس رنگ و نور سے جگمگاتی ہوئی محفل میں حجاب میں ملبوس اس معصوم سی لڑکی کو دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے۔

☆☆......☆☆

افسانہ

ماہ وش طالب

وہ جو بہت برانڈ کانشس تھی اور میں صرف کانشس اب اُسے کون بتاتا کہ وہ بھی ان گری ہوئی لڑکیوں میں شمار ہو چکی ہے جو صرف گوری چمڑی اور پالش کی چمک دیکھ کر دھوکہ کھالیتی ہیں اور اپنی عزت تک کی پرواہ نہیں کرتیں۔ پھر جب میں نے اسے گھر آنے کے لیے کہا تو......

دوپہر میں ہونے والی موسلا دھار بارش کے اثرات ابھی باقی تھے۔

ٹھنڈی ہوا پتوں کی سرسراہٹ میں موسیقی پیدا کر رہی تھی اور چاند کی روشنی کھڑکی سے ٹکرا کر واپس وہیں رک گئی تھی۔ لیکن یہ خوابناک منظر میرے اندر بسی وحشت کو مٹانے میں ناکام رہا بلکہ دنیا کا کوئی حسین منظر یا لمحہ میرے دل کے صحرا کو سیراب نہیں کر سکتا تھا جب تک مجھے سکون نہ ملتا۔ اور اندورنی سکون تو نصیب والوں کو ہی ہوتا ہے اور میں یقیناً ابھی اتنی بھاگوں والی نہیں تھی کہ چاند کی چمک میری آنکھوں کو روشن کر پاتی یا ہوا کی تازگی میری روح کو شاد کرتی۔ ابھی تو ایک طویل مسافت مجھے طے کرنا تھی۔ جو کانٹوں اور پتھروں پر مشتمل تھی۔

مگر یہ خاک میں نے خود اپنے لیے اڑائی تھی۔

سو اپنے نصیب بھی میں نے خود ہی کالے کیے تھے۔ اور مکافات عمل تو اسی دنیا میں ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

''مما! ناشتا...... دیر ہو رہی ہے۔''

''جب تمہیں پتا ہے دیر ہو جاتی ہے تو جلدی کیوں نہیں اٹھتیں۔ دو ہفتے ہونے کو آئے اور تمہیں عادت نہیں ہوئی جلدی اٹھنے کی۔''

مما کو میری جلدی مچانے پر غصہ آ رہا تھا اور غصہ بجا بھی تھا کہ کلاسز کا آغاز ہوئے کافی دن ہو چکے تھے اور میں ابھی بھی سستی دکھاتی تھی کالج کے لیے اٹھنے میں۔ ''اچھا کل سے جلدی اٹھوں گی...... دیکھیں وین آ گئی اب میرا لنچ بکس تیار کر دیں ناشتا رہنے دیں۔'' وین آ گئی تھی اور مما کے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر ان کے ہاتھ سے لنچ بکس لے کر میں بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ''اللہ حافظ مما۔'' مجھے پتا تھا کالج سے واپسی پر میری کلاس ضرور لیں گی۔

☆......☆......☆

یار تمہیں عجیب سا نہیں لگتا بچوں کی طرح روز ٹفن اٹھا کر آ آتی ہو۔'' رائحہ کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

تمہیں کیا تکلیف ہے میں ناشتا کر کے نہیں آئی

تھی اس لیے......اور روز روز کب لاتی ہوں۔ عجیب لگنے والی کیا بات ہے، مجھے نہیں پسند کینٹین کی گھٹیا کوالٹی کی چیزیں......"

"اچھا بابا بس کرو، میری طرف سے بچوں کی پانی والی بوتل بھی ساتھ لے آیا کرو......" ٹھنڈی ٹھار پیپسی کا سِپ لیتی رائحہ نے کہا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ "اچھا آئیڈیا ہے کل سے لاؤں گی، یہاں کی دو نمبر بوتلیں تم جانے کیسی پی لیتی ہو......" میرے چڑانے پہ وہ تپ ہی گئی، مگر کہا کچھ نہیں، ہم لوگ کیفے سے نکلنے والے تھے، جب ایک لڑکی نے ہمیں روک لیا۔ "ایکسوزمی! کیا آپ میں سے کسی کے پاس پانچ روپے کھلے ہوں گے ایکچولی کولڈ ڈرنک بیس روپے کی ہے اور میرے پاس صرف پندرہ روپے کھلے ہیں تو اگر......" وہ مزید وضاحت دینا چاہ رہی تھی مگر رائحہ نے اسے پچاس روپے نکال کر پکڑا دیئے۔ "ارے نہیں، نہیں اگر آپ کے پاس بھی نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں، وہ لڑکی اب شرمندہ نظر آ رہی تھی...... میں نے رائحہ کو آنکھیں دکھائیں مگر وہ میری طرف دیکھتی تب نا۔ "کوئی بات نہیں، آپ کل لوٹا دینا۔" رائحہ کہہ کر رکی نہیں اور میں اُس کے پیچھے پیچھے کیفے سے باہر...... کیا ضرورت تھی اتنے پیسے پکڑانے کی، نہیں تھے کھلے تمہارے پاس تو نہ دیتیں۔" میں نے سرسری سا خفگی کا اظہار کیا۔ "خدا کا خوف کرو نقوی! وہ کوئی مانگنے والی تو نہیں تھی جو نہ دیتی اور کونسا میں نے اسے پچاس ہزار روپے دے دیے، پچاس روپے ہی تھے نہ۔" رائحہ نے سادہ سا انداز میں کہا تھا مگر مجھے لگا جیسے وہ مجھے سنا رہی ہے۔ "اچھا یہ بتاؤ کچھ تیاری کی تم نے ایگزامز شروع ہونے والے ہیں اور ثناء بھی بتا رہی تھی کہ مس نایاب کے پاس ڈیٹ شیٹ بھی آ چکی ہے۔" میرے چہرے کے تاثرات کو دیکھے بغیر عام سے انداز میں اس نے اگلی بات چھیڑ دی۔

"کہاں یار ابھی کالج داخلہ لیے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور پیپر سر پہ ناچنے لگے ہیں۔" پیپرز کا سنتے ہی میرا حلق کڑوا ہو گیا۔ ابھی ٹیچرز نے کچھ خاص پڑھایا نہیں تھا اور مڈ ٹرم ٹیسٹ کا شیڈول ہر نوٹس بورڈ پر لگا دیا گیا تھا۔

خیر اب یہ بات نہ کرو دو جمعے تو گزر ہی گئے ہیں کالج میں آئے اور آٹھ کو بھی ٹو سے ملٹی پلائے کرو تو سولہ دن ہو گئے ہیں۔ بس اب مستیاں ختم رائحہ نے میرے محاورے کی توڑ پھوڑ کی اور حساب کر کے مجھے مزید غصہ دلایا۔ اور اب مجھے دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔ "چلو تم یہ ٹیسٹ نہ دینا، کونسا فائنل ٹرم ہے ابھی ہم نے کچھ پڑھا تو ہے نہیں۔" مجھے پتا تھا کہ وہ میرا مذاق اڑا رہی تھی دراصل ان سولہ دنوں میں رائحہ میرے بارے میں کافی کچھ جان چکی تھی یہ بھی کہ پیپرز سے میری بڑی جان جاتی ہے، ایسا نہیں تھا کہ میں بہت نکمی اسٹوڈنٹ تھی، بس یہ جو اسکولز اور کالج میں دسمبر نومبر ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ ان سے مجھے بڑی چڑ رہی تھی ہمیشہ۔ مجھے اصل مزہ فائنل ایگزامز کی تیاری کرنے کا ہی آتا تھا۔ اور میرے انہیں نادر خیالات کے پیش نظر رائحہ مجھے چھیڑ رہی تھی۔

"فجر بیٹا اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں۔"

میں پلیٹ میں موجود سنگا پورین رائس کے رائس اور اسپیگیٹھی میں الجھی ہوئی تھی بابا کے مخاطب کرنے پر سیدھی ہو بیٹھی۔

"ٹھیک ٹھاک بلکہ فرسٹ کلاس۔" میں نے جواب دیا۔

"اسٹڈیز تو چلتی ہی رہیں گی، آپ اسے اپنے طریقے سے سمجھالیں کہ ناشتا ٹھیک طرح سے کر کے جایا کرے، صبح لیٹ اٹھتی ہے اور دوپہر میں بھی صرف ایک چھوٹے سے لنچ باکس سے گزارہ کرتی ہے یہ محترمہ...... بہت پریشان کیا ہوا ہے اس لڑکی

نے مجھے۔''
بابا آج کافی دنوں بعد رات کے کھانے پر موجود تھے۔سو مما کو موقع مل گیا میرا شکایت نامہ سنانے کا۔''''فجر! میں کیا سن رہا ہوں؟'' بابا کا لہجہ ذرا سخت ہوا اور اسی سے مجھے ڈر لگتا تھا، مما بھی میری کمزوری کا خوب فائدہ اٹھاتیں تھی۔''بابا میں بالکل ٹھیک......''
آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بمشکل پیتے ہوئے میں نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی، کہ شاید بابا کو ذرا احساس ہو مگر......
''زیادہ آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے فجر اپنی غلطی مان لیا کرو۔'' مما نے لگتا تھا آج میرے خلاف کمر کس لی ہے۔''تمہاری مما بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں فجر بیٹا، کیوں پریشان کرتی ہو اپنی مما کو......؟''
''آئندہ نہیں کروں گی۔'' پھنسی پھنسی آواز میں، میں نے توبہ کی جس سے پاپا کو تو اطمینان ہو گیا۔''Thatslike A good girl'' مگر مجھے شدید غصہ آرہا تھا مما پہ اور میں بابا کے سامنے کھانا چھوڑ کر بھی نہیں جاسکتی تھی۔ احتجاجاً اپنا غصہ سنگاپورین رائس پر ہی اتارا......
اگلے دن صبح میں جلدی اٹھی، بابا گھر پہ ہی تھے اور جب بابا گھر پر ہوتے تھے تو مجھے کالج چھوڑنے کی ذمہ داری بابا کی ہوتی تھی، جو بابا بڑے شوق سے نبھاتے تھے۔ظاہر ہے میں ان کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی جو تھی۔''ہماری بیٹی ناراض ہے کیا۔'' بالآخر بابا کو احساس ہو ہی گیا۔صبح اٹھنے سے چپ چاپ ناشتا کرنے اور بابا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے تک کہ میں ناراض ہوں۔ میں خاموش رہی، کیونکہ نہ تو دھڑلے سے ہاں کہہ سکتی تھی اور جھوٹ بھی بولنا نہیں چاہتی تھی۔

''اگر ہاں تو بیٹا تمہاری مما کا ناراض ہونا بھی بالکل بجا ہے۔ناشتا نہیں کرو گی تو سارا دن کالج میں کیسے پڑھو گی۔لنچ میں ایک سینڈوچ یا چکن پیس سے کیا بنتا ہے۔کچھ خود بھی تو احساس کرنا چاہیے نا آپ کو بیٹا۔'' بابا سمجھ گئے تھے کہ معاملہ سیریس ہے لہٰذا اپنا فرض پورے کر رہے تھے وہ، اور بابا کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا کہ میں آرام سے اپنی غلطی مان لیتی۔ آئندہ نہ کرنے کا پکا عہد کرتی اور مما سے بھی سوری کرتی۔ اب بھی یہی ہوا تھا کہ چپ چاپ میں نے سر جھکا لیا تھا، جس کا مطلب تھا I Admit And I am sorry اور بابا نے میرے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

☆......☆......☆

موسم نے ذرا سی کروٹ لی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی خنک کی آمیزش نے گرمی کی شدت کو بری طرح مات دی۔ کالج جاتے ہوئے خالی دوپٹے سے گزرا کرنا ناممکن تھا۔سو یونیفارم کے مطابق سبز شال بڑے شوق سے لڑکیاں اوڑھ کے آتی تھیں۔ مڈٹرم سے جان چھوٹنے پر پوری کلاس نے باہمی ہم آہنگی کے ساتھ ہفتہ بھر چھٹیاں منائیں اور اب کلاس روم میں مچھلی منڈی لگی ہوئی تھی۔ ہر لڑکی اپنے ہی قصے لے کر بیٹھی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے شور کرنے کا یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد ہر لڑکی کی زبان کاٹ کر پرنسپل کے آفس میں پہنچا دی جائے گی ہمیشہ کے لیے۔سو سب لڑکیاں اس آخری سنہرے موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ ہم لوگ تو اکتا کر باہر آ گئے۔
''کیا خیال ہے فرنٹ گارڈن کی طرف چلیں۔'' بسمہ کو بہت شوق تھا پرنسپل کے آفس سامنے لگے خوبصورت پھولوں کے Selfies لینے کا۔اور اب تو موسم بھی خاصا رومانٹک تھا۔ سو جھٹ سے اپنا خیال پیش کر دیا۔''ٹھیک ہے لیکن اگر آج مالی بابا

نے ڈانٹا تو تم میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکو گی۔''
رائحہ کو ساتھ ہی گرینڈ سیلفی کا واقعہ یاد آیا، جب بسمہ کی ضد پہ ہی پہلی بار ہم لوگ فرنٹ گارڈن کی طرف گئے تھے، بسمہ تو ہزار رنگ کے پھول دیکھ کر ہی پاگل ہو گئی، جھٹ سے اپنا موبائل نکالا اور کھٹا کھٹ تصویریں لینے لگی، خیال آیا تو کبھی مجھے رائحہ اور طوبیٰ کو کھینچ کھانچ لیا ساتھ، اور ابھی ہم ایک گرینڈ سیلفی لینے ہی والے تھے کہ طوبہ کے کندھے پہ کسی نے زور سے دھپ لگائی اس سے پہلے کہ وہ اس بوڑھے کو کچھ سنا پاتی، بسمہ کی بھاگو بھاگو کی گردان نے ہمیں بغیر سوچے سمجھے بغیر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اب حال یہ تھا کہ وہ بابا ہمارے پیچھے اور ہم اُس کے آگے، اور جب اس کی بوڑھی ٹانگوں نے شاید بلکہ یقیناً بھاگنے سے انکار کیا تو وہ وہیں کھڑا پشتو میں ہمیں خطابات سے نوازتا رہا۔ اور بعد میں جو بسمہ کی درگت ہمارے ہاتھوں لگی وہ علیحدہ۔
اور اب طوبیٰ نے تو ساتھ جانے سے انکار ہی کر دیا۔ ارے بھئی! نہیں کچھ ہوتا۔ اس نے تمہارا کندھا ہی پکڑا تھا ہاتھ تو نہیں۔'' بسمہ کی بھی نرالی منطق تھی۔'' تو تم کیا چاہتی ہو اب کی بار وہ میرا ہاتھ پکڑ لے، میں نہیں جا رہی..... تم لوگ جاؤ میں کیفے سے چائے پی لیتی ہوں تب تک۔'' طوبیٰ بھی بضد تھی۔'' اوہو یار! کیا ہو گیا ہے میں بچا لوں گی جیسے پہلے بچایا تھا۔'' طوبیٰ نے بسمہ کی طرف اور میں نے رائحہ کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ مذاق کر رہی ہو، مگر بسمہ کے تاثرات ایسے تھے جیسے اگر وہ واقعی ہی اس وقت نہ ہوتی تو ہمیں زندان میں قید کر دیا جاتا، اس غلطی کی پاداش میں کہ ہم نے ملکہ کے باغیچے کے پھول توڑے تھے بغیر اجازت..... اور جب رحم دل شہزادی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اپنی امی حضور سے درخواست کر کے ہماری جان بخشوائی۔

یعنی کہ..... حد ہے مبالغہ آرائی کی۔
''اب چلو گی تم لوگ یا کھڑے رہ کر ٹائم ویسٹ کرنا ہے؟''
بسمہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔'' ٹھیک ہے چلو، طوبیٰ فکر کی کوئی بات نہیں ہے نا ساتھ۔'' میں نے بھی طوبیٰ کو تسلی دی اور بسمہ کو چلینج۔

☆......☆......☆

'' تو مما کیسی لگ لگیں آپ کو میری فیرنڈز؟ ذرا تفصیلاً تبصرہ فرمائیے گا۔'' مما کچن میں مصروف تھیں، مجھے اچانک یاد آیا تو پوچھا، لیکن مما کو شاید میری آواز نہیں پہنچی تھی۔'' بتائیں نا کیسی لگیں میری دوستیں۔''
''صبر کرو لڑکی، ابھی فارغ نہیں ہوں، میں ذرا سا دھیان اِدھر اُدھر ہوا تو ہنڈیا لگ جائے گی۔ مما نے دیگچی میں ڈوئی ہلاتے ہوئے کہا۔'' اوفوہ! اتنی لمبی بات کی جگہ اگر آپ میرے سوال کا جواب دے دیتیں تو کیا ہو جانا تھا۔'' میں نے جھنجھلائی'' ہاں بولو اب کیا پوچھ رہیں تھیں تم۔'' فریج سے دھنیا نکالتے ہوئے مما نے کہا۔'' نہیں اب آپ پوری طرح فری ہو جائیں پھر پوچھوں گی جو پوچھنا ہو گا۔'' آخری حصہ میں نے منہ بناتے ہوئے ادا کیا تھا۔
''اچھا بابا ہو گئی ہوں میں فارغ الوقت، بتاؤں اب تمہاری فرینڈ کیسی لگیں؟'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں یعنی اب ان کے پاس بالکل فراغت تھی میری بات سننے کے لیے۔
'' جی ارشاد۔'' میں بھی ہمہ تن گوش ہوئی۔'' سب اچھی تھیں ڈیسنٹ گرلز..... لیکن.....'' انہوں نے شرارتاً جملہ ادھورا چھوڑا یہ ان کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔'' کیا مما صحیح طرح بتائیں نا۔'' میری بھی عادت تھی جب تک مما سے ہر چیز خصوصاً اپنی چیزوں کے بارے میں تفصیلاً رائے نہ لیتی چین نہیں ملتا، اور وہ بھی میری اس عادت سے بخوبی واقف

تھیں "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ طوبیٰ ذرا Naughty ہے۔ بسمہ Clever اور ڈیسنٹ سی لگی مجھے۔"
"Clever بھی اور ڈیسنٹ بھی یہ تو کوئی میچ نہیں ہے۔" بالکل ہے Clever ہونا اچھی بات ہے لیکن ایک حد تک اور Clever بندہ سو بر بھی ہو سکتا ہے۔ اور پہلے میری رائے سن لو پھر اعتراضات اٹھالینا اپنے۔"" اوکے next اور سب سے اچھی تو مجھ ے رائحہ لگ رہی تھی، تمہاری ہی طرح کیوٹ Well mannered اور Smart بھی، مما پھر شرارتی انداز میں بولیں اور میں جو کب سے مما کی بدلتی رائے پر اپنے چہرے کے تاثرات بھی بدل رہی تھی۔ آخری بات پر میرا منہ کھلا تو کھلتا ہی چلا گیا۔" رائحہ کیسے اتنی اچھی لگتی ہے آپ کو وہ تو اتنی غریب آئی مین بالکل سادہ سی ہے اور اُسے......" اس سے پہلے کہ میں مذید کچھ الٹا سیدھا بولتی مما کی تنبیہی نظروں سے مجھے بالکل خاموش کر دیا اور میں مما سے نظر ملائے بغیر اپنے روم کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

رائحہ الجحت اور میرا تعلق بہت زیادہ پرانا نہیں تھا۔ ایف ، ایس سی کلاس کے دوسرے روز ہمارا تعارف ہوا اور پھر رفتہ رفتہ یہ تعارف ہی دوستی میں بدل گیا۔ جس میں زیادہ ہاتھ رائحہ کا ہی تھا۔ پھر بسمہ جو کہ رائحہ کی اسکول فیلو بھی رہ چکی تھی اور طوبیٰ بھی گروپ کا حصہ بن گئیں، طوبیٰ واقعی ہی بہت شیطان اور نٹ کھٹ سی لڑکی تھی۔ ہر بات پر let it go مما کہنے والی ہنس مکھ لڑکی اور میرا خیال تھا کہ مما کو بھی طوبیٰ سب سے زیادہ پسند آئے گی، مگر رائحہ کی تعریف سن کر مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا، شاید وہ میرے بنائے ہوئے اچھائی کے معیار پر پورا نہیں اترتی تھی، میں تو گھر سے اپنا اسپیشل لنچ بکس ہر روز مما سے تیار کرواتی تھی کہ کالج کا کیفے مجھے بالکل بھی پسند نہیں تھا، اور مجھے تو ان لڑکیوں کو دیکھ کر حیرانی ہوتی تھی جو جھنڈ کی شکل میں کینٹین کا رُخ کرتیں تھی اور وہاں کی بدمزہ گھٹیا چیزیں کھاتیں، میری رائحہ سے دوستی اس وجہ سے تھی کیونکہ اُس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت زبردست تھا۔ وہ بلاشبہ ذہین اور نہایت ہی پُر اعتماد تھی، لیکن اس کا شمار کلاس کی غریب غربا لڑکیوں میں ہوتا تھا جو شکل سے بھی کم حیثیت ہوتی ہیں لیکن کلاس میں پھر بھی وہ نمایاں رہتی اپنے Confidance اور اچھے اخلاق کی وجہ سے، بس مجھے یہی ایک چیز چبھتی تھی۔ اگر میری فرسٹ پوزیشن آتی تو رائحہ نے بھی سیکنڈ پوزیشن لی، اگر مجھے ڈرامہ کمپیٹیشن میں First Prize ملا ہے تو رائحہ نے سالانہ ڈیبیٹ Compitition میں Award جیت لیا۔ اس کا Life Style بالکل Low تھا مگر وہ پھر بھی کسی نہ کسی طرح میرے برابر آ ہی جاتی تھی بلکہ آہستہ آہستہ اُس نے میرے حق پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اسی بات نے مجھے ایک بے نام سے Complex میں مبتلا کر دیا اور میں چاہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اس سے نجات نہیں دلا پا رہی تھی۔ وہ دن بدن نا صرف کلاس میں بلکہ کالج میں بھی ہر دل عزیز اسٹوڈنٹ بنتی جا رہی تھی، یعنی میری جگہ لے رہی تھی، مجھے یاد ہے کالج گالا میں رائحہ کی ملاقات اس لڑکی سے ہوئی جس نے ہم سے پانچ روپے مانگے تھے اور رائحہ نے اُسے 50 روپے دے دیے تھے۔ اب وہ لڑکی رائحہ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔

مجھے لگا وہ صرف بٹرنگ کر رہی ہے تا کہ رائحہ اس سے کہیں پیسے نہ مانگ لے اور جب میں نے اس خیال کا اظہار رائحہ سے کیا تو اُس نے میری بات کو چٹکیوں میں اڑا دیا۔ "ارے نہیں، میری تو نیلم...... اس لڑکی کا نام نیلم ہے، سے کافی دوستی ہوگئی ہے، اکثری

ملاقات ہو جاتی ہے اس سے۔''

''اوہ! تو مجھے کیوں نہیں بتایا تم نے اس بارے میں۔'' مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ ''اب میں اتنی چھوٹی سی بات تمہیں اسپیشلی بتاتی اور تم ویسے بھی دو دن سے غیر حاضر تھیں محترمہ۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا تو میں نے زیادہ بحث نہیں کی۔ ''اچھا چلو بسمہ، طوبیٰ کو بلاؤ چلتے ہیں اب میرے گھر مما ویٹ کر رہی ہیں۔'' ایونٹ کے اختتام پر ان سب کا پلان میرے ساتھ میرے گھر چلنے کا تھا۔''

☆......☆......☆

''فجر بیٹا یہ فائل الماری میں رکھ دو۔'' مما نے غالباً اپنا کالم مکمل کر لیا تھا اینڈ والے پیپر پر شمائلہ صدیق لکھا تھا۔

جبھی مجھے ایک بات یاد آئی۔ فائل الماری میں رکھ کر میں مما کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ''مما ایک بات پوچھوں؟''

''کوئی سوال نہیں فجر جا کر اپنا پڑھو اور مجھے بھی آرام کرنے دو۔'' مما آرام کی غرض سے لیٹیں تھیں، اس لیے میری بات سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ ''مما پلیز بس ایک سوال پھر مجھے بھول جائے گا۔'' میں ابھی اپنے نام کی ایک تھی۔ ''اچھا جلدی پوچھو۔''

''پوچھو بھی۔'' میرے یونہی خاموش رہنے پر مما نے جھنجھلا کر کہا۔

''آپ ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ نانا کا نام کیوں لکھتی ہیں؟'' میں مما کے جتنے بھی کالمز اب تک دیکھے تھے اور آئی ڈی کارڈ بھی اس میں بابا کے نام کے بجائے نانا کا نام ہی مما کے نام کے ساتھ ہوتا تھا، اور اب کافی عرصے بعد مجھے اس سوال کا جواب پانے کا موقع ملا۔

''کیوں کہ میرے والد کا نام ہی ہونا چاہیے میرے سرنیم کی جگہ۔''

''لیکن عام طور پر سب لڑکیاں شادی کے بعد اپنا سرنیم چینج کر کے Husband کا نام لکھتی ہیں آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''

''کہاں لکھا ہے کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔''

''مطلب؟'' بھئی یہ لوگوں کی اپنی ہی سوچ ہے کہ شادی کے بعد ہی فوراً ہی لڑکی کا سرنیم تبدیل کرتے ہیں ورنہ ایسا کرنا بالکل ضروری نہیں بلکہ مسلمان ہونے کے ناتے کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی صورت اپنی ولدیت تبدیل کرے۔''

''Its so Strange''

''سٹرینج تو ہوگا بیٹا ہمارے معاشرے کی روایات ہی اتنی پختہ ہو چکیں ہیں کہ اب وہ مذہب کا حصہ معلوم ہونے لگیں ہیں۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولیں۔ ''او آئی سی تب ہی تو ہمیشہ سے بکس میں عائشہ محمد ﷺ کے بجائے عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ علیؓ کے بجائے فاطمہؓ بنت محمد ﷺ لکھا ہوا ملتا ہے۔'' بات میرے سمجھ میں آ چکی تھی اور مجھے یہ بات بہت پسند آئی تھی۔

''بالکل۔'' مما نے تائیداً کہا۔ ''ویسے آپ کو اتنی Un common بات کس نے بتائی؟''

''یونیورسٹی میں پروفیسر تھیں مس اکرم ہم بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ ان میرڈ ہیں، تب ہی ایک دن بات سے بات شروع ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ میرڈ ہیں اور اکرم ان کے والد کا نام ہے اور پھر یہ سب باتیں انہوں نے پوری کلاس کو بتائی اور جیسے تمہارے لیے حیران کن بات ہے، ہم بھی اتنے ہی متعجب اور بے یقین تھے، لیکن ایک حدیث کے ذریعے انہوں نے ہمیں بات واضح کی تو دماغ کی بتیاں کھلیں۔ اب تم یہ مراقبہ بند کرو، اپنی اسائنمنٹ مکمل کر کے سو جانا جلدی۔'' میں تو مزید سوال

جواب کے موڈ میں تھی، مما کہ انداز پر ارادہ بدلنا پڑا۔ ''ٹھیک ہے شب بخیر۔''

''شب بخیر بیٹا، اور دودھ پی لینا یاد سے۔'' آنکھیں بند کیے مما نے یاددہانی کرائی۔

☆......☆......☆

سردی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ سردیوں کی چھٹیوں کے کالج میں حسب توقع رش کم تھا۔ طوبیٰ اور بسمہ بھی غائب تھیں۔ رائحہ لائبریری میں بکس تلاش کر رہی تھی جبکہ میں گراؤنڈ میں بیٹھ کر کتاب میں ضروری ٹاپکس مارک کر رہی تھی۔ ''شکر ہے مل گئی Key book۔ رائحہ دھپ سے گھاس پر بیٹھی۔ ''کیمسٹری کی ملی؟''

''نہیں یار یہ اتنی مشکل سے ڈھونڈ پائی ہوں، بڑی بے کار لائبریری ہے ویسے اس کالج کی۔ تم نے کرلیا انڈر لائن سارا Chapter؟''

سارا چیپٹر کیسے کروں بس اہم ٹوپکس کی نشاندہی کی ہے ابھی، گھر جا کر تفصیل سے کروگی۔'' میں نے دھواں منہ سے خارج کر کے، گویا دھند کو دھند سے چیرنا چاہا۔

''ویری گڈ، کل پھر یہ بک میں لے جاؤں تمہاری ٹھیک ہے نا؟'' اس نے اجازت چاہی۔

''اوکے۔'' میں نے کندھے اچکائے۔ ''ارے ہاں...... وہ بیگ سے چپس نکال کر کھا بلکہ کتر رہی تھی جب اچانک اس نے کہا۔ ''آج میں تمہیں کچھ دکھاؤں گی۔''

''کیا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''کیا نہیں پوچھو کسے؟'' رائحہ آج کافی خوشگوار موڈ میں نظر آ رہی تھی۔

اچھا جی پوچھ لیا، اب بتاؤ کسے؟''

''اپنے کزن کو۔''

''کیوں۔'' مجھے اچنبھا ہوا۔ ''کیوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا بس تم بتاؤ، آؤ گی گیٹ تک میرے ساتھ؟'' وہ اسی اطمینان سے پوچھ رہی تھی۔

میں بھی چڑ گئی اُس کے انداز پر۔

''ایک تو تم بھی نا، بھئی میری خالہ آئی ہوئی ہیں ہماری طرف اپنے بیٹے کے ساتھ، اماں اور خالہ نے بازار جانا ہے بلکہ وہ لوگ چلی گئیں ہوں گی، بس میرا کزن۔ مجھے پک کرے گا، کیونکہ مجھے نہیں پتا وہ لوگ کون سی مارکیٹ گئے ہیں۔ حسن بھائی کے ساتھ ہی جانا تھا انہوں نے اور آج جاتے بھی وہ مجھے ڈراپ کر کے گئے ہیں بس یا کچھ اور بھی بتادوں اپنے سے بنا کر؟'' وہ بھی تپ کر ایک سانس میں بولتی چلی گئی اور میں خلافِ توقع ناراضی سے گویا ہوئی۔ ''نہیں یہی کافی ہے، ٹھیک ہے بھئی میں دیکھ لوں گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں رہنے دو اب احسان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بالکل سنجیدہ تھی۔ ارے کہہ تو رہی ہوں ٹھیک ہے اب زیادہ نخرے کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے بھی تم پہ سوٹ نہیں کرتی ناراضگی۔'' میں نے ایک Smiley کے اشارے سے اُسے کہا تو کچھ لمحوں بعد اس کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''ویسے حسن بھائی ہیں بہت اسمارٹ۔''

''اوہ تو حسن نام ہے آپ کے کزن بھائی کا۔'' میں نے شرارتی لہجے میں کہا۔ اور رائحہ الجنت نے کچھ غلط نہیں کہا تھا، میں بس اُسے دور سے دیکھ سکتی تھی، وہ صرف اسمارٹ نہیں تھا بلکہ بے حد وجیہہ شخص تھا۔ میرے قریب سے نکلتے ہوئے رائحہ نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی۔ ''اس بات کا کسی سے ذکر مت کرنا۔''

☆......☆......☆

رائحہ کے کزن سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ کالج گیٹ سے وین تک کا راستہ میں نے رائحہ

اور حسن کے ہمراہ طے کیا تھا، میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لیے دانستہ طور پر گریز کر رہی تھی جب اس نے مجھے اچانک اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔ رائحہ آپ کا اکثر ذکر کرتی ہے۔''

اور میری ہارٹ بیٹ معمول سے زیادہ تیز ہوئی، مگر میں نے اپنے چہرے پر کچھ عیاں نہ ہونے دیا اور رائحہ سے مل کر وین میں بیٹھ گئی۔ پورے چاند والی رات بھی عجیب سحر سا پھونک دیتی ہے ماحول پر...... کچھ رائحہ کے کزن سے ملاقات کا کمال تھا کہ مجھے ہر شے غیر معمولی محسوس ہو رہی تھی، آج دھند نہ ہونے کے برابر تھی لیکن خنک ہوا میں کافی پینے کا اپنا لطف تھا اور پھر اس جملے کی تکرار نجانے کیوں بار بار میرے ذہن میں گونج رہی تھی۔ ''رائحہ آپ کا اکثر ذکر کرتی ہے۔'' اس نے کچھ ایسی انوکھی بات بھی نہیں کی تھی۔ نہ ہی میری خوبصورتی کی تعریف کی تھی لیکن پھر بھی میں اسے لاشعوری طور پر سوچنے پہ مجبور محسوس کر رہی تھی خود کو......''

میں نے شاید زندگی میں پہلی بار کسی خوبصورت لڑکے کو وہ بھی اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ ورنہ میرے ننھیال میں تو میری ہی ہم عمر لڑکیاں تھیں اور ان سے بھی چھوٹے کزنز۔ پاپا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے، میری طرح، سو کبھی کسی لڑکے سے براہ راست ملاقات کا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا، اور اب جب یہ رونما ہو گیا تو دل میں عجیب سا احساس جاگ رہا تھا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے اگر کوئی چیز آپ نے زندگی میں پہلی بار دیکھی ہو یا کوئی واقعہ فرسٹ ٹائم پیش آئے تو پھر یا آپ اُسے بالکل Dislike کریں گے یعنی پہلی بار ہونے کے بعد آپ دوبارہ اس واقعہ کی نوبت نہیں آنے دیں گے یا پھر وہ چھوٹا سا لمحہ آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا، خصوصاً جب دوسرے لوگوں کے لیے وہ نارمل بات ہو، آپ چاہیں گے کہ یہ لمحہ بار ہا آپ کی زندگی میں آئے، اور اس لمحے کو دوبارہ پانے کی چاہ میں نے بھی کی تھی۔ لیکن میری اس خواہش کی تکمیل اتنی جلدی اور اس قدر بھیانک ہوگی یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن ویک اینڈ تھا، نانو کی طبیعت پچھلے دنوں کافی خراب رہی تھی سو مما کا روزانہ ان کی طرف چکر لگتا تھا۔ آج میں اور پاپا بھی مما کے ساتھ گئے، نانو واقعی بہت نحیف اور لاغر نظر آ رہی تھیں، مگر مجھ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ مجھے تھوڑی شرمندگی ہوئی کہ اتنے عرصے سے وہ بیمار ہیں مگر میں انہیں دیکھنے نہیں آ سکی اور دعائیں تو مجھے ان کے لیے کرنی چاہیں۔ پھر کچھ دیر رُک کر ہم لوگ واپس آ گئے۔ مجھے اسائمنٹ مکمل کرنا تھا اور پہلے سے زیادہ محنت کرنا تھی، پتا نہیں کیوں پچھلے کچھ عرصے سے اسائمنٹ اور پریزنٹیشن میں وہ گریڈز برقرار نہیں رکھ پا رہی تھی، پوری کوشش اور محنت کے باوجود میں سیکنڈ نمبر پر آ رہی تھی، کالج ٹیسٹ میں بھی یہی صورتحال تھی، حالانکہ ان سب چیزوں میں ہمیشہ مجھے بونس مارکس ملتے رہے تھے۔ یہ بھی ایک علیحدہ پریشانی تھی۔ پھر اسٹڈی سے فارغ ہو کر نجانے کب رائحہ کے کزن کے بارے میں سوچنے لگی، کہیں نہ کہیں لاشعوری طور پر مجھے اُمید تھی کہ کل رائحہ ضرور اپنے کزن کا ذکر کرے گی۔ ایسی کوئی بات کرے گی جس میں میرا بھی ذکر ہو، اور رائحہ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ میں اس بات کا کسی کو نہ بتاؤ، ''تو یقیناً کوئی خاص بات ہوگی۔'' اور خاص بات تو واقعی ہی تھی مگر میری سوچوں کے بالکل برعکس۔

☆......☆......☆

میری اُمیدوں کے برعکس رائحہ نے کوئی بات نہیں کی تھی، پھر لگاتار لیکچرز نے یہ بات بھی یکسر بھلا دی۔ مگر زیادہ دن میں اپنے تجسس پر قابو نہیں رکھ پائی۔''

''تم رائحہ کے کزن کو جانتی ہو؟'' لائبریری سے نکلتے ہوئے میں نے بسمہ سے پوچھا، بس میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ رائحہ نے واقعی ہی یہ بات مجھ سے ہی شیئر کی ہے یا ہو سکتا ہے اس نے سب کو بتا کر اس بات کو راز رکھنے کا بھی کہا ہو۔

''کون سا کزن؟'' بسمہ کتاب بیگ میں ڈال رہی تھی۔ ''ہے ایک کزن آج کل وہ اسی کے ساتھ کالج آتی جاتی ہے، دونوں کا افیئر ہے آئی مین وہ دونوں Involved ہیں......'' میں نے جان بوجھ کر بات چھوڑی۔''

''تم حسن کی بات کر رہی ہو؟'' اس نے تصدیق چاہی گویا وہ پہلے سے جانتی تھی۔ مگر اس کے اگلے انکشاف نے مجھے سکتے میں ڈال دیا۔

''ہاں مگر تم کیسے جانتی ہو؟''

''ارے اُس نے خود ہی بتایا تھا ہمیں اس کی منگنی ہونے والی ہے اگلے ماہ۔ بلکہ بات پکی ہوگئی ہے''

میں کچھ بول نہ سکی۔ ''اور تم کس طرح بات کر رہی ہو رائحہ کے بارے میں...... تمہیں معلوم نہیں تھا اس بات کا۔'' انتہائی ذلت کے احساس نے مجھے گھیر لیا۔ ''چلو اب'' مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

اگلے دن میں کوشش کے باوجود کالج نہیں جا سکی، میں اتنی کمزور اور بزدل ہرگز نہ تھی کہ اتنی سی بات کو دل سے لگا لیتی اور منہ چھپائی پھرتی۔ مگر میری عزت نفس مجروح ہوئی۔ مجھے اس بات کا دکھ نہیں تھا اس اس نے سب کو بتانے کے باوجود مجھے بتانے سے منع کر دیا، اہم بات یہ تھی کہ اس نے مجھے منگنی کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اس نے میرے سامنے یوں ظاہر کیا تھا کہ جیسے وہ اس کے بڑے بھائی کی طرح ہوں، مجھے جو یہ خوش فہمی تھی کہ رائحہ نے اپنے اسمارٹ سے اس کزن کا صرف مجھ سے کیا ہے......

اور...... اور میں نے جو فرمودات رائحہ کے حوالے سے بسمہ کے سامنے بیان کیے تھے بہت ناممکن تھا کہ وہ من وعن ویسے ہی سب کچھ رائحہ سے جا کر نہ کہہ دیتی، مگر مجھے اس بات کی بھی فکر نہیں تھی۔ اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں کہا تھا مگر سچ کو چھپایا تھا اگر وہ مجھے اپنے کزن کے رشتے کے بارے میں بتا دیتی تو بسمہ لوگ تو یقیناً مجھ سے پہلے حسن کے بارے میں جانتیں تھیں، میری انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔ ایک چنگاری سی میرے دل میں لگنے لگی تھی۔ غصہ، حیرت اور کہیں نہ کہیں حسد کے احساسات نے مجھ پر وار کیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ رائحہ نے ایسے کیوں کیا؟

زندگی اکثر موقعوں پر انسان کو اس کی اوقات یاد دلاتی ہے جسے وہ ہمیشہ بھول جاتا ہے۔

میرا خیال تھا کہ رائحہ اس بات پر مجھ سے ضرور استفار کرے گی اور میں بھی اس کے انتظار میں تھی تاکہ اس چپکے سے ماری گئی اینٹ کا جواب پتھر سے دوں لیکن ایسا کچھ نہ ہو سکا۔ اس نے مجھے کوئی اس قسم کی بات نہ کی وہ میرے ساتھ بالکل نارمل تھی، جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو، میری اس کے کزن سے ملاقات نہ اس کی اپنے کزن سے منگنی اور اسی خاموشی نے مجھے مزید تپا دیا تھا۔

میں بس کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی جسے رائحہ کے خلاف استعمال کر سکوں۔ وہ جتنی ٹھنڈے مزاج اور صلح جو طبیعت تھی اتنی ہی زیادہ اسمارٹ تھی۔ اس بات کا اندازہ مجھے ہو رہا تھا۔ اور جلد ہی مجھے یہ

موقع مل گیا۔

''اوہ فجر میں اپنا رجسٹر کلاس میں بھول آئی ہوں پلیز تم جا کر لے آؤ میں سینٹر سے نوٹس کا پتا کرتی ہوں۔''

''کیا ہے رائحہ اب میں دوبارہ اتنی دور کلاس میں جاؤں۔ فجر نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔''اچھا تم جاؤنا بہت ضروری کام لکھا ہوا ہے۔'' وہ کلاس میں داخل ہوئی تو سامنے چیئر پہ ہی رجسٹر نظر آیا، تسلی کے لیے اس نے کھول کر نام دیکھا، واپس رجسٹر بند کرتے ہو وہ رُکی، پہلے صفحے پہ نام کے نیچے ہی ایک فون نمبر درج تھا، اور ساتھ میں انگلش Alphabets ایچ۔ایسا لکھا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی یہ کس کا نمبر ہے۔'' اتفاقاً بال پین رجسٹر میں تھا۔ وہ لیفٹ ہینڈ یوز کرتی تھی اس نے رائٹ ہینڈ پر نمبر نوٹ کیا۔ ایک عجیب سی خوشی لیے وہ میں گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔''کہاں رہ گئی تھی، ملا رجسٹر؟'' فجر کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس سے پہلے یہاں موجود ہوگی، رائحہ کو دیکھ کر وہ چونکی، اس نے سر ہلایا اور بائیں ہاتھ میں پکڑا رجسٹر رائحہ کی طرف بڑھا دیا۔ رائحہ نے رجسٹر تھام لیا اور پھر فجر کی جانب دیکھا وہ کہیں اور متوجہ تھی مگر اس نے نوٹ کیا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی مٹھی غیر محسوس طریقے سے بند تھی۔ رائحہ الجھت سر جھکا کر مبہم سا مسکرائی۔

☆......☆......☆

میں باتھ لے کر نکلی تھی، جب فون بجنے کی آواز آئی، رائحہ کا نمبر دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ابھی دو دن پہلے تو کالج سے فری ہوئے تھے، شاید کوئی پڑھائی سے متعلق مسئلہ تھا۔

''السلام وعلیکم! رائحہ بات کر رہی ہوں۔ فجر سے بات ہو سکتی ہے؟'' وہ ایک ہی سانس میں بولے گئی، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کافی جلدی میں ہو۔''

''وعلیکم السلام۔'' ہاں رائحہ کیسی ہو؟'' ٹھیک ہوں یار تم سے ایک کام ہے۔'' اب کے اس کی آواز میں واضح گھبراہٹ تھی۔

''کیسا کام؟''

''دراصل میں گھر میں اکیلی ہوں۔ اماں پھوپھو کی طرف گئیں ہیں اور میرا کزن...... میں نے تمہیں بتایا تھا ایک دفعہ بلال کے بارے میں، وہ کسی بھی وقت یہاں آ سکتا ہے۔ پلیز مجھے ڈر ہے کہیں وہ...... تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں......؟''

چند ثانیے میں خاموش رہی، مجھے یاد آ رہا کہ بہت شروع میں اس نے اپنے ایک اوباش کزن کے بارے میں بتایا تھا، اس کے قصے کہانیاں وہ اکثر ہمیں سناتی تھی، تو یقیناً اب کوئی سیریس مسئلہ تھا اور تفصیل وہ مجھے فون پر نہیں بتا سکتی تھی۔ میں چاہ کر بھی انکار نہ کر سکی۔ جو بھی تھا وہ اس وقت کافی مشکل میں تھی۔''بولو فجر تم آ رہی ہو؟'' وہ پھر پوچھ رہی تھی۔

''رائحہ میں......'' اور پھر میرے ذہن نے ایک جال بنا۔''ٹھیک، رائحہ میں آ رہی ہوں کچھ دیر میں تم دروازہ بند رکھنا۔'' اسے تسلی دیتے ہوئے میں نے فون بند کیا اور اب...... کچھ عرصے پہلے کا نوٹ کیا ہوا نمبر میرے کام آیا۔ اس مرتبہ میسج کرتے ہوئے لحظہ بھر کو میرے ہاتھ کپکپائے تھے مگر میں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ پیغام جانے کے کچھ لمحوں بعد ہی ریپلائی آیا۔ اور پھر کال آنا شروع ہو گئی میں نے کال کاٹ کر پھر سے ایک میسج کیا۔ اب کی بار کوئی رسپانس نہیں آیا تھا، مگر مجھے یقین تھا کہ میری تدبیر کام کر رہی ہے۔ اس کے گھر کا پتا مجھے معلوم تھا، ہمارے گھر سے زیادہ دور نہ تھا اور یقیناً یہی وجہ تھی کہ اس نے سب سے پہلے مجھے کال کر کے آنے کو کہا تھا۔ مما اس وقت پڑوس میں تھیں۔ میں نے الماری سے اپنا بہترین

ڈریس منتخب کیا اور پوری تیاری کے ساتھ گھر سے نکلی۔ ایک نوٹ پر مما میں کالج کے ایک ضروری کام سے رائحہ کی طرف جارہی ہوں۔ آپ پریشان مت ہوئیے گا لکھ کر اندرونی دروازے پر چسپاں کر دیا۔

☆......☆......☆

یہ ایک کشادہ گلی تھی مگر اس کے دونوں اطراف میں انتہائی غلیظ نالیاں بہہ رہی تھیں۔ ایک پل کو مجھے محسوس ہوا کہ میں غلط راستے پر آ گئی ہوں اور مجھے واپس جانا چاہیے مگر اگلے ہی پل دل کی آواز کو جھٹک کر میں آگے بڑھی۔ سرخ رنگ کے گیٹ کے پاس رک کر میں نے دائیں بائیں دیکھا، مبادا اس کے علاوہ تو کوئی سرخ رنگ کا دروازہ نہ ہو، رائحہ نے مجھے یہی بتایا تھا کہ گلی میں داخل ہوتے ہی دوسرے نمبر پہ سرخ دروازہ اسی کے گھر کا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی نہایت بدرنگ اور بدبودار پردہ میرے نتھنوں سے ٹکرایا، یہاں تک آتے آتے بڑی مشکل سے میں نے خود کو قے کرنے سے بچایا۔ ایک طویل مگر تنگ سی راہداری عبور کر کے سامنے کھلا سا کمرہ تھا اور وہاں کا منظر میری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔

''السلام وعلیکم۔'' صوفے پر بیٹھے مرد اور پکی عمر کی عورت نے چونک کر مجھے دیکھا، وہ کسی حساب کتاب میں مصروف تھے۔ ''میرا حساب پورا ہے، اپنی تسلی کر لے تو۔'' میرے سلام کو نظر انداز کر کے وہ عورت انتہائی جاہلانہ انداز میں بولی یوں کہ اس کے پیلے بدنما دانت مجھے دور سے اور بھی ہیبت ناک لگے۔ ''یہ رائحہ الجنت کا گھر ہے؟ اسے بلا دیں۔'' مجھے انہیں دوبارہ توجہ دلانی پڑی اب کی بار اس مرد اور عورت نے عجیب انداز سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ ''آئیں جی بیٹھیں۔'' وہ عورت مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''رائحہ گھر پر ہی ہے۔'' بیٹھتے ہوئے میں نے پھر سے تسلی کرنا چاہی۔

''جی میں ابھی بلاتا ہوں اسے آپ آرام سے بیٹھیں۔'' عورت کے منہ کھولنے سے پہلے ہی وہ مرد بولا۔ پھر سے ان دونوں میں نظروں کا تبادلہ ہوا اور وہ عورت، اس سے بولی۔ ''اچھا تو دیکھ اسے، میں پھر آؤں گی۔'' وہ عورت دوپٹا سنبھالتی ہوئی باہر کی جانب بڑھی اور وہ مرد اس کے پیچھے گیا۔ یکدم مجھے محسوس ہوا اس وقت گھر پر میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ ایک سنسناہٹ سی میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں واقعی غلط جگہ پر آ گئی ہوں، نہایت غلط جگہ پر لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ جلدی سے پہلے دیر......

معاً وہ آدمی گریبان کھولے صوفے کی پشت پر آ کر کھڑا ہوا، جہاں میں بیٹھی تھی، اور میرے اٹھتے اٹھتے ہی اس نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھایا، اس سے پہلے کہ وہ میرا دوپٹہ کھینچ پاتا، فون کی گھنٹی سے اسے ایسا کرنے سے روکا وہ فون کی جانب متوجہ ہوا اور میں باہر کی جاب لپکی، اور نہ جانے کیسے، میرے جوتے کی ہیل ٹیڑھی ہوئی، پاؤں مڑا تھا یا آگے کوئی چیز تھی، جس سے ٹکرا کر میں منہ کے بل زمین پر گری آدمی بات کرتے کرتے پھر سے میری طرف بڑھا تھا اور خود کو اس کی پہنچ سے پرے گھسیٹتے کوئی سخت چیز میرے ہاتھ لگی تھی، اور میں لمحہ ضائع کیے بغیر وہ پوری قوت سے اُسے دے ماری میرا وار کارگر ثابت ہوا تھا یا نہیں مگر اس نے بچاؤ کی کوشش کی اور میں بجلی کی سی تیزی سے دروازے تک پہنچی۔

''اے سالی (گالی) رُک۔'' اپنے پیچھے میں نے اس ذلیل آدمی کی وہ مکروہ آواز سنی تھی۔

☆......☆......☆

میری آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، قریب تھا کہ میں دروازے پر ہی ڈھیر ہو جاتی مگر...... اس گھر سے باہر نکل کر جو کچھ میں نے دیکھا تھا بہتر تھا بہت

بہتر تھا کہ وہیں کھڑے کھڑے میری روح فنا ہو جاتی۔ رائحہ اور حسن کی آنکھوں میں دیکھنے سے پہلے میں اندھی ہو جاتی...... میں نجانے کس طرح گھر پہنچی...... لاؤنج کہ دروازے تک پہنچ کر مجھے مما کا خیال آیا۔

میں تو مما کے سینے سے لگ کر ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی۔ آہٹ پر مما کچن سے باہر آ کر میری جانب بڑھیں۔ "تم فریش ہو کر آ جاؤ میں کھانا لگا رہی ہو، تمہارے بابا آ چکے ہیں۔" سرد اور سپاٹ لہجے میں مما نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ اپنے کمرے آ کر وہیں میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پچھتاوا ذلت اور سب سے بڑھ کر اپنی نظروں میں، اپنوں کی نظروں میں گرنے کا احساس مجھے تڑپا رہا تھا، میں نے کیا چاہا تھا، کتنی مضبوط پلاننگ بنا کر میں گھر سے نکلی تھی۔ میں تو سارے راستے یہ سوچ کر طے کرتی گئی کہ واپسی پر میری فتح ہو گی۔ جب میں رائحہ کو حسن کے سامنے اپنی صفائیاں دیتے دیکھوں گی۔ جب وہ اپنی پاکدامنی کی قسمیں کھا رہی ہو گی اور مجھے وہاں دیکھ کر حسن میری تائید کرے گا۔ میری جانب بڑھے گا مگر میں اُسے دھتکاروں گی...... مگر...... میں نے جو بساط بچھائی تھی وہ مجھ پر ہی الٹ پڑی۔ مجھے موقع ملا تھا، عرصے بعد اپنے دل میں پھیلے حسد کی آگ پر پانی ڈالنے کا...... لیکن...... میں اڑتے اڑتے زمین پر گری تھی، وہ بھی اوندھے منہ۔

جب انسان تقدیر پر یقین کرنے کے بجائے اپنی تدبیریں لڑانا شروع کر دے تو پھر اللہ اُس کو اپنی یاد دلانے کے لیے ایک جھٹکا ضرور دیتا ہے۔ اور وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جو اس آزمائش یا سزا سے سنبھل جاتے ہیں، سُدھر جاتے ہیں۔ ورنہ ساری زندگی گمراہی انسان کو آخر میں جہنم تک گھسیٹ لاتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ منظر میری آنکھوں سے نہیں جا رہا تھا، جب میں اس گھر سے نکلی تھی اور معاً میری نگاہ گلی کے نکڑ پہ سامنے کھڑے رائحہ اور اس کے کزن پر پڑی، وہ جس دروازے کہ پاس کھڑے تھے وہ بھی سرخ رنگ کا تھا۔ زمین و آسمان میری نظروں میں گھومنے لگے تھے۔ رائحہ نے اپنے گھر کے دروازے کا رنگ سرخ بتایا تھا۔ مگر کس حال میں ہے یہ فرق اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ وہ دروازہ بالکل صحیح حالت میں تھا، اس کا رنگ دور سے ہی نمایاں ہوتا تھا، مگر میں جس دروازے سے داخل ہوئی تھی اس کی خستہ حالی ہی اس گھر کے مکینوں کی حالت کا پتہ دیتی تھی، اس کا سرخ رنگ ان کے گناہوں کی تپش سے بدل کر Rust ہو رہا تھا۔ رائحہ نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا مگر سچ کو ہمیشہ چھپایا تھا اس کا اندازہ مجھے آج ایک بار پھر اچھی طرح ہو رہا تھا۔ نجانے کیا کچھ کھونے والی تھی میں اور کیا کچھ لٹ گیا تھا میرا۔

☆......☆......☆

اس کا نام رائحہ الجنت تھا۔ یعنی جنت کی ہوا، اور اپنے نام کی ہوا اس نے کبھی کسی کو نہ لگنے دی تھی۔ وہ جس طرح کے ماحول میں پیدا ہوئی تھی جس طرح پلی بڑھی تھی اس گھر کے در و دیوار سے مفلسی ٹپکتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے تڑپنا اور روز روز کے جھگڑے، گالم گلوچ ان سب چیزوں سے بہت جلدی اسے اس ماحول سے متنفر کر دیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی بہنوں کی طرح خود ترسی کا شکار نہیں ہو گی۔ حالات پر سمجھوتہ کر کے ہاتھ جھاڑ کر نہیں بیٹھے گی۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ اس ظالم اور لالچی بے حس معاشرے میں رہنے کے لیے اسے اپنے بقاء کی جنگ لڑنی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو اپنے حق پر عقاب جیسی نگاہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ان کا حق چھینے

تو جھپٹ کردار کرتے ہیں اور چھیننے والے کا اپنا حق
بھی اس کے پاس نہیں رہنے دیتے۔ وہ ذہین تھی،
سمجھدار تھی، پراعتماد تھی اور زندگی کی سختیوں نے اُسے
منتقم بھی بنا دیا تھا۔ رائحہ نے اپنے گھر والوں کی
روایت کے برخلاف میٹرک کے بعد ہی تعلیم جاری
رکھی اور پھر کالج میں اس کی ملاقات فجر نقوی سے
ہوئی جس نے اس کی خود پسند طبیعت کو چیلنج کیا تھا۔
پھر اسے موقع ملا تھا اپنے اندر چھپے سیلف پٹیڈ انسان
کو مار کر اپنا مقام بنانے کا۔ فجر نقوی جو بلا کی ذہین
تھی، پراعتماد، منہ پھٹ، مغرور اور پھر خوبصورتی نے
سونے پہ سہاگے کا کام کیا تھا۔ اس نے فجر سے دوستی
کرلی اور اخلاق کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اندر موجود
Complex کو چھپایا۔ جوں جوں دوستی بڑھتی
گئی۔۔ رائحہ نے یہ جانا تھا کہ فجر میں ڈھیر ساری
خوبیوں کے باوجود عقل نام کو نہیں تھی۔

بس یہ چھوٹی چھوٹی کمزوریاں ہی رائحہ کی طاقت
بن رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کلاس میں فجر نقوی ہمیشہ مجھ سے ایک نمبر آگے
رہی تھی چاہے نصابی سرگرمیاں ہو یا غیر نصابی
ایکسٹو یٹریز اور مجھے نہ تو اس سے پیچھے رہنا منظور تھا
اور نہ برابر میں اس سے ایک قدم آگے رہنا چاہتی تھی
۔سو اس کے لیے مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ فجر
کی رائیٹنگ پیاری تھی اور ہر کام میں اس کی
پریزنٹیشن بھی کمال ہوتی تھی۔ جس کا مجھے پہلے
اندازہ نہیں تھا اور جب ہوا اس کے بعد سے فجر ہمیشہ
مجھ سے ایک پوائنٹ کے فاصلے پر پیچھے رہنے لگی۔
پھر اس کے چہرے کے تاثرات سے میں اندر ہی
اندر نہایت لطف اندوز ہوتی۔ حسن جو عنقریب میرا
منگیتر بننے والا تھا سے میں نے جان بوجھ کر فجر کو ملوایا
تھا اور وہ ہی ایک ملاقات میں اس کی اسیر دکھائی
دے رہی تھی۔ میں نے فجر کو منع کیا تھا کہ وہ کسی سے
یہ بات شیئر نہ کرے مگر اس نے وہی کیا تھا جیسا میں
چاہتی تھی یا جس کا مجھے ارمان تھا۔ بسمہ نے مجھے جو
بتایا تھا وہ میری حیرت کے لیے کافی تھا۔ چنگاری
لگ چکی تھی، آگ پھیلنے میں ذرا سا وقت باقی تھا اور
جب میں نے فجر کو رجسٹر لانے کے لیے بھیجا تو اس
نے وہی حرکت دہرائی۔ جو اُسے اس کے سو کالڈ
بنائے ہوئے معیار سے بہت نیچے لے آئی تھی۔ وہ
جو بہت برانڈ کانشس تھی اور میں صرف کانشس اب اُسے
کون بتاتا کہ وہ بھی ان گری ہوئی لڑکیوں میں شمار
ہو چکی ہے جو صرف گوری چمڑی اور پالش کی چمک
دیکھ کر دھوکہ کھا لیتی ہیں اور اپنی عزت تک کی پرواہ
نہیں کرتیں۔ پھر جب میں نے اسے گھر آنے کے
لیے کہا تو وہ تھوڑے شش و پنج کے بعد راضی ہوگئی۔
میں اس وقت گھر میں اکیلی تھی اور کچھ ہی دیر
میں حسن کے ساتھ امی اور خالہ کو لے کر پنڈی روانہ
ہونے والے تھے۔ اب بس مجھے فجر کا انتظار تھا، جو
کچھ وہ کرنے کی کوشش کر چکی تھی، ناممکن تھا وہ
میرے ایک بار بلانے پر مجھ سے ملنے آجاتی، اس
لیے مجھے فون پر خود کو پریشان اور مشکل میں ظاہر کرنا
پڑا، یہ بھی شکر تھا، کوئی وضاحت طلب کیے بغیر فجر نے
آنے کی ہامی بھر لی تھی۔ میں نے خاص طور پر فجر کو
حسن سے ملوایا تھا کہ اتنے خوبصورت لڑکے کو میرے
ساتھ دیکھ کر وہ کیا ردعمل ظاہر کرے گی، جان
سکوں۔ اسے اپنی منگنی کے بارے میں نہ بتانے کے
پیچھے میری سوچ یہ تھی کہ کسی اور سے یہ سب جان کر
وہ کیسا ری ایکٹ کرے گی۔ وہ عام طور پر خاموش،
چپ چاپ برداشت کرنے والی لڑکیوں میں سے نہ
تھی مگر میری توقع کے خلاف اس نے مجھ سے کوئی
جواب طلبی یا شکایت نہیں کی تھی۔ شاید اپنی انا کے
ہاتھوں مجبور ہو کر وہ چپ رہی تھی۔ مگر بسمہ کے

ذریعے سے اس نے میرے بارے میں جو Gossip پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ اس سے مجھے یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ وہ خاموش رہ کر بھی وار کر سکتی ہے۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے رجسٹر سے نمبر نوٹ کیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور حسن کو اپروچ کر کے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے گی۔ لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ یہ بھی میرے لیے حیرت کی بات تھی۔ ہ اور جب میں نے اپنا ٹرانسفر پنڈی کروالیا تھا۔ حسن اور خالہ کے اصرار پر تو میں چاہتی تھی کہ پرانی گھتیاں سلجھا کے جاؤں میں صاف دل سے فجر سے آخری بار ملاقات کرلوں کیونکہ میں نے جس کی عرصے سے خواہش کی تھی وہ منزل مجھے نظر آرہی تھی۔ میرا راستہ صاف تھا۔ میں مطمئن تھی اور ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان ذہنی طور پر مطمئن ہو تو پرانی رنجشیں بھی بھلانے کو دل چاہتا ہے۔ سو فجر سے بھی میں آخری مرتبہ صاف دل سے ملنا چاہتی تھی کہ آخر دل میں بغض رکھے ہی سہی ہم دونوں نے کچھ وقت ایک ساتھ اچھا گزارا ہی تھا اور شاید میں فجر سے مل کر اس کے تمام گلے شکوے بھی دور کردیتی اگر...... مجھے ابھی ابھی حسن کا میسج نہ آیا ہوتا۔

''تمہارے علاوہ گھر میں کون کون ہے؟؟ عجیب سے انداز میں عجیب سا سوال پوچھا تھا اس نے، جبکہ وہ جانتا تھا کہ گھر میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ لمحے گزرنے کے بعد پھر پوچھا تھا اس نے۔ ''بلال تمہارے گھر ہے؟'' حسن کا میسج پڑھ کر میں چونکی تھی اور کچھ پل لگے مجھے سمجھنے میں، بلال میرا ہی کزن تھا جس کے بارے میں فجر کو ایک بال پہلے بھی بتا چکی تھی اور فون پر بھی اسی حوالے سے اپنی پریشانی ظاہر کی تھی۔ یعنی فجر نے...... حسن کو میرے بارے میں غلط انفارمیشن بتائی تھی۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا، دماغ سائیں سائیں کررہا تھا۔ قبل اس کہ میں حسن سے کوئی جواب دیتی فجر مجھ سے گھر کا ایڈریس پوچھ رہی تھی اور میں نے اسے اپنے گھر کا دروازہ بتانے کے بجائے اس گھر کا سرخ دروازہ نشانی کے طور پر بتایا جس سے کوئی عزت دار لڑکی کبھی داخل نہیں ہوئی اور اگر داخل ہو جائے تو وہ عزت دار لوٹتی نہیں ہے۔ مجھے اب اس بات کی پرواہ نہیں ہے وہ کیا کرے گی، اس کے ساتھ کیا ہوگا، مجھے فکر اس بات کی تھی کہ حسن کو آنا تھا اور نجانے اب وہ آئے گا یا نہیں۔ بسمہ تک تو بات ٹھیک تھی، جب فجر نے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی مگر یہ بھی اچھا تھا میں اور بسمہ ایک دوسرے کو اسکول سے جانتے تھے اور طوبیٰ کو بھی میں پہلے سے اپنی انگیجمنٹ کے بارے میں بتا چکی تھی۔ لیکن میرے فیانسی کی نظروں میں مجھے گرانے کی کوشش، فجر اس حد تک گر جائے گی میرے وہم گمان میں نہ تھا۔

کچھ دیر یونہی پریشانی کے عالم میں گزری، پھر اچانک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز میرا دل میری قوت سے دھڑکا تھا۔ دروازے پر حسن کو دیکھ کر میں نے بے اختیار ٹھنڈی سانس لی۔

''ریپلائی کیوں نہیں کررہی تھیں۔'' لہجے میں حتی الامکان نرمی لیے اس نے پوچھا۔ ''کپڑوں والا سامان پیک کررہی تھی آپ گاڑی میں رکھ آئیں میں باقی دروازوں کو لاک کرتی تب تک۔''

سپاٹ لہجے میں، میں نے کہا۔ میرے علاوہ گھر میں کسی کو نا پا کر وہ شرمندہ ہوا تھا یا نہیں مگر اب قدرے نارمل لہجے میں بات کررہا تھا اور میرے یکسر نظر انداز کرنے سے اسے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا تھا۔ جب ہی اس نے اپنا موبائل میری نظروں کے سامنے کیا۔ وہ بلاشبہ فجر کا نمبر تھا ''مسٹر حسن آپ

خبردار رہیں۔ آپ کی منگیتر رائحہ آپ کو دھوکہ دے رہی ہے۔ وہ کسی بلال نامی اپنے کزن میں انوالوڈ ہے اگر آپ کو یقین نہیں ہے تو......'' آگے بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔ شاید مگر دکھ اور صدمے کی شدت سے میں پڑھ نہیں پائی۔ مجھے اس شخص پر حیرت تھی جو لتنی دیدہ دلیری سے یہ سب مجھے دکھا رہا تھا۔ میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں بولی تھی۔ بولنے کو کچھ تھا بھی نہیں ''آپ یہ لے جائیں میں آ رہی ہوں۔''

آخری بیگ حسن کو پکڑاتے ہوئے میں نے کہا۔ وہ شخص اب نادم لگ رہا تھا، اپنی صفائی کے لیے دلائل دے رہا تھا، مگر اب کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔ بس ابھی مجھے حسن کے ساتھ جانا تھا کیوں کہ میرے نہ آنے سے امی پریشان ہو جاتیں۔ فجر پہ پہلے بھی کوئی خاص بھروسہ نہیں تھا مگر یہ انسان جسے میں نے اپنے بعد دنیا میں سب سے زیادہ ٹرسٹ کیا تھا، وہ ڈگمگایا، ایک پل کے لیے ہی سہی، مگر مجھ پر اسے اتنا کم اعتماد تھا کسی انجان میسج کے زیر اثر آ کر اس نے مجھ سے تفتیش کی تھی۔ وہ جونہی گیٹ کو تالا لگا کر مڑا، ایک پل کے لیے ٹھٹکا تھا۔ اور اس کی نظروں میں تعاقب میں دیکھتے ہوئے میں ساکت رہ گئی۔ فجر لٹھے کی مانند سفید چہرہ لیے کھڑی تھی۔ وہ ہم سے قدرے فاصلے پر تھی مگر اس کے چہرے کے تاثرات غیر معمولی دور سے پہچانے جا سکتے تھے۔ میں نے ذرا کی ذرا حسن کی طرف دیکھنے کی کوشش کی اور اسی پل وہ میری طرف مڑا تھا، نظریں ملی تھیں مگر مجھے کچھ بھی وضاحت کرنے کی ضرورت نہ پڑی البتہ حسن کی آنکھوں میں غصے، حیرت اور ناگواری تاثرات میں آسانی سے دیکھ سکتی تھی جو مجھ سے نظریں ملنے پر افسوس اور شرمندگی میں بدل گئے۔ اب بس حسن نے تمام راستے مجھے منانا تھا اور مجھے اپنی انا وقار کا جھنڈا بلند رکھنے کے لیے، کچھ عرصہ خاموشی اختیار کیے رکھنا تھی۔ آخر ہم جیسے لوگوں کو اس بے حس اور خود غرض سماج میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے اپنی بقاء کی جنگ 'Battle Of Survival'' تو لڑنی ہی پڑتی ہے۔

☆......☆......☆

چوبیس گھنٹے کمرے میں قید رہنے کے بعد بالآخر میں بابا کا سامنا کرنے کی ہمت کر پائی، وہ بھی اگر بابا خود مجھے نہ بلاتے تو شاید میں اپنے کمرے میں ہی پڑی رہتی، کیونکہ اس دوران مما نے مجھ سے دوبارہ کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ بابا ہفتے بھر کے لیے پھر سے ڈیوٹی پر جانے والے تھے۔ سو میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ میری وجہ سے پریشان ہوں بلکہ ان کی پریشانی سے زیادہ مجھے اپنی غلطی چھپانے کی فکر تھی۔ بابا کے جانے کے بعد میں کچھ دیر دانستہ طور پر وہیں بیٹھی رہی کہ شاید اب مما مجھ سے کھل کر بات کریں میں جو کل رات سے پریشان تھی کہ وہ کیوں آ کر مجھ سے بات نہیں کر رہی اس وجہ سے کہ میں انہیں بتائے بغیر رائحہ کی طرف چلی گئی یا انہیں میرے...... اچانک میری نظر کارنر پہ رکھے موبائل اسٹینڈ پہ پڑی، دکھ اور شرمندگی کی لہر نے ایک بار پھر مجھے تڑپا کر رکھ گئی تھی اور رائحہ کے کزن سے ہونے والی Conversation بھی جلدی جلدی میں ریموو کرنا بھول گئی تھی۔

مما کی لاتعلقی کی وجہ مجھے سمجھ میں آ گئی تھی۔ پچھتاوے کے شدید احساس نے مجھے پھر سے آ گھیرا۔

اب بظاہر سب کچھ ٹھیک ہے۔ مما سے بات چیت، گھر میں ہلکی پھلکی شرارتیں۔ خاص طور پر یونیورسٹی...... ہاں یونیورسٹی میں بھی میں اپنی ٹاپ پوزیشن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوں۔ مجھے Admire کرنے والے ٹیچرز اور کلاس فیلوز بھی ہیں......لیکن......''

☆☆......☆☆

افسانہ

ندا حسین

ایک ملاقات

قیمتی زیورات زیب تن کیے عنابی رنگ کی بیل دار، شیفون کی نفیس ساڑھی میں وہ کسی ریاست کی ملکہ دکھائی دے رہی تھی۔ سلمیٰ کے دل میں حسد نے ایک زوردار انگڑائی لی۔ جوانی میں ان کا حسن خاندان بھر میں مشہور تھا۔ اور تب اس سوکھی سڑی کہکشاں کو......

قیمتی فانوش کی روشنیوں میں جگمگاتا، اعلیٰ وارضع فرنیچر سے مزین وہ محل نما گھر اعلیٰ طبقے کے ہونے کی محفل کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔ زرق برق جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس خواتین و حضرات مسکراتے قہقہے لگاتے خوش گپیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف ادھر سے اُدھر گھوم رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہاں موجود تمام نفوس اعلیٰ طبقے کی ہی ترجمانی کر رہے
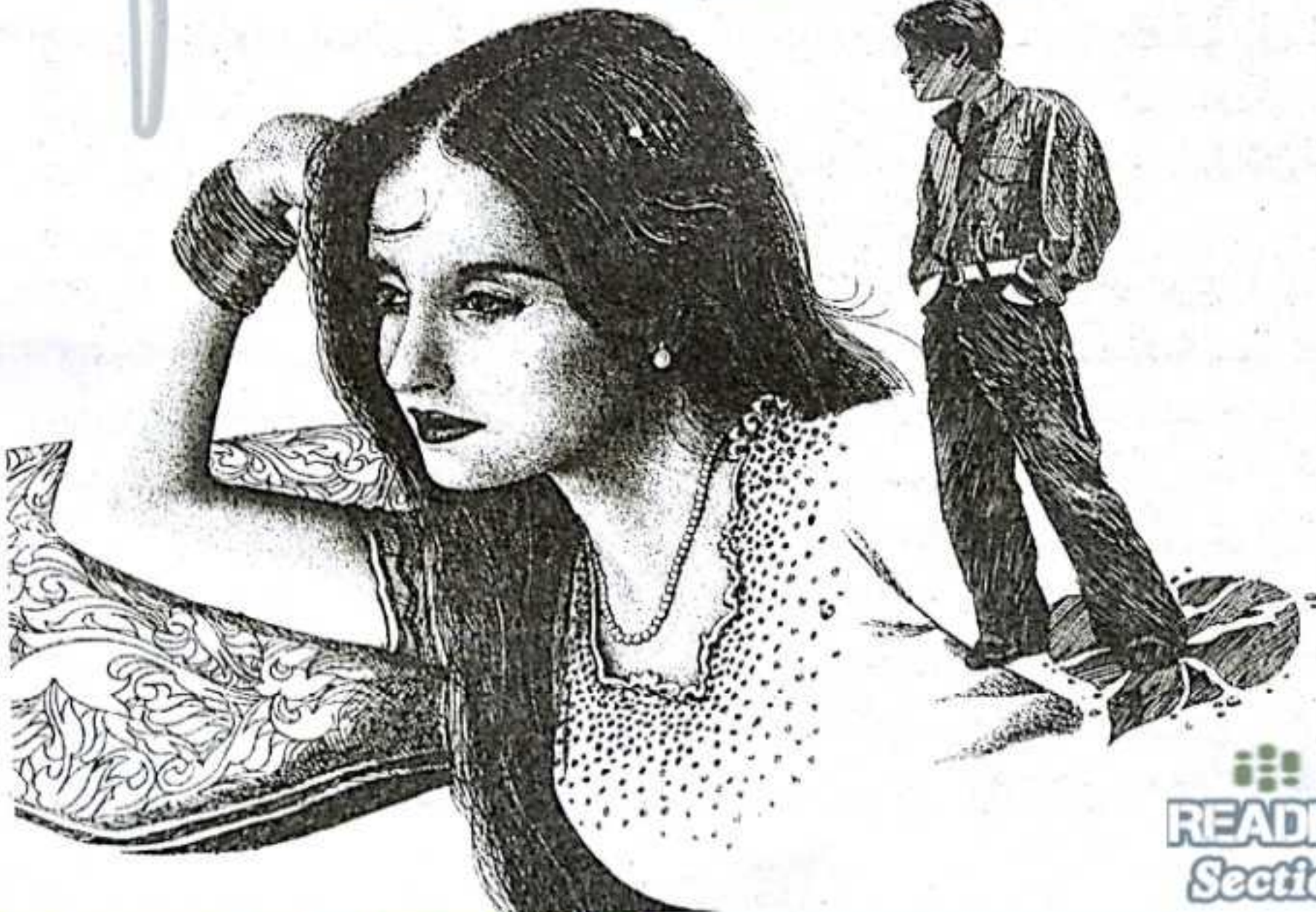
تھے بلکہ کچھ سلمیٰ جیسے درمیانے طبقے کی نمائندگی کرتے افراد بھی وہاں اپنی کم حیثیت ہونے پر دل ہی دل میں کڑھتے، چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے محفل میں شامل تھے۔
تقریب سلمیٰ کے دور پرے کے رشتہ دار کی منگنی کی تقریب تھی۔ سلمیٰ اپنے بیٹے اور شوہر منیب کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کے لیے آئیں تھیں۔ نو سالہ طیب ان کے پہلو سے لگا بیٹھا رنگ و نور کی محفل کو حیرت سے تک رہا تھا۔ اس نے اپنی اب تک کی زندگی میں ایسی عالیشان و شاندار محفل نہ دیکھی تھی۔ دفعتاً سلمیٰ کی نظر کچھ فاصلے پر بیٹھی ایک مکبتری خاتون پر پڑی۔ شکل کچھ جانی پہچانی لگی۔
بھویں سکیڑ کے مزید غور سے دیکھا تو نگاہوں میں شناسائی کی رمق دوڑ گئی۔ وہ کہکشاں تھی۔ ان کی بچپن کی سہیلی، خالہ زاد بہن۔ آخری بار انہوں نے اسے اس کی شادی میں دیکھا تھا۔ تب بھی وہ ایسی حسین نہیں لگ رہی تھی جیسی آج نظر آ رہی تھی۔ دراز قد، زرد رنگت کی مالک کہکشاں کی آج چھب ہی نرالی تھی۔ رنگ کھل کر گلابی ہو چکا تھا۔ کچھ شخصیت میں شان بے نیازی اور تمکنت کا عکس بھی نمایاں تھا۔ قیمتی زیورات زیب تن کیے عنابی رنگ کی بیل دار، شیفون کی نفیس ساڑھی میں وہ کسی ریاست کی ملکہ دکھائی دے رہی تھی۔
سلمیٰ کے دل میں حسد نے ایک زوردار انگڑائی لی۔ جوانی میں ان کا حسن خاندان بھر میں مشہور تھا۔ اور تب اس سوکھی سڑی کہکشاں کو کون پوچھتا تھا۔ پر آج وہ حسن میں اسے مات دے رہی تھی۔ اپنی دلی کیفیت سے گھبرا کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، سامنے ہی دیوار پر نصب دیوار گیر شیشہ اسے ان دونوں کی جھلک دکھا رہا تھا۔ شیشے میں کہکشاں کا عکس سلمیٰ کے عقب میں نمایاں تھا۔
''آہ.....!'' دل سے سرد آہ ابھری۔ کہکشاں اس کے مقابلے میں تازہ کھلے ہوئے گلاب کی مانند تھی اور وہ جیسے مرجھایا ہوا پھول جس میں تازگی وشادابی ناپید ہو چکی ہو۔
''نظروں کا دھوکہ ہے سب، حسن نہیں ہے بس دیدہ زیبی ہے۔''اس نے اداس ہوتے دل کو سمجھایا۔ وہاں موجود لوگوں کی نگاہوں میں کہکشاں کے لیے ستائش دیکھ کر سلمیٰ اندر ہی اندر جل بھن گئی۔
''ہونہہ! اصل حسن کی پرکھ تو لوگ کھو بیٹھے ہیں سارا کھیل پیسے کا ہے۔ میں بھی ان کے جیسے کپڑے زیوات پہن لوں تو اس سے کہیں زیادہ لشکارے ماروں۔ اور یہ میرے جیسا کم قیمت عام سا لباس پہن لے تو معلوم پڑے حقیقت حسن کی۔'' دل میں انگڑائی لیتا حسد اب ایک شعلہ کی مانند دہک رہا تھا۔
''پر یہ دولت آئی کیسے، اس کے سسرال والے کوئی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ شادی ہی اس سادگی سے کی تھی کہ نہ پوچھو۔ پھر یہ کایا کیسے پلٹی۔'' حسد کے بعد تشویش نے بھی سلمیٰ کے دل میں سر ابھارا۔
''ہوں نہوں!'' کہکشاں کو نظروں ہی نظروں میں ٹٹولتے اس کے ذہن میں ایک نئے خیال کی آمد ہوئی۔
''ہو سکتا ہے دکھاوا کرنے کو کسی سے مانگ تانگ کر لے آئی ہو کہ جی مجھے بڑی دعوت میں جانا ہے دنیا کو دکھانا ہے کہ میں بھی کسی سے کم نہیں۔ ذرا اپنے فلاں کپڑے اور جوتے دے دیں۔ ہائے یہ زمانے میں پھیلی دکھاوے کی بیماری۔ بیچاری کہکشاں بھی اس کے زد میں

آ گئی۔'' خیال آنے پر وہ دل ہی دل میں ہنستی تصور کی آنکھ سے اسے گھر گھر کپڑے جوتے مانگتا بھی دیکھنے لگی۔

ارے ملوں تو صحیح باتوں ہی باتوں میں اس سے سب اگلواتی ہوں۔ تبدیلی کی ساری وجہ کھل کر سامنے آجائے گی۔ آخر فیصلہ کر کے وہ اپنی نشست سے اٹھ ہی گئی۔ وہ اب کہکشاں کے برابر والی نشست پہ بیٹھی قریب سے کہکشاں کے پہناوے، اوڑھاوے کا جائزہ لے رہی تھی۔ رسمی سلام دعا کے بعد اور خیر خیریت کا مرحلہ بخوبی طے پا چکا تھا۔ سلمیٰ کی نظروں سے چھلکتی حسد و جلن کہکشاں کی نظروں سے اچھی نہ رہ سکی تھی۔ سوان کی حالت کا بھرپور مزہ اٹھاتے وہ چسکے لینے والے انداز میں پوچھنے لگی۔

''اور منیب بھائی کا کیا حال ہے سلمیٰ۔ وہی سرکاری آفس میں جوتی گھس رہے ہیں یا مزید کوئی دوسرا کام بھی کر رہے ہیں ساتھ ساتھ۔'' اس چبھتے سوال پر سلمیٰ کو تو پتنگے لگ گئے۔ پر ضبط کر کے بولی۔'' جوتے کیوں گھسیں گے، الحمدللہ سولہ گریڈ کے آفیسر ہیں۔ تم سناؤ عمران بھائی کی وہی ننھی سی کاسمیٹکس کی دکان ہے یا کچھ بڑھائی ہے۔'' سلمیٰ کون سی کہکشاں کے شوہر کی ذریعہ آمدنی سے ناواقف تھی جو خاموش رہتی۔ سو جم کر جوابی تیر برسایا۔

'' چھوٹی کیوں بہن ماشاء اللہ پورے مارکیٹ میں سب سے بڑی دکان ہے میرے عمران کی۔ بس اللہ جلنے والوں کی بری نظر سے بچائے ہمیں۔'' کہکشاں نے جتاتے ہوئے معنی خیز انداز میں نظریں گھماتے ہوئے کہا تو سلمیٰ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

'' ہاں تو ظاہر ہے! تمہارے میاں میٹرک پاس تو ہیں کوئی ایسے تعلیم یافتہ تو ہیں نہیں کہ کہیں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں یا اونچے گریڈ کے آفیسر لگیں۔ اب لے دے کر جو ایک دکان کھول رکھی ہے اسی کو بڑھاتے رہنے کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے۔'' سلمیٰ کا انداز خالص تمسخرانہ تھا۔

بھئی کر دی نا تم نے پرانے وقتوں کی بات۔ بھئی آج کے دور میں تو اچھے خاصے تعلیم یافتہ لڑکے رُلتے پھر رہے ہیں۔ کاروبار کو کامیابی سے چلانا بھی ایک طرح کا گر ہے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ہر ایک کو رام کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایک خداداد صلاحیت ہے جو الحمدللہ میرے عمران میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ علمی فضیلت حاصل کرنا الگ بات ہے اور اپنا کاروبار چمکانا الگ بات ہے۔'' بڑے تفاخر سے سلمیٰ کے تمسخر کی ایسی کی تیسی کرتے ہوئے کہکشاں ایک پل کو خاموش ہوئی اور پھر راز داری سے سلمیٰ سے کہنے لگی۔''

اور راز کی بات بتاؤں عمران نے تو اب خود ہی کاسمیٹکس بنانے کا کاروبار کرنا شروع کر دیا ہے۔ کہکشاں کی اس اطلاع نے تو جیسے سلمیٰ کا دل مسل کر رکھ دیا۔ وہ خاندان کی حسین ترین، تمیزدار، نفاست پسند، کفایت شعار، شوہر اور بچوں کو جان سے عزیز رکھنے والی لڑکی ہونے کے باوجود ایک عام سی زندگی گزار رہی تھی۔ جہاں آسائشیں تو کیا ہی میسر تھیں، ضروریات زندگی ہی بمشکل پوری ہوتی تھیں۔ اور یہ منہ پھٹ، بدتمیز، بدسلیقہ عورت پر قسمت کی دیوی یوں مہربان تھی کہ سر سے پیر تک دولت کی نمائش کرتی ہر ایک کی مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی۔

'' پر یہ تو سیدھا سادہ دھوکہ دہی ہوئی۔ بین الاقوامی برانڈ کی نقالی کر کے گلی محلے میں جعلی کاسمیٹکس بنانا۔'' سلمیٰ کون سا ہارنے والی تھی۔ کہکشاں کے منہ پر ہی ساری اصلیت

سامنے رکھ چھوڑی اس کے میاں کی۔ کہکشاں کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بدلا مگر جلد ہی سنبھل کر اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

سلمیٰ دھوکہ دہی کہاں نہیں ہوتی۔ ایک گوالا بھی دودھ میں نہ جانے کون سے زہر ملا کر بیچ رہا ہے'' سبزی والا بھی ترازو میں کمی بیشی کر کے لوگوں کا دھوکہ دیتا ہے۔ چلو یہ تو تمہاری نظر میں جاہل لوگ پر جو لوگ جعلی ڈگری لے کر ڈاکٹر بنے بیٹھے ہیں وہ دھوکہ نہیں یا پھر جو وکیل انصاف کی آڑ میں مجرموں کو چھڑوا رہے ہیں وہ دھوکہ نہیں۔

آج کل وہ زمانہ ہے کہ دنیا پیسہ آتا دیکھتی ہے یہ نہیں کہ کہاں سے آیا، کیسے آیا...... اور جو لوگ پیسہ بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ یونہی ضمیر اور اخلاق کی دہائیاں دیتے روتے رہتے۔ ورنہ ضمیر اور اخلاق کو آج کل زمانے میں کون پوچھتا ہے......؟'' کہکشاں کل تک صرف منہ پھٹ تھی پر اب بدلحاظ ہو چکی تھی۔ صاف صاف سلمیٰ کو آئینہ دکھا گئی۔ اور سلمیٰ کے پاس اس آئینے میں اپنا شکست خوردہ، بے بس عکس دیکھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اسے یہ ماننتے ہی پڑی کہ کہکشاں اس سے زیادہ بلند بخت لے کر دنیا میں اتری ہے۔ تمسخر یا تحقیر سے وہ صرف اپنی تنگ دلی کا ہی اظہار کر سکتی ہے لہٰذا خاموش ہو گئی۔

کہکشاں سلمیٰ کے دھواں دھواں ہوتے خاموش چہرے کو دیکھ کر تفاخر سے مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

محفل کے اختتام پر گھر واپس جاتے ہوئے کہکشاں نے عمران کو اپنی اور سلمیٰ کی ساری گفتگو بتاتے ہوئے کہا۔

قسم سے عمران سلمیٰ کا چہرہ تو رُو دینے والا تھا اکثر ساری زندگی وہ مجھے کم صورتی کا طعنہ دیتی آئی تھی خود کو بڑی حسن کی پری سمجھتی تھی اب سمجھ آ گیا ہوگا اُسے کہ حسن کچھ نہیں ہوتا، نصیب سب کچھ ہوتا ہے نصیب۔'' وہ سلمیٰ کو ہرانے کی کوشش میں گاڑی ڈرائیو کرتے عمران کے چہرے کے بگڑے ہوئے زاویئے بھی دیکھ نہ سکی تھی۔

''بے وقوف عورت دوسروں کو جلانے کے چکر میں تم نے گھر کی ساری راز کی باتیں اُگل ڈالیں۔ سمجھایا بھی تھا کہ یہ بات باہر نہیں نکلنی چاہیے۔ کیا ضرورت تھی کاروبار والی بات کا ڈھنڈورا پیٹنے کی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اس کاربار میں ہاتھ ڈالے۔ بیگم صاحبہ نے پورے خاندان میں چرچہ کر ڈالا۔ پہلے ہی لوگ ہم سے کیا جلتے ہیں جو ایک نئی راہ سجا آئیں تم......'' عمران کے غصے پر کہکشاں کی ٹرٹر کرتی زبان یکدم خاموش ہو گئی۔ اب احساس ہوا کہ بلا ضرورت ہی ایک میں چار لگا کر ڈھنڈورا جو پیٹا ہے وہ اپنا ہی نقصان نہ کر جائے۔ کہیں سلمیٰ کا حسد ان کی خوشیاں نہ کھا جائے۔ چپ چاپ عمران کی ڈانٹ کھاتے ہوئے وہ اب دل ہی دل میں اللہ سے اپنے نئے نئے کاروبار کی خیر و عافیت کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

دوسری جانب سلمیٰ سارے راستے خاموش رہی۔ وہ بظاہر تو خاموش تھی مگر اس کے ذہن و دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ منیب نے کئی بار انہیں مڑ کر دیکھا پر ان کے چہرے پر چھائی سنجیدگی نے کچھ کہنے سے روک دیا۔ وہ اندر ہی اندر بیوی کی خاموشی پہ پریشان ہوتے اپنی برسوں پرانی کار کو دھیرے دھیرے چلاتے منزل کی جانب گامزن تھے۔ کار تیز چلاتے تو خراب ہونے کا خدشہ تھا۔ مکینک کو دکھایا تھا آج اچھا خاصا بھاری خرچہ بتایا تھا۔ پرانی گاڑی تھی ہر دو دن بعد خرچہ

نکالتی تھی۔ منیب کی ذہنی رو گاڑی کے خرچے کی طرف بھٹک کر رہ گئی۔

وہ دونوں میاں بیوی اس وقت الگ الگ سوچوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے تھے۔ ''آج کہکشاں کی تلخ باتوں نے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کیا ان کے شوہر کو اوپر کی کمائی کا موقع ملے تو وہ روک پائینگی......؟ کیا اتنی ہمت ہے انہیں کہ گھر آتے ہوئے پیسہ کا راستہ روکیں۔ وہ کہکشاں کو تو خوب ایمانداری کا راگ سنا کر آئیں پر کیا ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ جب تک بے ایمانی کا موقع نہ ملے انسان ایماندار رہے جیسے ہی موقع ملے ایمانداری کا طوق گلے سے اتار پھینکے۔ سلمٰی اس وقت شدید اندرونی خلفشار کا شکار تھیں۔ ان کے ضمیر اور نفس کی شدید جنگ جاری تھی۔

وہ گھر جو کل تک اُس کا گلشن تھا آج گھر پہنچتے ہی برا لگنے لگا۔ جس شوہر کی صداقت و دیانت پہ فخر تھا وہ زہر لگنے لگی۔ بس ذرا سا منیب کے پوچھنے کی دیر تھی۔ اور سلمٰی کے دل میں کب سے جوالہ مکھی بنتا لاوا کسی آتش فشاں پہاڑ کی مانند پھٹ پڑا۔

''محفل میں عمران سے نہیں ملے کیا آپ۔ دیکھا نہیں کیسا سوٹڈ بوٹڈ کسی سیٹھ کی طرح گھوم رہا تھا۔ ارے کچھ شرم نہیں آئی آپ کو میٹرک پاس ہو کر اتنا کامیاب وہ، اور ایک آپ اتنا پڑھ لکھ کر بھی آخر پایا تو کیا پایا آپ نے۔'' وہ ہذیانی کیفیت میں چیخیں تھیں۔

منیب تو اپنی سیدھی سادھی، خوش گفتار، صابر بیوی کا یہ روپ دیکھ کر اچھل پڑے۔ امتحان کی تیاری کرتا صبیب کچن میں برتن دھوتی نائلہ اور نیند میں جھومتا طیب بھی سب کچھ بھلائے اپنی ماں کے اس جلالی روپ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

''ارے بیگم......ایسا کیا ہو گیا وہ اگر کامیاب ہے تو اپنے نصیب سے ہے اللہ جس کو جیسا چاہے نوازے۔'' منیب گھبرا کر بس اتنا ہی بول پائے کہ سلمٰی نے آگے سے ان کی بات کاٹ دی۔

''نصیب یہ سارا کھیل ہی تو نصیب کا ہے۔ مجھ جیسی خوبصورت، خوب سیرت، سلیقہ شعار، سگھڑ، خوش گفتار کا نصیب دیکھو کہ رہنے کو یہ چھوٹا سا بوسیدہ سا گھر ملا۔ گاڑی کے نام پر جانے یہ کس صدی کا ڈبہ ملا۔ ایک ملازمہ تک نہ رکھی کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتی رہتی ہوں۔ نت نئے زیورات کی حسرت دل میں دبائے ساری زندگی آپ کی اور آپ کے بچوں کی خدمت میں گزار دی۔ ایک کنگن تو کیا ایک چھلا تک سونے کا نہ ملا آپ کی طرف سے مجھے اور زمانے بھر کی بدمزاج، نہ صورت، نہ سیرت، نہ لہجہ نرم نہ زبان پہ مٹھاس بدسلیقہ کہکشاں کوئی ایک خوبی ہو تو میں مانوں اس کا نصیب یوں چمک رہا جیسے کوئی شہزادی بن بیٹھی ہو کسی محل کی۔ کوئی سمجھائے مجھے یہ اتنا ہن اس پر کیوں آبرسا۔ مجھ میں کیا کمی تھی مولا جو مجھے اس نعمت سے دور رکھا۔ ہائے یہ سارے تیرے ہی کھیل مولا جس کا مقدر تو جب چاہے چمکا دے۔''

سلمٰی منیب کو باتیں سناتے اب اللہ کے حضور ناشکری کرنا شروع ہو گئیں۔ منیب ان کی باتیں سن کر پریشان ہو گئے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں ایسا ہوا کیا جو سلمٰی نے یوں اچانک رولا ڈال دیا۔

''اچھی بھلی تو گئیں تھیں یہاں سے، نہ جانے کس کی نظر لگ گئی جو یوں بے حال ہو کر لوٹیں ہیں۔'' پریشانی سے ٹہلتے ہوئے سلمٰی کے شکوے سنتے وہ گاہے بگاہے اس پر نظر ڈال کر یہی سوچ جا رہے تھے۔

اگلے کچھ دنوں میں انہیں سارے حقائق کا علم ہو گیا۔ سلمٰی نے اس دن سے نت نئی فرمائشیں

شروع کردیں تھیں اور اگر ان فرمائشوں کو پوری کرنے سے وہ معذوری ظاہر کرتے تو سلمیٰ ایک بار پھر اپنی قسمت کو ڈائریکٹ اور انہیں اِن ڈائریکٹ کوستے اور کہکشاں کی عیاشیوں کو یاد کرتے رونے لگ جاتیں۔ انہوں نے بیوی کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ بڑا ہی غیر متوقع روپ تھا۔ تب ہی ہضم نہیں ہو پا رہا تھا۔ پر اس کا کیا حل نکالیں وہ، سمجھنے سے وہ اب تک قاصر رہیں تھے۔ ان کی گھریلو زندگی سلمیٰ کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے کافی متاثر بھی ہو رہی تھی۔

کچھ کچھ اپنی بیوی کی فطرت سمجھتے وہ ان کے جذبات کو سمجھ رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں اوپر کی آمدنی کا موقع نہیں ملا۔ پر وہ دیانت دار انسان تھے وہ جس کرسی پر بیٹھے تھے روزانہ کئی ایسے مواقع ملتے تھے کہ جن سے فائدہ اٹھاتے تو سلمیٰ کو بھی سونے چاندی میں بھر چکے ہوتے پر ضمیر نے بے ایمانی کی راہ پر چلنا گوارہ نہ کیا۔ اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کے باوجود حق حلال کی کمائی میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ عیاشی بھری زندگی گزارتے۔ اور پہلے کبھی سلمیٰ بھی تو ان سے ایسے نہ لڑیں تھیں۔ سلمیٰ کا ردِعمل بھی فطری تھا۔ ایک زمانے بعد اپنے بچپن کی اُس سہیلی سے ملیں جسے ہمیشہ خود سے کم تر جانتی آئیں تھیں۔ سلمیٰ بنیادی طور پر ایک حسن پرست خاتون تھیں اور انہیں اپنے حسن پر غرور بھی بہت تھا۔ ایسے میں جب کہکشاں معمولی شکل وصورت کی حامل لڑکی کو عرش پر اور خود کو اس کے مقابلے میں فرش پر پایا تو برداشت نہ کر پائیں اور نصیب بنانے والے سے بھی، اور نصیب میں شامل ہونے والے سے بھی ڈھیروں شکایتیں کر بیٹھیں۔ اپنی بیگم کی فطرت اور جذبات کو سمجھتے ہوئے منیب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے

امید کا دیا

سال رواں کے آخری سورج کی کرنیں آنکھوں میں آنسو اور دل میں تڑپ لیے الوداع ہو رہی ہیں۔ وہ دعا کرتی ہیں کہ اے خدا اس ملک کو بربادی سے بچانا، اس دھرتی کو ویرانی سے محفوظ رکھنا۔ اس سال بھی دہشت گردوں کے ہاتھوں سیکڑوں معصوموں اور بے گناہ افراد نے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا پائی۔ کیا گزرتی ہے ان والدین کے دلوں پر جب ان کے سامنے ان کے معصوموں کے جنازے آتے ہیں اور وہ جیتے جی مر جاتے ہیں۔ وہ کیسے جیتے ہوں گے، جن کے گھروں کے چراغ بجھ گئے اور دیکھتے دیکھتے آشیانے جل کر خاک میں مل گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر رات کے بعد صبح کا اجالا ہوتا ہے۔ ہر مایوسی کے بعد امید کا دیا جلتا ہے، ہر زخم بھر جاتا ہے، جب وقت مرہم بنتا ہے، اس لیے اے ہم وطنو! ہمت نہ ہارنا اور قدم سے قدم ملا کر چلنا کیوں کہ نئے سال کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ خدا کرے کہ نیا سال ہم سب کے لیے مسرت وخوشیوں سے بھرا پیغام لے کر آئے۔ ہر دن اور ہر پل دل میں نئی امنگیں اور امیدیں پیدا ہوں۔ قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ نوجوان ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں، اس لیے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ متحد ہو کر ایمانداری اور محنت سے اس ملک کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

گل نسرین، اوکاڑہ

تھے کہ کریں تو اب کیا کریں۔

☆......☆......☆

جس دن کہکشاں اور عمران اس دعوت سے لوٹے تھے اس کے اگلے دن سے ہی عمران کے نئے نویلے کاروبار میں کچھ مسئلہ آ کھڑا ہوا تھا۔ عمران آئے دن کے مسئلوں سے سخت جھنجھلا رہا تھا اور اس کا غصہ اکثر کہکشاں پر ہی نکلتا۔ کہکشاں خود محفل میں عمران کے کاروبار کا بھانڈا پھوڑ کر پریشان تھی۔ اُسے شدت سے اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا کہ کیا ضرورت کہ چند لمحوں کی خوشی کی خاطر سلمٰی کا دل جلانے کی اب اس کی جلن، حسد کہیں اس کی خوشیاں نہ کھا جائے۔ وہ یہ بات بھول بیٹھی تھی کہ بد نظر اپنی جگہ برحق ہے مگر دھوکہ دہی کا کاروبار چاہے کتنا ہی عام کیوں نہ ہو گیا ہو۔ ایک نہ ایک دن اپنے انجام کو ضرور پہنچتا ہے۔

وہ بھی ایک ایسی ہی عام سی صبح تھی جب خاندان بھر سے اس کے گھر کال آنے لگی۔ اور ان کی زبانی جو خبر اس نے سنی، سن کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ عمران کی فیکٹری کو جعل سازی کے الزام میں سیل کر دیا گیا ہے اور پولیس اُسے اپنے ساتھ تھانے لے گئی تھی۔ میڈیا بار بار یہی خبر دکھائے اور سنائے جا رہا تھا۔ زمانے بھر میں ان دونوں میاں بیوی کی خوب جگ ہنسائی ہوئی تھی۔ کہکشاں کے بھائی عمران کو تھانے سے چھڑوانے گئے تھے اور وہ روتی ہوئی گھر میں بیٹھ کر سلمٰی کو کوس رہی تھی۔ جس کی جلن اور حسد نے اس کی خوشیاں کھا گئیں تھیں۔

بڑا المیہ ہے اللہ انسان کو اس کی غلطیوں پر جو سبق سکھاتا ہے کم عقل انسان کچھ سمجھ بیٹھتا ہے اور پھر روتا رہتا ہے۔ کہکشاں کا نصیب اچھا بنایا اللہ نے پر اس سے صبر نہ ہوا شکر نہ ہوا اور لگی عمران کو قائل کرنے میں مزید دولت کمائی جائے۔ یہ دولت کی ہوس تھی جس نے اُسے آج یہاں پہنچا دیا تھا۔ نظر لگنا برحق ہے تب ہی اللہ نے محتاط رہنے کا حکم دیا ہے مگر اس نے جی بھر کر سلمٰی کی کم حیثیت ہونے پر مذاق اڑایا انسان خود اپنا گڑھا کھودتا ہے اور پھر خوشی سے اس میں جا گرتا ہے اور پھر اس کا الزام دوسروں پر ڈال دیتا ہے۔ کہکشاں بھی فی الوقت اپنی بربادی کا ذمہ دار سلمٰی کو ٹھہراتی کوسے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

آج پھر سلمٰی اور منیب کا جھگڑا ہوا تھا۔ منیب بہت دن سے انتظار کر رہا تھا کہ سلمٰی خود سنبھل جائے گی وقتی طور پر جذباتی ہو رہی ہے کچھ دنوں بعد پہلے جیسی ہو جائے گی۔ پر سلمٰی تو جانے کیسی ضد کیے بیٹھی تھی کہ اُسے کہکشاں جیسا نہیں مگر آسائشیں ضرور چاہیے۔ کھٹارا کار کو بیچ کر نئے ماڈل کی گاڑی، گھر کی نئے سرے سے رینوویشن اور اپنے لیے سونے کے کنگن اس کی فوری ڈیمانڈ تھی۔ منیب اس وقت اس کے ایک ہی مطالبے کو پورا کرنے کی پوزیشن میں تھے اور راضی بھی تھے پر سلمٰی کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہ تھی۔ سلمٰی کو یہ تینوں شرطیں یک بیک پوری چاہیے تھیں۔ ان کے خیال سے منیب نے اچھی خاصی رقم جمع کر رکھی تھی پر اپنی کنجوس فطرت کے باعث ان پر خرچ کرنے سے کتراتے تھے۔ اسی بات پر آج صبح ان دونوں میاں بیوی کے بیچ خوب تُو تُو میں میں ہوئی اور منیب غصے کے عالم میں بنا ناشتا کیے آفس کو روانہ ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد سلمٰی ٹی وی لگا کر بیٹھ گئیں۔ تینوں بچے اسکول کے لیے جا چکے تھے تو سکون ہی سکون تھا۔ چینل سرفنگ کے دوران ان کی نگاہیں اچانک ایک منظر پہ ٹھہر گئیں ٹی وی پر جو منظر دکھایا جا رہا تھا۔ اس میں پولیس

عمران کو اپنی کسٹڈی میں لیے تھانے لے کر جا رہی تھی وہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

کتنا واویلا کر رکھا تھا اس نے عمران اور کہکشاں کی عیاشیوں پر۔ اور اب انہیں اس حالت میں دیکھ کر وہ نادم ہوتی جا رہی تھی۔ اسے لگنے لگا اس کی ضد، اس کی حسد، اس کے گلے شکوے کہکشاں کی خوشیوں کو کھا گئے۔ وہ ابھی شرمندہ شرمندہ سی سوچ ہی رہی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور کان سے لگایا تو جو خبر اسے سننے کو ملی اس نے سلمیٰ کے حواس ہی مختل کر دیے۔ منیب کا آفس جاتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اور وہ اس وقت اسپتال میں تھا۔ سلمیٰ کو شدت سے اپنی غلطیوں کا احساس ہونے لگا وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ پر بیٹھ کر رونے کا کیا فائدہ، یہ بات اسے جلد سمجھ میں آ گئی۔ اس نے فون کر کے بھائی کو گھر سے بلایا اور اس کے ساتھ اسپتال پہنچ گئی۔

صد شکر ایکسیڈنٹ شدید نوعیت کا نہیں تھا۔ ہلکی پھلکی چوٹیں آئیں تھیں منیب کو۔ جن کی مرہم پٹی کر کے شام تک اسے ڈسچارج کر دیا گیا۔ سلمیٰ نادم سی منیب کا ہاتھ تھامے اپنے پچھلے رویے کی ان سے معافی مانگ رہی تھی۔ شرمندگی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ آج صبح سے ہونے والے دونوں واقعات نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ منیب نے سلمیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے نرمی سے کہنا شروع کیا۔

''سلمیٰ یہ کہاں کی عقلمندی تھی کہ کسی دوسرے کو عیش و عشرت میں دیکھ کر بندہ اپنا ماتھا بھی پھوڑے اور دوسروں کی خوشیوں پر بھی نظر لگا ڈالے۔ تم نے اللہ کی ذات سے مایوس ہونا کب سے شروع کر دیا۔

اللہ تو بادشاہ ہے سخی بادشاہ۔ وہ تو کہتا ہے جو مانگنا ہے مجھ سے مانگو، میں دوں گا تمہیں، مجھ پر یقین رکھو۔ پھر تم نے کیوں ناشکری کی۔ تمہیں کس نعمت سے اللہ نے نہیں نوازا۔ محبت کرنے والا شوہر، اولاد، اپنا گھر، گاڑی، عزت و مقام دیا۔ اور تم نے بدلے میں کتنی ناشکری دکھائی۔ دوسرے کے نصیبوں کو کوسا کیا کوئی کسی کو خوش دیکھ کر یوں حسد میں مبتلا ہوتا ہے تمہیں کچھ پانے کی چاہ ہے تو اللہ سے مانگ لو۔ پر کسی دوسرے کے لیے شر نہ مانگو۔ جانتی ہو سلمیٰ تمہارے پچھلے رویے نے مجھے کتنی تکلیف میں مبتلا کر رکھا۔ کہکشاں سے ہوئی ایک ملاقات تمہیں یوں بدل ڈالے گی میں نے کبھی سوچا نہ تھا۔

عمران کا یوں پکڑا جانا اور خاندان بھر میں جگ ہنسائی ہونا سلمیٰ کو شدید شرمندگی کا احساس دلا رہا تھا۔

''وہ برائی کی جانب گامزن تھے ان کا انجام تو یہی ہونا تھا۔'' وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولیں تو منیب نے مسکرا کر کہا۔ ''سب جانتی ہو پھر بھی تم مجھے اس بربادی کی راہ پر چلانے پہ تلی ہوئی تھی تم۔'' منیب کی بات پر سلمیٰ روہانسی ہو گئی۔ حسد واقعی اس کی سمجھ بوجھ کو کھا گیا تھا۔ جو وہ اپنے ہی آشیاں کو آگ لگانے چلی تھی۔

''سلمیٰ اللہ کی ذات سے کبھی ناامید نہ ہونا۔ سیدھی راہ چلنے والوں کا سر کبھی نیچا ہوتا ہے نہ عزت پر کوئی آنچ آتی ہے۔ دولت حق حلال سے بھی کمائی جا سکتی ہے۔ بس اللہ کا شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ پریشان کیوں ہوتی ہو ہمارے بچے ہمارا سرمایہ ہیں یہ ہمیں سایہ بھی دیں گے اور پھل بھی۔'' منیب کی بات پر وہ مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگ گئیں۔ وہ اللہ کی حکمت جان گئیں تھیں۔ بعض ٹھوکریں وہ نصیب میں اس لیے رکھتا ہے تا کہ انسان بھٹکنے سے بچ جائے۔

☆☆......☆☆

کولہو کا بیل

"رقیہ بیگم حامی بھرنے سے پہلے مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔ رقم پس انداز کرنا ممکن ہی نہیں ہے گھر والوں کی ضرورتوں اور فرمائشوں کے بعد جو رقم بچتی ہے وہ مہینے بھر کے راشن پہ صرف ہو جاتی ہے اپنی بائیک کا پیٹ بھرنے کے لیے مجھے 'اوور ٹائم' لگانا پڑتا ہے۔ آج عمران......

آج مہینے کی سات تاریخ تھی۔ 7 کا ہندسہ ایک مڈل کلاس فیملی کے لیے کتنی اہمیت کا حامل ہوتا ہے یہ تو کوئی ان سے پوچھے ہر دن' ہر لمحہ ہر ایک تمنا' خواہش اور آرزو کو دبا کر ان کی تکمیل کے لیے ایک مخصوص دن کا انتظار کرنا بہت کٹھن اور دشوار ہونے کے ساتھ ساتھ ازبسکہ لذت انگیز بھی ہوتا ہے اپنوں کی خوشی و انبساط' اپنائیت و خلوص کے چپوؤں سے ہی تو زندگی کی نیا چلتی رہتی ہے۔ گھر والوں کے دمکتے چہرے' فضا میں تحلیل ہوتے قہقہے' لہجوں میں طمانیت...... زیست میں سکون و آرام سے ہی زندگی ایک زندگی کو سہارا دیتی ہے...... کیسے ایک زندگی اپنا جیون دان کرتی ہے کیسے کسی کو ہنستے ہنستے کولہو کا بیل بننے پر اکساتی ہے' کیسے کسی کو ان تھک سعی کے لیے آمادہ کرتی ہے یہ تو اظہر بیگ ہی جانتے ہیں۔

اظہر بیگ ایک ٹیکسٹائل مل میں ملازم تھے۔ ان کی تین اولادیں تھیں۔ بڑا بیٹا عمران بی کام کر رہا تھا۔ چھوٹی بیٹی ماریہ ایف اے میں اور پھر دس سالہ اویس تھا جو 5th کلاس میں پڑھ رہا تھا۔ پچاس کے پیٹے میں تھے لیکن نوجوانوں کو مات دے دیتے تھے نہ صرف وہ روزانہ اپنے حصے کا کام کرتے بلکہ اوور ٹائم بھی لگاتے تھے۔ روزانہ کی بنیاد پر ڈھیر سارا کام کرنا اور پھر گرتی صحت نے ان کی نفس بہتر رقیہ بیگم کو بے چین کر دیا تھا۔ وہ اپنے طور پر انہیں سمجھاتی رہتی تھیں مگر وہ ان کی کسی نصیحت کو' کسی ہدایت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کی زندگی سراپا جدوجہد تھی۔

حسب معمول آج مہینے کی 7 تاریخ تھی اور سب نے اپنی ضروریات' فرمائشیں اور آرزوئیں ان کے گوش گزارنی شروع کر دیں۔

"ابو آج مل والوں سے ایڈوانس لے کر انسٹالمنٹ پر میرے لیے بائیک لے آئیے گا۔ میرے سب دوستوں کے پاس ہے۔ بہت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر ماریہ بھی تو لوکل بسوں کے دھکے کھاتی کالج پہنچتی ہے۔ اگر بائیک آجائے گی تو اُسے بھی سہولت ہو جائے گی

میں اُسے پک اینڈ ڈراپ دے دوں گا۔'' عمران آملیٹ اور بریڈ کا ناشتا کرتے ہوئے بہت روہانسا ہو کر گویا ہوا چونکہ دلیل معقول تھی۔ سو انہوں نے حامی بھر لی تھی عمران بے طرح خوش ہو گیا۔ اس کے چہرے کی چمک' دل کی خوشی دیکھ کر ان کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

اب بھلا اویس کہاں پیچھے رہ سکتا تھا فوراً سے پیشتر ٹھکتے ہوئے بہ عجلت بولا۔

''ابو' مجھے رنگین مارکرز' نیا یونیفارم' نئے شوز اور سائیکل چاہیے۔''

''ٹھیک ہے بابا' مل جائیں گی چیزیں۔'' وہ مسکرائے۔

''اور ابو مجھے ایک خوبصورت سا فینسی کوٹ چاہیے میری فرینڈ کی شادی ہے، پنک کلر میں لے آیئے گا۔'' ماریہ بھی چپکی نہ رہ سکی اور حسب معمول اس کی فرمائش بھی نوٹ کر لی گئی تھی۔

''شام تک سب کی چیزیں بھی آجائیں گی اور پھر ہم سب قریبی ہوٹل میں ہمیشہ کی طرح آج ڈنر کریں گے اور موج مستی کریں گے۔'' اظہر بیگ چہک کر بولے تھے۔

''ہرا!'' ماریہ نے خوشی سے نعرہ لگایا اور عمران اور اویس نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

''آپ کو بھی کچھ چاہیے بیگم تو آپ بھی مانگ لیں مابدولت تیار ہیں۔'' انہوں نے شرارتی لہجے میں اپنی کھٹارا بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے رقیہ بیگم سے پوچھا تھا۔

''مجھے بس ایک سفید رنگ کا لان کا سوٹ چاہیے۔ آپا ثریا کے ہاں اگلے ہفتے میلاد میں جانا ہے۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے برتن اٹھاتی مختصراً بولی تھیں اظہر بیگ سر اثبات میں ہلا کر کام پر چلے گئے۔

☆......☆......☆

شام کو صحن میں نئی موٹر سائیکل کھڑی تھی اویس کے رنگین مارکرز' نیا یونیفارم' نئے شوز' اور سائیکل کے ساتھ ساتھ دو عدد لان کے فینسی اور پلین سوٹ بھی آچکے تھے۔ سب کی خوشیوں کا کوئی

ٹھکانہ نہ تھا۔ رات کا کھانا سب نے ایک قریبی ہوٹل میں کھایا تھا۔

رات گئے تک باہر ہلہ گلہ کرنے کے بعد وہ لوٹے تھے جیسے ہی اظہر بیگ بستر پر دراز ہوئے رقیہ بیگم ان کو دبانے کی غرض سے ان کے پاس آ بیٹھیں۔

''ایک بات کہنی ہے آپ سے۔''

پاؤں دباتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی تھیں۔

''کہو۔'' وہ سیدھے ہو بیٹھے۔

میں نے یہ کہنا ہے کہ اگلے مہینے سے تنخواہ سے چھ ہزار الگ سے مجھے دینے ہیں باجی ثریا چھ ہزار سے پورے دو لاکھ کی کمیٹی ڈال رہی ہیں۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا تو میں نے حامی بھر لی یہ سوچ کر کے ابھی سے ماریہ کا جہیز بنانا شروع کروں گی تو کچھ ہوگا ورنہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھنے والی مہنگائی جہیز کہاں بن پائے گا۔

اتنا سننا تھا کہ ان کے چہرے پر تفکرات کے سائے پھیلنے لگے پھر کمرے کے سناٹے میں ان کی آواز گونجی۔

''رقیہ بیگم حامی بھرنے سے پہلے مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔ رقم پس انداز کرنا ممکن ہی نہیں ہے گھر والوں کی ضرورتوں اور فرمائشوں کے بعد جو رقم بچتی ہے وہ مہینے بھر کے راشن پہ صرف ہو جاتی ہے اپنی بائیک کا پیٹ بھرنے کے لیے مجھے 'اوور ٹائم' لگانا پڑتا ہے۔ آج عمران کی بائیک بھی انسٹالمنٹ پہ لے آیا ہوں وہ الگ مسئلہ ہے پھر سے یہ چھ ہزار......؟ یہ چھ ہزار کہاں سے آئیں گے......؟

حد درجہ پریشانی سے انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ مگر رقیہ بیگم اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔

''میں کچھ نہیں جانتی جیسے بھی ہو کام کرنا ہے۔'' زندگی میں پہلی بار وہ اپنی ضد پر اڑی تھیں۔ اظہر بیگ کو دکھ سا ہوا رقیہ بیگم کے منہ سے یہ سن کر مگر انہوں نے طبیعت فراخدلانہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر حامی بھر لی تھی اور آئندہ چند دنوں میں ان کے گھر سے تیسری گلی میں انہیں چار بچوں کی ہوم ٹیوشن مل گئی تھی۔ محلہ داروں نے اس کام میں ان کی بھرپور مدد کی۔

☆......☆......☆

اظہر بیگ نے رقیہ بیگم کی بات مانتے ہوئے چار بچوں کی ہوم ٹیوشن تو لے لی تھی مگر پہلے کی طرح وہ اوور ٹائم لگا کر گھر شام سات بجے نہیں لوٹ پا رہے تھے بلکہ اب 9 بجے ہی گھر کے درشن ہوتے تھے۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ شاداں و فرحاں تھے لیکن بہت زیادہ کام ان کی صحت روز بہ روز بگڑتی جا رہی تھی۔ حالانکہ ڈاکٹرز نے انہیں زیادہ کام کاج کرنے سے منع کیا ہوا تھا اس کے باوجود وہ محنت سے جی نہ چراتے تھے۔

ایک دن گھر لوٹتے ہی ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ رقیہ بیگم اور عمران ان کو فوراً لے کر قریبی ہوسپٹل آ گئے۔ تمام میڈیکل چیک اپ کی رپورٹس کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر نے یہ خبر سنائی کہ اظہر بیگ کو ہیپاٹائٹس کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اس خبر نے رقیہ بیگم اور گھر والوں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی ان پر جو بیتی سو بیتی اظہر بیگ پہ تو ایک قیامت ٹوٹ گئی تھی۔

ابھی تو انہوں نے اپنی فیملی کے ڈھیر سارے سپنے پورے کرنے تھے......ابھی تو انہوں نے اپنے بچوں کو اسٹیبلش کرنا تھا......ابھی تو انہوں نے زندگی کا ایک لمبا سفر طے کرنا تھا......تو پھر یہ

کیا؟
زندگی زندگی سے اتنی جلدی کیسے ہار سکتی تھی؟
آرام......
پرہیز......
اور اتنا لمبا اور مہنگا علاج......
بہت سے سوالات ناگ کی مانند پھن پھیلائے ان کے گرد گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے تھے۔
کوئی بھی رقم تو پس انداز نہ تھی۔ لگی بندھی تنخواہ جو کے مہینے کے آخر تک ختم ہو جاتی تھی۔ پراپرٹی میں لے دے کے فقط ایک مکان ہی ان کی ذاتی ملکیت تھی جس میں وہ رہائش پزیر تھے۔
سوچوں کی یلغار نے انہیں ادھ موا کر ڈالا تھا۔ اگرچہ گھر والوں نے انہیں بھرپور حوصلہ دیا تھا مگر حوصلے سے پیٹ نہیں بھرا کرتا۔
رقیہ بیگم کے پاس ایک پرانا گولڈ کا سیٹ پڑا ہوا تھا انہوں نے علاج کی غرض سے فوراً بیچ ڈالا۔ وہ اچھے داموں فروخت ہو گیا تھا۔ سو چند دن اچھا علاج ہوتا رہا' اظہر بیگ ہوسپٹل میں ایڈمٹ رہے۔ کچھ دن بعد جب طبیعت سنبھلی تو وہ دوبارہ سب کے منع کرنے کے باوجود مل جانے لگے۔ ان کے اندر کے 'کولہو کے بیل' نے انہیں آرام نہ کرنے دیا۔ بس اتنا ہوا کہ انہوں نے ہوم ٹیوشن چھوڑ دی تھی۔
حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے رقیہ بیگم نے نہ صرف سلائی کڑھائی شروع کر دی بلکہ گھر میں ایک سلائی سینٹر بھی کھول لیا جس سے گزر اوقات ہونے لگی۔
اب وقت نے ایسی کروٹ لی کہ اظہر بیگ کے دل کی تمنا بارآور نہ ہو پائی تھی وہی ایک تمنا، ایک خواہش......ایک ارمان کہ وہ اپنی فیملی کو خوشی وانبساط کے لبادے میں لپٹا ہوا دیکھیں کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی آدھی سے زیادہ تنخواہ تو میڈیسن پر خرچ ہو جاتی ہے اور جو باقی بچتی ہے اس کا بھی زیادہ حصہ ان کی خوراک' میڈیسن پر خرچ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات تو ایک روپیہ تک نہیں بچ پاتا۔
رفتہ رفتہ یوں ہونے لگا کہ وہی فیملی جن کے روشن چہروں کے لیے جن کی ایک مسکراہٹ کے لیے جن کی زندگی سے بھرپور قہقہوں کے لیے وہ کولہو کے بیل بنے ہوئے تھے وہی اب ان سے کھچے کھچے رہنے لگے۔ رقیہ بیگم بھی بہت سنجیدہ اور چڑچڑی سی رہنے لگی تھیں۔ غربت کے سائے کیا گھرے ہوئے کہ گھر بار کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ تین بچے' بچوں کی ڈھیروں ضروریات اور ایک بیمار شوہر......رقیہ بیگم کی زندگی بوکھلا کر رہ گئی تھی کوئی بھی گھر میں بات ہوتی تو وہ مخاطب کو کاٹنے دوڑتیں۔
مشینوں کی کھٹا کھٹ نے ان کے دل سے ہر شے کے احساس کو ختم کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ عالم پریشانی میں آج کل ایک نئی نہج پہ سوچنے لگی۔ دن رات یہی وسوسے ان کے دل میں اجاگر ہوتے کہ اگر گھر سے بیماری ختم ہو جائے تو اس سلائی کی کمائی تو بچ ہی سکتی ہے۔ اگر وجود بوجھ کی صورت معلق ہو تو اسے اتار دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔
کبھی یہ خیالات ان کے اندر ادھم مچاتے۔
اے میرے رب تو اس بیماری کو دور کر دے یا پھر......؟
پیٹ کی بھوک کتنی ظالم شے ہوتی ہے جو ہمارے بہت پیارے اور حقیقی رشتوں کے احساس کو بھی کچل کر رکھ دیتی ہے۔ رقیہ بیگم کو اظہر بیگ نے اپنی بساط کے مطابق ہمیشہ خوش رکھا تھا۔ وہ تو فیملی پر اپنی جان چھڑکتے تھے کم تو رقیہ

بیگم بھی نہ رہیں تھیں مگر اب ایک طرف بچوں کی بھوک تھی ان کی ضرورتیں تھیں...... اسٹڈی کا اژدھام تھا تو دوسری طرف ایک بوجھ...... ایک سسکتی تڑپتی زندگی کو مزید سسکانے والا مزید......
انہیں اس وقت سے ڈر لگنے لگا جب یہ گھر بھی ان سے چھن جاتا......
کیونکہ یہ بیماری ان کی زندگیوں سے امر بیل کی مانند لپٹی جا رہی تھی۔ ان کی ضرورتوں تک کو دیمک لگ رہی تھی۔ اظہر بیگ اب بستر پر ہی دراز ہو گئے تھے۔
ہر لمحہ ہر پل ماتم سرا تھا۔
کیا ہو کہ اگر وہ خوراک کی مقدار کو دو گنا کر دیں......؟ یا خوراک دے ہی نہ پائیں۔
کیا ایسے کچھ جانیں بچ جائیں گی؟ کیا یہ سودا سستا تو نہیں تھا......؟''
اندر سے متواتر اظہر بیگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کی خوراک کا وقت ہو چکا تھا۔ رقیہ بیگم نے ایک جھرجھری سی لی۔
وہ لمحوں کا سفر صدیوں میں طے کر کے ان کے کمرے میں پہنچیں۔ ان کے چہرے پر حسرتوں کا ہجوم' آنکھوں میں ویرانی' ہونٹوں پہ ڈھیروں شکوے اور چال میں اضطراب اور صدیوں کی تھکن تھی۔
ان کی نظر میں کچھ ایسی بے رُخی تھی کہ اظہر بیگ سہہ نہ سکے اور پھر رقیہ بیگم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑا اور ان کی زندگی بیماری کے بوجھ سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئی تھی۔
اب کہیں کوئی دیمک نہیں تھی......
کہیں کسی کے کھانسنے کی آواز نہ تھی......
کہیں کسی میڈیسن کی ضرورت نہ تھی......
اظہر بیگ اس دنیا سے منہ موڑ گئے تھے......

☆......☆......☆

گھر میں رکھی جانے والی ہر چیز سے انسیت سی ہو جاتی ہے خواہ وہ بیری کا درخت ہی کیوں نہ ہو۔
بیری کے درخت کو بھی اگر کاٹ دیا جائے تو چند دن اس کا بھی سوگ منایا جاتا ہے اور یہاں تو معاملہ ایک جیتے جاگتے انسان کا تھا جو سب کی خوشیوں کا ضامن تھا' جو فیملی کے لیے کولہو کا بیل بنا ہوا تھا۔ جس نے ہر پل فیملی کی خوشی کو مقدم جانا تھا اور اب وہ منوں مٹی تلے تھا۔
رقیہ بیگم اور تینوں بچے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔
پتا نہیں اظہر بیگ کی موت پر یا پھر اپنے رویوں پر۔
بہر حال انہیں سپردخاک کر دیا گیا۔
قرآن خوانی ہوئی۔
دیگیں پکیں۔
لوگ تعزیت کے لیے آئے اور چلے گئے۔
رقیہ بیگم کے رُو رُو کر برا حال تھا۔ کچھ بھی ہوا وہ ان کے سر کا سائیں اور سائبان تھا۔
تعزیت کے لیے آنے والی ایک خاتون نے جب انہیں اس طرح بے حال دیکھا تو ان کے آنسو پونچھتے ہوئے ان کی بے آسرا سوچوں کو ایک نئی دکھا دی تھی۔ جوان کے بڑے بیٹے عمران پر جا کر ختم ہوئی تھی۔
رقیہ بیگم کے آنسو تھم گئے۔ چہرے پر سکون اطمنانیت آ ٹھہری۔ ایک حوصلہ ایک اُمید رگ و پے میں دوڑ گئی۔
انہیں یوں لگا جیسے کسی سائباں نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا ہو۔
جیسے زندگی ریگستان سے نخلستان میں تبدیل

ہو جائے۔ لوگوں کے درمیان بیٹھے اپنے بیٹے کو انہوں نے بہت پرشوق اپنائیت اور گہری نظروں سے تاکا تھا۔ اس کا چھ فٹ قد، چوڑے، مضبوط شانے اب یہ بوجھ اٹھا سکتے تھے۔

اس زیست کو چلا سکتے تھے۔۔

سو گزرے کے دنوں میں رقیہ بیگم کا سارا پیار، ساری توجہ، سارے التفات، ساری عنایتیں، نوازشیں عمران کے حصے میں آ گئی تھیں۔

اب اُسے اس گھر کے لیے کولہو کا بیل جو بننا تھا۔

عمران کی عادتوں اور حرکات سے وہ بخوبی واقف تھیں اب وہ اس کی نفسیات بھی باریک بینی سے جانچنے لگی تھیں۔

کسی رشتہ دار کی وساطت سے رقیہ بیگم کی دعاؤں کو قبولیت نصیب ہوئی۔

دعائیں بامراد ہوئیں...... مستجاب ہوئیں اور عمران کو ایک بہت اچھے کالج میں بطور لیکچرار جاب مل گئی حالانکہ وہ صرف B.com تھا مگر کالج کو جز وقتی لیکچرار کی ضرورت تھی سو اُسے رکھ لیا گیا۔

نیاز دلوائی گئی، شیرنی تقسیم ہوئی، محفلیں کروائی گئیں، آنکھیں پھر سے روشن خواب دیکھنے لگیں۔

زندگی نے دھنک رنگ اوڑھ لیے۔ شگوفے پھر سے چٹکنے کو بے تاب ہو گئے۔ خوشیوں نے دیر بعد ہی سہی مگر اس گھر کا رستہ پھر دیکھ لیا تھا۔

آج مہینے کی سات تاریخ تھی۔ عمران کو آج ہی سیلری ملنا تھی۔ آج کا دن فرمائشوں کا دن تھا، ضرورتوں کو سہارا ملنا تھا۔ تمناؤں کو ٹھکانہ ملنا تھا۔ ڈنر باہر کرنا تھا۔ ''بھائی مجھے نیو بیگ چاہیے۔''

عمران آئینے میں خود کا جائزہ لے رہا تھا کہ اویس نے فرمائش کہہ ڈالی۔

''اور بھائی مجھے دو عدد لان کے سوٹ اور ایک کڑھائی والی بلیک چادر چاہیے۔''

ٹی وی لاؤنج کے ایک کونے سے ماریہ کی آواز ابھری۔

''اور ہاں مجھ سے گھر بار کی مہینہ بھر کی راشن کی لسٹ ضرور لے جانا۔'' رقیہ بیگم نے دُلار سے کہا تھا۔

''امی! آپ اپنے سلائی سینٹر سے ضروریات زندگی پہلے بھی پورا کرتی تھیں تو اب کیوں نہیں......؟ میں اپنی تنخواہ ان فضولیات میں نہیں جھونک سکتا لو بتاؤ بھلا بندہ پورا مہینہ اپنی جان جوکھوں میں ڈالے رکھے اور جب پھل کھانے کا ٹائم آئے تو دوسروں کی جھولی میں ڈال دے۔ مجھے ابھی اور پڑھنا ہے اور اپنا مستقبل بنانا ہے اگر میں ضروریات زندگی نبھانے تک محدود رہ گیا تو میرے خوابوں کو کہیں پناہ نہ ملے گی اور اگر خواب نہ رہے تو میری ہستی کہاں رہے گی۔''

عمران نے بے حد رکھائی سے کہا تھا رقیہ بیگم پہ تو ساتوں آسمان آ گرے تھے۔

بلبلیں چہکنا بھول گئیں اور ہواؤں نے دم سادھ لیا تھا۔ ان کے کولہو کے بیل نے تو فی الفور رسے تڑوا لیے تھے۔

رقیہ بیگم کو بہت جلد شوہر اور بیٹے کا فرق معلوم ہو گیا تھا۔ ان کی آنکھوں کی پتلیوں میں حیرت گڑ گئی تھی۔

عمران کی بائیک دھواں اڑاتی اپنی منزل کی جانب گامزن تھی اس بات سے بے خبر کے اس کے دھویں میں کتنے لوگوں کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

☆☆......☆☆

افسانہ

تحسین انجم انصاری

نصیب کے مذاق

وہ لڑکا مایوس سا اس پارک کے پاس فٹ پاتھ پر چلنے لگا اور عین اس بینچ کے پاس اس کی جیب سے کچھ گرا۔ میں پیچھے پیچھے تھا، اور مجھے معلوم تھا وہ کیا ہے، وہ تھوڑی آگے گیا تو میں نے وہ چیز اٹھالی، وہ تہہ کیا ہوا ہی بانڈ تھا۔ شاید اُس کی جیب میں سوراخ تھا۔ میں نے کھول کر......

دس سالہ اصغر لاؤنج میں فٹ بال کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہا تھا۔ کبھی ہاتھوں میں گھماتا اور کبھی زمین پہ رکھ کر پاؤں سے مختلف کرتب دکھاتا...... کھیلنے کی اجازت نہ تھی کہ لاؤنج میں سجی چیزیں ٹوٹ سکتی ہیں۔ ویسے اس کے خیال میں اس پھٹیچر سے لاؤنج میں ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔ جس کے ٹوٹنے کا اصغر کے خیال میں کوئی ملال ہو سکتا تھا۔ لیکن امی کا حکم تھا آج ہلکے بخار کی وجہ سے اس نے اسکول کی چھٹی کی تھی۔ اس وجہ سے باہر جا کر بال سے کھیلنے پر پابندی تھی...... ورنہ امی تو ایک روپیہ روزانہ دیتی تھیں، آج وہ بھی نہیں ملتا۔ تبھی پڑوسن جمیلہ آنٹی جلدی میں اندر آئیں۔

''امی کہاں ہیں اصغر......؟ اور تم اسکول نہیں گئے......؟

''بخار ہے...... وہ بے دلی سے بولا...... تبھی اندر امی اندر سے نمودار ہوئیں۔ ''اوہ یہ تم ہو جمیلہ کمیٹی کی رقم لے آئیں......؟''

''کہاں رضیہ...... آج کل ہاتھ بہت تنگ ہے۔ فضل کے ابا نے صاف منع کر دیا۔

''تو پھر......؟ رضیہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ تمہیں پتا ہے چار پانچ دن رہ گئے ہیں۔ یکم کو تو قرعہ اندازی ہوتی ہے۔''

تم فکر نہ کرو۔ پیسوں کی جگہ میں یہ تین ہزار کے بانڈ لے آئی ہوں۔ تم تین چار دن ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لو۔ اللہ نے چاہا تو میں کسی طرح رقم کا بندوبست کر کے بانڈ چھڑوا لوں گی۔ فضل کے ابا سے چھپا کر لائی ہوں۔

''لیکن میں بانڈز کا کیا کروں گی...... انہیں کون لے گا؟''

بانڈ بھی تو پیسے ہوتے ہیں۔ کہیں سے بھی آسانی سے کیش کروائے جا سکتے ہیں۔ اب اتنی بے اعتباری تو نہ کرو۔ برا وقت سب پہ آتا ہے۔

''تم کہتی ہو تو رکھ لیتی ہوں...... لیکن یاد رکھنا اگر مقررہ وقت پر رقم نہ ملی تو پھر میں بانڈ ہی کمیٹی میں دے دوں گی۔'' رضیہ نے باور کروایا۔

''کوئی بات نہیں...... فضل کے ابا کا تو بہانہ

تھا۔ میں نے خود ہی پائی پائی رقم جوڑ کر خریدے ہیں...... کہ شاید کبھی ہماری بھی لاٹری لگ جائے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

"اچھا میں چلتی ہوں...... سارا کام پڑا ہے۔"

جمیلہ آنٹی نکل گئیں تو امی اندر کمرے میں گئیں اور بانڈ جلدی سے الماری میں کپڑوں کے نیچے گھسا کر کچن کی طرف بھاگیں...... اصغر وہیں کھڑا الماری کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید کشمکش میں تھا۔ آخر اِدھر اُدھر دیکھ کر الماری کی طرف بڑھا۔ کپڑے اوپر کیے اور ایک بانڈ کھینچ کر ہاتھ میں دبایا...... اور چوری کر کے گھر سے نکل گیا۔ گلی کے کونے میں نظریں بچا کر چھپ کر دیکھا تو پچاس روپے والا بانڈ تھا۔ اور یہ سوچ کر وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا کہ اتنی رقم سے وہ کیا کچھ کھا پی سکتا ہے۔ جس کے بس خواب ہی دیکھا کرتا تھا۔ یہ سوچتا ہوا وہ ایک شاندار بیکری میں داخل ہو گیا۔

لیکن اُس کی امیدوں کے برعکس وہ کہیں سے کچھ نہ خرید سکا کیونکہ بانڈ لینے کے لیے کوئی تیار نہ ہوا۔ سب کو نقد رقم چاہیے تھی۔ وہ مایوس ہو کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ کتنی دیر بے کار گھومنے کے بعد گھر جانے کا قصد کیا۔ بانڈ واپس رکھنا بھی ایک مرحلہ تھا۔ اُسے بار بار یہی خدشہ ستا رہا تھا کہ اگر امی نے پہلے بانڈ چیک کر لیے تو کیا ہوگا۔ اس کے اتنی دیر گھر سے غائب رہنے پہ یقیناً اُسی پر شک جائے گا۔ کیونکہ پہلے بھی چھوٹی موٹی رقم چرانے پہ پکڑا گیا تھا۔ وہ چار چوٹ کی مار کھا کر اس کا کیا حال ہوتا تھا...... سوچ کر ہی سہم گیا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ امی ابھی تک کچن میں مصروف تھیں۔ وہ اندر آیا اور جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا...... اور پھر دھک سے رہ گیا۔ دل ایکدم بیٹھ گیا۔ اُسے پتا
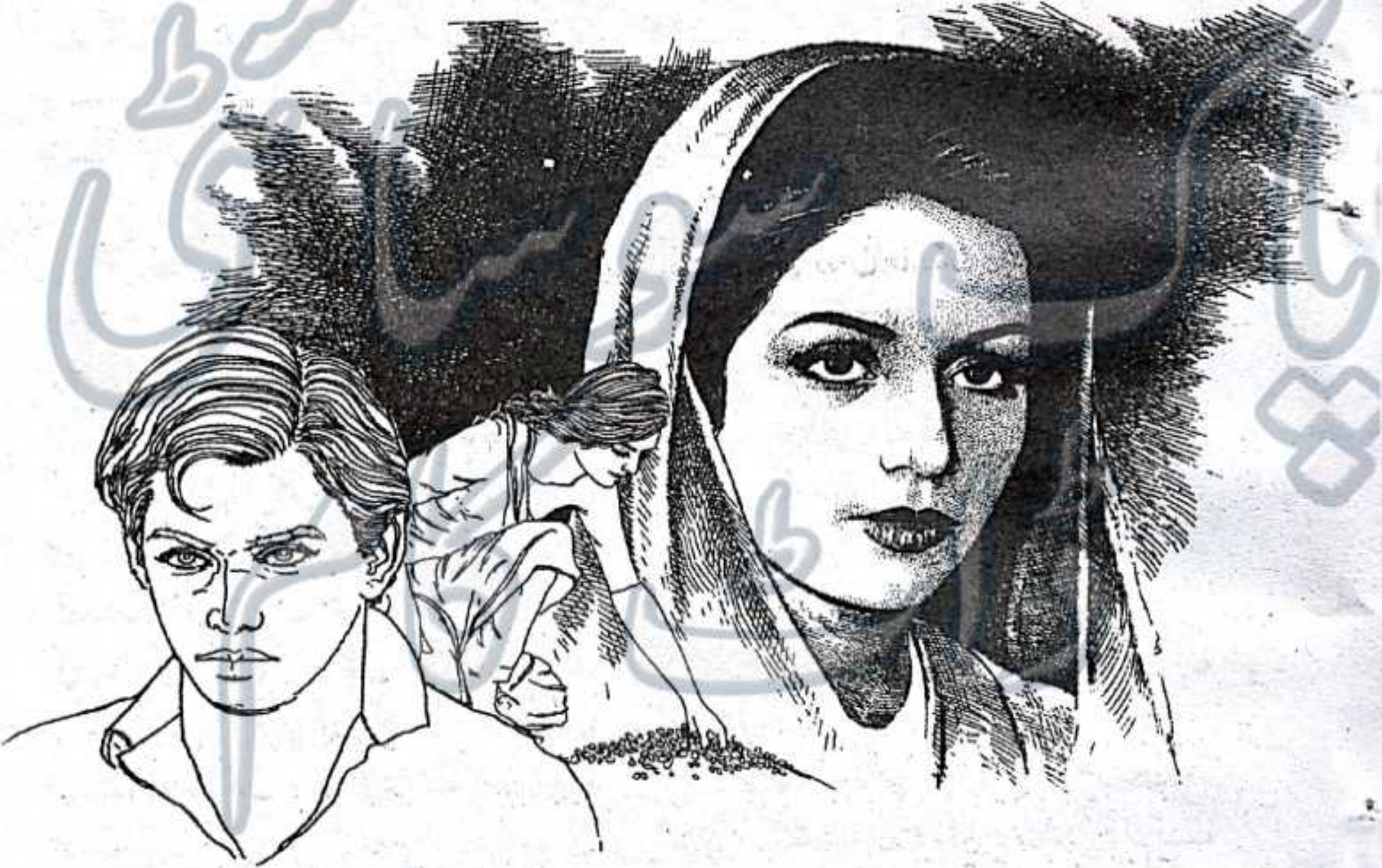
تھا پتلون کی جیب میں سوراخ ہے جو خاصا بڑا ہو چکا تھا...... اس نے دل میں سوچا بھی تھا کہ پتلون کی جیب میں کچھ نہیں ڈالے گا۔ یاد رکھے گا کہ وہ پھٹی ہوئی ہے۔ لیکن گھبراہٹ اور مایوسی اور ڈر میں بھول گیا۔ تہہ کیا ہوا بانڈ نہ جانے کہاں گر گیا تھا۔ جو واپس جا کر ڈھونڈنے کے باوجود بھی نہ مل سکا۔ وہ سارا دن نڈھال سا سڑکوں پر پھرتا رہا اُسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گھر واپس کیسے جائے......؟ جائے یا نہ جائے......؟ اور اگر نہ جائے تو کہاں جائے......؟''

☆......☆......☆

شہر کے سب سے پوش علاقے میں ہزار گز پہ بنا وہ خوبصورت گھر پوری آن بان سے کھڑا تھا۔ خوبصورت لان رنگا رنگ دلفریب پھول اور گہری سبز گھاس اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہی تھی۔ اندر وسیع وعریض قیمتی اشیاء اور ڈیکوریشن پیسز سے سجے ڈرائنگ روم میں دو نفوس محو گفتگو تھے۔ سامنے کرسٹل کے ٹیبل پہ قیمتی اور نفیس چائنا کی پیالیوں میں بہترین کافی اور ڈرائی فروٹ رکھے تھے۔ جو دونوں کبھی کبھی اٹھا کر منہ میں ڈالتے اور پھر کافی کے سِپ سے لطف اندوز ہوتے۔''

''پچیس سال...... پورے پچیس سال بعد ہم دونوں دوست ملے ہیں۔ مہمان کاشف کی پُرسوچ نگاہیں میزبان افروز کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

ان پچیس سالوں میں تم زمین سے آسمان پر آ گئے...... کہاں رہ گیا وہ افروز جو اپنی دادی سے نظریں بچا کر ان کی رقم یوں اڑاتا تھا کہ دادی کو پتہ ہی نہ چلتا تھا۔''

''پتا کیسے چلتا......؟ ہاتھ کی صفائی بھی آخر کوئی چیز ہے...... اور میں تو بچپن سے ماہر رہا ہوں ان کاموں میں......'' افروز کے چہرے پہ فکر کے ساتھ ساتھ غرور بھی تھا۔'' ان کاموں میں ......کاشف نے زیرلب دہرایا۔ ٹھیک کہتے ہو تم یار تم نے تو اپنے ماں باپ تک کو ہوا لگنے نہیں دی۔ وہ تمہیں ہمیشہ معصوم ہی سمجھتے رہے۔''

افروز نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا اور کاشف کے کندھے پہ ہاتھ مارا۔

''تم جانتے ہو میں ہاتھ کی صفائی میں پرفیکٹ ہونے کے علاوہ بہترین ایکٹر بھی تھا۔

اسکول کالج میں ڈراموں میں لیڈنگ رول کرتا تھا۔ پھر دادی اور اماں ابا کو کیسے پتا چلتا۔ دادی تو اپنی دولت پہ سانپ کی طرح بیٹھی رہتی تھیں۔ آخری عمر میں انہیں یہی ڈر تھا کہ کوئی ان سے سب کچھ چھین لے گا۔ دن میں کوئی بیس بار تکیے کے نیچے سے اپنا بٹوا نکالتیں اور پیسے گنتی تھیں۔ اور ہر بار واویلا مچاتی تھیں کہ میرے پیسے چوری ہو رہے ہیں۔

''تو یہ غلط تو نہیں تھا......'' کاشف نے معنی خیز نظروں سے اُسے دیکھا۔

''ہاں ...... لیکن میری معصوم صورت اور حیران آنکھیں اماں اور ابا کو ہمیشہ دھوکہ دے جاتی تھیں...... وہ دل میں یہی سمجھتے ہوں گے کہ بڑھیا سٹھیا گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ماں تھی...... الفاظ زبان پہ نہیں لاتے تھے۔''

اس نے جیب سے طلائی سگار کیس نکالا ایک سلگا کر ہونٹوں میں لگایا اور پھر کیس کاشف کے سامنے کر دیا۔ اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''میں نہیں پیتا......''

''شوق نہیں یا گنجائش نہیں......''

کاشف کو محسوس ہوا کہ اُس کی آنکھوں میں معمولی

سے طنز کی جھلک تھی۔ اُسے جانے کیوں افسوس ہوا۔ اپنی معمولی حیثیت نے دل میں کسک سی پیدا کردی۔

تم نے تو اپنے ماں باپ کو بھی نہیں چھوڑا۔ شاید بدلہ لینے کی خواہش یہ جملہ کاشف کی زبان پہ لے آئی۔ افروز برا ماننے کے بجائے ہنس پڑا۔

''وہ دونوں کون سا کم تھے۔ پیسہ جیب سے نکالتے جان جاتی تھی ان کی۔ پھر مجھے روپے حاصل کرنے کے لیے کچھ تو کرنا تھا۔ کام چور میں ہمیشہ سے ہوں۔ کچھ کرنے کو بھی دل نہیں چاہا۔ محنت سے مجھے نفرت تھی۔ آرام طلب بھی جی بھر کے تھا۔ پاس بھی مشکل سے ہوتا تھا...... تم تو سب جانتے ہو......''

''ہاں میں سب جانتا ہوں...... سونے پہ سہاگہ یہ کہ تم عشق میں گرفتار ہوگئے۔''

''ہاں دل پہ زور نہیں چلا ورنہ نیلم سے کبھی عشق نہ کرتا۔ بڑا ٹارگٹ تو عنبرین تھی، وہ دولت مند مغرور حسینہ...... اُسے پھانسنا چاہتا تھا لیکن نیلم کی محبت میں پھنستا چلا گیا۔ اُسے دیکھتے ہی دل زور سے دھڑکنا شروع کرتا...... اور پھر اس کی طلب بڑھتی گئی وہ تو اماں کو بھی پسند آگئی۔ ورنہ مصیبت ہو جاتی۔ بس اسی میدان میں ناکام ہوا۔''

''ناکام......؟ لیکن نیلم بھابی سے شادی تو ہو گئی تھی تمہاری......؟

ارے سمجھا کرو یار میرا مطلب ہے میں تو عنبرین کو پھانسنا چاہتا تھا۔ لیکن قدرت کو شاید منظور ہی نہ تھا۔ اس کی بے پناہ دولت میرے نصیب میں نہیں تھی۔

''چلو دولت تو آخر تمہیں مل ہی گئی نا...... تمہاری ساری حسرتیں پوری ہوگئیں۔ جو چاہتے تھے مل گیا اور ساتھ ساتھ نیلم بھابی کی محبت سے بھی ہاتھ نہیں دھونے پڑے۔ بڑے خوش ہو یار۔

وہ تو ہوں...... اب تم میرے ساتھ موازنہ نہ کرو۔ ہم دونوں ہم عمر ہیں لیکن تم مجھ سے دس سال بڑے لگتے ہو۔ میں پچاس سال کا ہوں لیکن اپنی عمر سے کہیں کم دکھائی دیتا ہوں۔ یہ سب دولت کی آسودگی کی وجہ سے ہے۔ آج میرے پاس کیا نہیں ہے۔ خوبصورت بیوی، دو پیارے بچے، بائیس سال کی بیٹی ہے...... جو میڈیکل کی طالبہ ہے۔ سولہ سال کا بیٹا ہے اُسے ایک دو سالوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھیجوں گا...... اور کیا چاہیے مجھے......؟''

ایک بات پوچھوں......؟

''کبھی تم نے اس دولت سے غریبوں کے لیے صدقہ نکالا ہے۔ کبھی کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کی ہے۔ کوئی رقم فلاحی کام کے لیے دی ہے......؟''

''ہونہہ ربش...... اس کے چہرے پہ نخوت اور غرور کے باعث تیوریاں پڑ گئیں۔ جس نے اس کے نقوش کو انتہائی بدصورت بنا دیا۔ کاشف ٹھٹھک گیا۔

''مجھے یہ دولت اس لیے نہیں ملی کہ میں خیرات کرتا پھروں...... یہ خدا نے میری تقدیر میں لکھ دی تھی۔ ورنہ مجھے کیوں ملتی۔ مجھے نفرت ہے ان غریبوں سے، ان فقیروں سے جو ہر ٹریفک لائٹ پر گاڑی رکتے ہی ہاتھ پھیلا کر سامنے آجاتے ہیں غلیظ اور گندے لوگ۔ بدبو کے بھبکے اڑتے ہیں ان کے لباس سے۔ میرا بس چلے تو شوٹ کردوں ان کو۔ غصے سے اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔ اس نے خود پہ قابو پایا اور پھر رحم بھری

نظروں سے کاشف کی طرف دیکھا۔
''ہاں..... تم دوست ہو میرے..... اگر تمہیں مدد کی کوئی ضرورت ہو تو.....؟
''نہیں، نہیں'' کاشف نے ایکدم ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ میں خوش ہوں اپنے حال میں سکون اور اطمینان کی دولت ہے میرے پاس۔ محبت کرنے والی بیوی، فرمانبردار اور تمیز دار بچے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔ تم میری فکر نہ کرو.....'' دونوں کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر کاشف بولا۔
''بس ایک سوال ہے جو مسلسل دماغ کو تنگ کر رہا ہے.....''
''وہ کیا.....؟''
تم اتنے کام چور تھے۔ محنت سے تو تمہارا جی نہیں اٹھا تھا۔ پھر اتنی دولت.....؟ کیا کسی مال دار رشتے دار نے وراثت چھوڑ دی تمہارے لیے.....؟
''وراثت.....؟ وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا اور پھر کڑوے لہجے میں بولا۔ یہ اُلو کے پٹھے رشتے دار کسی کا بھلا کیوں چاہیں گے.....؟''
ابھی وہ بات کے درمیان میں تھا کہ بائیس سال کی ایک خوبصورت ماڈرن لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس نے سکن ٹائٹ شرٹ اور ویسی ہی جینز پہن رکھی تھی۔
اوہ ہائے انکل..... ڈیڈ..... میں جا رہی ہوں۔ رات کو دیر ہو جائے گی۔ میں فراز کے ساتھ مووی پہ جا رہی ہوں۔ اس کے بعد پرل کانٹینٹل میں ڈنر کے لیے جاؤں گی۔ یو نو آج اُس کی برتھ ڈے ہے اس کے بعد ہم اُس کے گھر جائیں گے اس لیے۔
''شہلا..... میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ فراز تمہارے لیے سوٹ ایبل لڑکا نہیں ہے وہ ہمارے سٹیٹس سے.....
شہلا نے درمیان میں بے پرواہی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔
''اوہ ڈونٹ بی اے مڈل کلاس میں ڈیڈ..... آپ کچھ بھی کہیں..... آئی رئیلی لو ہم.....'' وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی۔ افروز نے ٹھنڈی سانس بھری۔
''اس اُلو کے پٹھے فراز کا کچھ کرنا ہی پڑے گا۔'' اس نے کافی کا آخری گھونٹ بھر کر کپ زور سے میز پر رکھا تو نیلم کھٹ کھٹ کرتی آ گئی۔ ہائی ہیل اور سنہری بارڈر والی بھاری ساڑھی میں میک اپ سے لیس وہ اس نیلم سے کتنی مختلف تھی، جو کبھی بہت سادہ بہت معصوم ہوتی تھی۔
''ڈارلنگ..... کاشف کو اچھی طرح انٹرٹین کرنا..... اور سنو شہروز اپنے دوستوں کے ساتھ کلب میں پارٹی پہ جا رہا ہے۔ اور میں آف کورس برج پارٹی میں مصروف ہوں گی صبح ملاقات ہو گی۔''
وہ مسکراہٹیں بکھیرتی..... نزاکت سے ہاتھ ہلاتی کسی ٹین ایجر کی طرح ایکٹ کرتی چلی گئی..... افروز ہلتے پردے کو دیکھ رہا تھا۔
کاشف نے اپنا سوال دہرایا۔ وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔
تم جاننا چاہتے ہو یہ دولت کہاں سے آئی ہے..... چلو آج میں تمہیں ایک خاص جگہ لے جاتا ہوں۔ وہاں تمہیں پوری کہانی سناؤں گا۔''
''لیکن یہیں سنا دیتے تو زیادہ بہتر تھا..... میں باہر جانے کے موڈ میں نہیں ہوں.....''
''لیکن مجھے تو ہر حال میں جانا ہے آج سے پچیس سال پہلے جہاں میری قسمت بدلی تھی۔ میں ہر سال وہاں جاتا ہوں..... ایک قسم کا یہ میرا نیا جنم

تھا...... اور اُسے منانے کے لیے اس جگہ سے بہتر کون سی جگہ ہوگی جہاں وہ جنم ہوا......''

''وہ کچھ دیر ٹھہرا پھر کاشف کو دیکھا۔

''تم دس منٹ رکو...... میں تیار ہو کر آتا ہوں......'' وہ ڈرائنگ روم سے نکلا تو کاشف حیران ہوا۔ بہترین سوٹ پہنے ہوئے اس شخص کو مزید تیاری کی کیا ضرورت تھی۔ شاید وہ کپڑے بدل بدل کر مجھ پہ اپنا رعب جمانا چاہتا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ افروز آ گیا۔ اس نے شلوار قمیض کے اوپر ایک واسکٹ پہن رکھی تھی۔

''چلو......'' کاشف اٹھا اور جونہی افروز دروازے کی طرف گھوما کاشف کی نظر اس کی واسکٹ کے پچھلے حصے پہ گئی جہاں کڑھائی کیے ہوئے کچھ نمبرز لکھے تھے۔

''تم سوچ رہے ہوگے...... یہ نمبر کیسے ہیں...... افروز مسکرایا...... یہ بہت خاص نمبر ہیں...... اور میری زندگی بدلنے میں اس کا اسپیشل رول ہے۔

گاڑی ایک غریب علاقے کے پاس رُکی...... جہاں کلرک طبقے کے معمولی کوارٹر بنے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلے پہ ایک پارک تھا۔ جہاں کے جھولے ٹوٹے اور گھاس سوکھی ہوئی تھی۔ دونوں گاڑی سے اترے۔

''یہ اس شہر کا سب سے غریب علاقہ ہے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پہ ایک اچھی بیکری ہے۔ اُس روز دادی سے چرائے پیسے لیے میں اِدھر ہی آیا تھا۔ ہمارا گھر بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہے یہاں سے۔ ابھی میں باہر ہی کھڑا للچائی نظروں سے چیزوں کو گھور رہا تھا کہ ایک دس سالہ لڑکا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں بے خیالی میں اُس کی طرف متوجہ تھا۔ لڑکا کچھ پیسٹری کرید کر قیمت ادا کر رہا تھا لیکن کیشئر صاف انکار کر رہا تھا کہ اُسے بانڈ نہیں چاہیے...... اُسے نقد رقم چاہیے۔ لڑکا منت کر رہا تھا لیکن اُسے مسلسل انکار سننے کو مل رہا تھا۔ تب وہ مایوس ہو کر باہر نکل آیا...... مجھے اس سے دلچسپی پیدا ہوگئی...... جانے کیوں میں اُس کے پیچھے ہولیا۔ دو تین جگہوں پر اُسے انکار ہوا تو وہ مایوسی سے فٹ پاتھ پر چلتا ہوا اس پارک کی طرف آیا۔ افروز کہانی سناتے سناتے فٹ پاتھ پر چل رہا تھا کہ پاؤں رستے میں پڑی کسی چیز سے ٹکرائے۔

''ارے دیکھ کر چلو۔'' کوئی نشئی بڑبڑایا......

''اُلو کے پٹھے یہ سونے کی جگہ ہے...... اندر پارک میں جا کر سو یہاں بینچ کے پاس کیوں پڑا ہے۔

''تجھے کیا...... اور میں سو تو نہیں رہا...... تیری کہانی سن رہا ہوں......''

''کہانی کے بچے...... اٹھ یہاں سے...... ہم اس بینچ پر بیٹھیں گے...... جا پارک میں جا کر سو جا...... ناکام کے نہ کاج کے...... بس کیڑوں کی طرح پڑے رہتے ہیں یا مانگ تانگ کر گزارہ کرتے ہیں......''

وہ مدقوق سا آدمی بکتا جھکتا پارک کے اندر چلا گیا۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا...... وہ لڑکا مایوس سا اس پارک کے پاس فٹ پاتھ پر چلنے لگا اور عین اس بینچ کے پاس اس کی جیب سے کچھ گرا۔ میں پیچھے پیچھے تھا...... اور مجھے معلوم تھا وہ کیا ہے...... وہ تھوڑی آگے گیا تو میں نے وہ چیز اٹھالی...... وہ تہہ کیا ہوا وہی بانڈ تھا۔ شاید اُس کی جیب میں سوراخ تھا۔ میں نے کھول کر دیکھا، پچاس روپے والا بانڈ تھا۔ ایک لمحے کو خیال آیا کہ اس کو بلا کر واپس کر دوں لیکن پھر سوچ کر رُک گیا۔ وہ لڑکا جانے کہاں غائب ہوگیا۔ میں نے غور سے دیکھا یہ میری واسکٹ پر نمبر دیکھ رہے ہو۔ بالکل یہی نمبر تھے اس بانڈ پر...... میں

نے جیب میں رکھ لیا...... اور ساری رات خواب میں دیکھتا رہا کہ وہ بانڈ انعام کا حق دار ٹھہرا ہے...... اور مجھے لاکھوں روپے مل گئے ہیں اور جانتے ہو اگلی صبح میرا خواب سچ ہوگیا۔ میں اچانک ہی لاکھوں روپے کا مالک بن گیا۔ بانڈ کے مالک تو جانتے بھی نہ ہوں گے کہ بانڈ کے ساتھ کیا ہوا۔ تمہیں پتا ہے اکثر لوگ بانڈ لے کر رکھ لیتے ہیں۔ کئی کئی مہینوں تک کا نتیجہ ہی نہیں دیکھتے۔ مجھے پتا نہیں ان لوگوں کا کیا ہوا...... لیکن اس رات میری قسمت ضرور بدل گئی۔ میں نے بزنس شروع کر دیا۔ دو سے چار، چار سے چھ اور چھ سے دس ہوگئے۔ خوش قسمتی نے میرے قدم چومے اور آج میں شہر کا امیر ترین آدمی ہوں۔ میں ہر سال اسی دن ان نمبروں والی واکسٹ پہن کر اِدھر آتا ہوں...... کچھ دیر یہاں گزارتا ہوں اور پھر اپنی دولت مند دنیا میں لوٹ جاتا ہوں۔ ابھی اس نے اپنی کہانی ختم کی تھی کہ کوئی خونخوار جانور کی طرح جھپٹ کر اس کی گردن سے چمٹ گیا۔

''تو تم ہو وہ خطرناک بلا جس نے میری زندگی تباہ کر دی۔ مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا...... مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھے ماں باپ سے جدا کر کے بھیک مانگنے پہ مجبور کر دیا...... اور خود عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہو۔''

دونوں ششدر اور مدقوق شخص کو دیکھ رہے تھے۔ جس میں اس وقت اتنی طاقت جانے کہاں سے آ گئی تھی۔ دونوں اس وقت گنگ تھے۔

''تمہیں پتا ہے وہ دس سال کا لڑکا میں ہوں جس کی پتلون کی پھٹی جیب سے وہ بانڈ گرا تھا۔ جو اُس نے اپنی ماں کی الماری سے چرایا تھا......؟''

''تم......؟ افروز غصے میں کھڑا ہوگیا۔ کیا بک رہے ہو تم......؟''

''میں نے تمہاری کہانی سن لی ہے۔ میں ہی وہ بدقسمت ہوں...... وہ دن جہاں تمہارے لیے خوش بختی کی علامت بن کر آیا...... وہاں میری بد بختی کی داستان شروع ہوگئی۔ جو آج تک بھی ختم نہیں ہوئی......'' وہ آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور اُسے دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ بڑھاپے نے بہت جلدی اس کے در پر دستک دے دی تھی...... کہ وہ نشے کا عادی بیمار شخص لگ رہا تھا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے...... میں تم لوگوں کے منہ لگنا گوارا نہیں کرتا۔

غلیظ، منحوس آدمی...... افروز نے اُسے ٹھوکر ماری تو وہ دور جا گرا۔ کاشف نے حیرت سے افروز کی طرف دیکھا...... ٹھوکر کھا کر دور گرنے کے بعد بھی وہ شخص لڑکھڑاتا ہوا اُدھر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کی زندگی کے گزرے ماہ و سال زلزلے کی صورت لرز رہے تھے۔

''افروز...... پلیز...... مجھے اس کی کہانی سننے دو......'' کاشف التجائیہ انداز میں بولا۔ وہ شخص گرنے کے انداز میں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''میرا...... میرا نام اصغر ہے...... اس روز جو بانڈ میں اماں کی الماری سے چرا کر نکلا تھا۔ اس پہ میرا بھی حق ہے۔''

''کیوں تمہارا حق ہے...... تم بھی چور...... میں بھی چور...... تم نے وہ بانڈ اپنی ماں سے چرایا۔ میں نے تم سے چرالیا۔ پھر تمہارا حق کیسے ہوا۔

تم پاگل آدمی...... تم کیسے حق جتا رہے ہو اور تم کر بھی کیا سکتے ہو......؟''

افروز نے اتنا غصے میں کہا تھا کہ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے پلک جھپکتے میں اس شخص کو کرۂ ارض سے غائب کر دے۔ کاشف بڑی مشکل سے اُس کے اعصاب قابو میں کر رہا تھا۔

''اُس روز میں ماں باپ کی مار کے ڈر سے گھر نہیں گیا۔ یہاں بینچ پر بیٹھا روتا رہا۔ روتے روتے جانے کیسے آنکھ لگ گئی۔ شاید اس لیے کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے لیکن جب اُس نیند سے جاگا تو ایک تنگ و تاریک کمرے میں تھا۔ جہاں اور بھی درجنوں بچے تھے۔ جنہیں دیکھ کر میری چیخ نکل گئی...... لیکن سرخ سرخ آنکھوں والے ایک جلاد کی شکل والے آدمی کو دیکھ کر میں اتنا خوفزدہ ہو گیا کہ چیخوں کو اندر ہی دبا لیا۔ تب مجھے پتا چلا کہ وہ بھیک منگوں کا سرغنہ ہے۔ اسی طرح مختلف شہروں سے بچوں کو اغوا کرتا ہے اور بھیک منگواتا ہے۔ جو نہ مانے اُسے ٹانگ یا بازو سے محروم ہونا پڑتا ہے تاکہ اُس کے پاس کوئی چوائس نہ رہے۔ وہ پتا نہیں کون سا شہر تھا لیکن میرا شہر نہیں تھا۔ باقی بچے بھی دوسرے شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔ ہماری باقاعدہ نگرانی کی جاتی تھی۔ سارے دن کی کمائی چھین لیتے۔ کھانے پینے کو ناکافی غذا دیتے۔ پہننے کو پھٹے پرانے کپڑے کہ یہ ہمارے کام کے لیے موزوں ترین تھے۔ میں ہاتھ اور پاؤں تڑوانے کے خوف سے خاموشی سے ان کی بات مان گیا۔ دن رات کی محنت...... ناکافی خوراک اور بے رحم موسموں کی شدت نے ہمیں وقت سے پہلے ہی جوان اور جوان سے بوڑھا کر دیا۔ ہمیں نشے کی عادت بھی ڈال دی گئی۔ تاکہ ہم مکمل طور پر ان کے محتاج رہیں۔ میں دس برس کی عمر سے گھر سے نکلا یہ پچیس سال کیسے گزرے۔ یہ آنسو اور آہوں کی الگ داستان ہے۔ مجھے پڑھنے کا بے شوق تھا۔ اخبار بیچنے پہ لگا دیا۔ تاکہ اخبار کے پردے میں بھیک مانگ سکوں۔ میں نظر بچا کر پورا اخبار چٹ کر جاتا۔ اماں اور ابا کو یاد کر کے روتا۔ اماں اور ابا کی حالت کا سوچ کر روتا کہ میرے گم ہو جانے سے ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ روزانہ پچھتاوا گھیرے رکھتا۔ کیا تھا اگر میں گھر چلا جاتا۔ مار کھا لیتا لیکن اس نے سائے تلے تو رہتا۔ گھریلو زندگی تو گزارتا لیکن اب کیا کر سکتا تھا۔ آج میں پینتیس برس کا ہوں۔ لیکن یوں لگتا ہے موت کی دہلیز پہ کھڑا ہوں۔ نشے نے کھوکھلا کر دیا۔ کسی کام کا نہ رہا تو ایک دن سرغنہ یہاں پھینک گیا۔ دھندلی دھندلی یادیں تھیں اس پارک کے بارے میں ...... اور اس بیکری کو میں کیسے بھول سکتا ہوں...... شہر اتنا بدل گیا کہ اپنا گھر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملا۔ پتا نہیں ماں باپ کہاں ہیں۔ گھر کہاں ہے۔ وہ زندہ بھی ہیں یا مر کھپ گئے۔ آج دو روز سے بھوکا ہوں۔ سردی سے جسم برف بنا ہوا ہے۔ اتنا تو حق ہے نا میرا کہ مجھے دو وقت کا کھانا کھلا دو...... ایک سوئٹر ہی خرید دو...... میرے بانڈ کی وجہ سے اتنا تو فرض بنتا ہے نا آپ پہ......؟

اُس کی آنکھوں میں التجا کے ساتھ ساتھ آنسو بھی تھے۔ بے شمار سوالوں کی ان تھک تکلیفوں اور مسافتوں کے گہرے نشان تھے۔

''بکواس مت کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے...... جانے کہاں کہاں سے آ جاتے ہیں، مفت خورے...... پیسے بٹورنے کے لیے کوئی ڈرامے کرنا ان سے سیکھے۔ چلو کاشف...... ورنہ یہ منحوس اپنی نحوست کا سایہ......

کاشف کا دل کانپ گیا۔ اُس نے دیکھا جیسے وہ پتھر کے بت کی مانند وہیں جم گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جانے کیا تھا...... کاشف چاہتا بھی تو اُسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ہزار کا نوٹ نکالا اور افروز کی نظر سے بچا کر اس کی جھولی میں ڈال دیا۔ اس کا دل بری طرح لرز

رہا تھا۔ جب زمین پہ رہنے والا انسان خدا بنتا ہے تو خدا جانے کیسے اس کی رسی دراز کر دیتا ہے۔ وہ جھوٹ بھی کہہ رہا تھا تو افروز اُسے یوں دھتکارنے کا کیا حق رکھتا تھا۔ افروز اتنا سنگدل، جابر اور مغرور کیوں ہو گیا تھا۔

کاشف سارا راستہ چپ بیٹھا رہا...... دل پہ ان کہا بوجھ تھا۔ اور زبان پہ استغفار وہ خوفزدہ تھا...... عذاب الٰہی سے، خدا کے قہر سے خوفزدہ۔

اچانک کار کو زور سے بریک لگی۔

''پتا نہیں ٹریفک رُکی ہے۔ شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کم بخت سڑکوں کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔

''بھائی کیا ہوا ہے آگے...... کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے......؟'' کاشف نے کسی راہ گیر سے پوچھا۔

''ہاں تھا کوئی امیرزادہ...... اپنے ساتھیوں کے ساتھ گاڑی کی ریس ہو رہی تھی۔

بڑی بڑی گاڑیوں کی نمائش...... یہ تو ہونا ہی تھا۔ سڑکوں کو اپنی جاگیر سمجھ رکھا ہے......'' راہ گیر نے افروز کا جملہ ہی دہرایا تو کاشف نے بے اختیار افروز کی طرف دیکھا لیکن اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ نظریں کہیں جمی تھیں۔

''یہ...... یہ تو شہروز کی گاڑی ہے کاشف...... میں نے اُس کی پچھلی سالگرہ پر دی تھی۔ اور باقی گاڑیاں اس کے دوستوں...... وہ جملہ روک کر تیر کی طرح باہر نکلا...... کاشف بھی پیچھے تھا...... ایمبولینس آ گئی تھی...... عملہ شہروز کی لاش کو اندر ڈال رہا تھا۔ دوستوں میں زیادہ تر زخمی تھے۔ ان کے لیے بھی انتظام ہو رہا تھا لیکن افروز ساکت کھڑا بس دیکھتے جا رہا تھا۔ اس کے قدم زمین سے جم گئے تھے اور زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ وہ سخت شاک میں تھا۔ اس شاک کو اس کے موبائل کی بیل نے توڑا۔ اُس نے ٹرانس کی حالت میں موبائل جیب سے نکالا اور آن کر کے کان سے لگا لیا۔ اُدھر ہونے والی گفتگو سن کر اس کے ہاتھ سے موبائل گر گیا اس نے خالی نظروں سے کاشف کی طرف دیکھا۔

کس کا فون تھا......؟ افروز کچھ بولنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔

افروز کس کا فون تھا۔ کاشف نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''ن...... نیلم کا فون تھا۔ ش...... شہلا...... شہلا...... اس کی زبان جیسے لکنت زدہ ہو گئی تھی۔

'کیا...... کیا ہوا شہلا کو......؟ وہ چیخا۔

''شہلا نے فراز سے کورٹ میرج کر لی ہے...... اور گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ سارا زیور بھی ساتھ لے گئی ہے......''

کاشف نے لرزتے جسم کے ساتھ بے اختیار آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور پھر اس کی آنکھیں اس خالق کون و مکان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئیں۔ نظروں میں اچانک اصغر کا عبرت ناک سراپا لہرایا۔ اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آج خدا کی لاٹھی بے آواز نہیں ہوئی۔ اس کی رسی اتنی دراز بھی نہیں تھی۔ آج اُس کا جلال یوں جوش میں آیا تھا کہ قہر بن کر افروز پہ ٹوٹا تھا۔ سچ کہتے ہیں کسی غریب اور مسکین کا صبر اتنا نہ آزماؤ کہ اُس کی دعاؤں کی پہنچ آسمانوں تک ہوتی ہے...... اپنے اچھے وقتوں میں اپنا قد آسمانوں سے اونچا کرنے کی کوشش بری طرح زمیں پہ پٹخ دیتی ہے۔ پرخچے اڑا دیتی ہے۔ تقدیر کی زنجیر ایسی ہی ہے۔ کبھی تو آسانی سے کھل جاتی ہے اور کبھی بے رحمی سے جکڑ لیتی ہے۔ نصیب کے کھیل بھی کتنے عجیب ہیں، کبھی صدیوں پہ محیط اور کبھی لمحوں میں ختم...... پتا نہیں یہ کھیل ہیں یا مذاق......؟''

☆☆......☆☆

بڑے وہ ہیں

آپ کی مرضی پیسہ آپ کا ہے پھینک دیں یا آگ لگا دیں۔ یہ کیسی باتیں کر ہی ہوں اپنی بہنوں اور ان کے بچوں پر خرچ کرنا انہیں تحائف دینا پیسوں کو آگ لگانا ہے۔ افضل نے سوالیہ نگاہوں سے زینی کو گھورتے ہو کہا۔ جی نہیں یہ تو عین ثواب اور فریضہ اوّل ہے۔" لہجے میں زہر......

لائٹ کا آنا جان اور یہ شدید گرمی اس پر نندوں کی آمد اور ان کی دعوت کا اہتمام بھی

اپنے دوستوں کے والد بھی دیکھیں ہیں کس طرح اپنی بیویوں کا خیال کرتے ہیں اور یہاں

ہمارے میاں صاحب کو آج ہی کرانا تھا۔'' زینی کچن میں بریانی تیار کرتے ہوئے اپنے غصے کا برملا اظہار کر رہی تھی۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔ اُسے تو شوہر کے خاندان کی طرف سے گزرتی ہوا سے بھی دشمنی تھی۔ موبائل پر سہیلیوں سے بات ہو یا کسی محفل میں ملاقات سسرال کے رشتے داروں کی برائیاں تنقید و تبصرہ ہی موضوع بحث ہوتا۔

''مما کچھ کھانے کے لیے ہے؟ ارسلان نے زینی کے قریب آ کر پوچھا۔

''ہاں ہے نا میری جان...... تم بھی کھاؤ اور اپنے پاپا کو بھی کھلاؤ۔''

او ہو مما! آپ تو ہمیشہ غصے میں رہتی ہیں۔ کبھی پیار سے بات ہی نہیں کرتیں۔ میرے فرینڈز کی مدرز کو دیکھیے کتنی سویٹ اور نائیس ہیں۔ ایسا لڑنے والا رویہ نہیں ہوتا ان کا۔'' ارسلان نے بھی بغیر لحاظ کیے سب کچھ کہہ دیا۔

ارسلان نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا اور جواب سنے بغیر دوڑتا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔

''ارسلان کے بچے ادھر آؤ میں تمہیں ٹھیک کروں۔ زینی غصے میں ارسلان کے پیچھے بھاگی لیکن وہ گیٹ سے باہر جا چکا تھا۔

''زینی میں سوچ رہا ہوں اس مرتبہ ونیزہ اور عینی کو بھی تم شاپنگ کرا دو اور بچوں کی شاپنگ بھی ضرور کروا دینا۔ کیوں ٹھیک ہے نا میرا خیال۔'' افضل نے زینی کی تائید چاہی۔

آپ کی مرضی پیسہ آپ کا ہے پھینک دیں یا آگ لگا دیں۔ یہ کیسی باتیں کر رہی ہوں اپنی بہنوں اور ان کے بچوں پر خرچ کرنا انہیں تحائف دینا پیسوں کو آگ لگانا ہے۔ افضل نے سوالیہ نگاہوں سے زینی کو گھورتے ہو کہا۔

میاں صاحب کی فرمانبرداری اور ان کے خاندان کی خاطر داری کرنے کے بعد بھی زندگی کا سکھ اور خوشی نہیں ملی۔'' زینی نے جوابی حملہ کیا۔ آپ بھی تو ہر ویک اینڈ پر ماموں جان کے گھر پہنچ جاتی ہیں۔ اور بڑی اور چھوٹی خالہ جان بھی آ جاتی ہیں۔ دو دو فیملی لیکن ممانی جان تو آپ کی طرح غصہ نہیں کرتیں بلکہ سب کی پسند کے کھانے بناتی ہیں اور ہم سب سے پیار سے ملتی ہیں۔''

''اچھا! اب اپنی ممانی کی تعریفوں کے پُل نہ باندھو۔ ان کی ہمت ہے غصہ کرنے کی ہم اپنے بھائی کے گھر جاتے ہیں۔ ہم بہنوں کا حق ہے تمہاری ممانی کون ہوتی ہیں۔ ہم بہن بھائیوں کے بیچ آنے والی۔''

تو پھر یہ ہی اصول آپ کو دوسری طرف بھی رکھنا چاہیے مما کہ پھوپھو اور پاپا بھی تو بہن بھائی ہیں ان کے درمیان آپ کیوں آ جاتی ہیں۔''

جی نہیں یہ تو عین ثواب اور فریضہ اوّل ہے۔'' لہجے میں زہر اور آنکھوں میں قہر تھا۔

زینی بیگم اللہ تعالیٰ نے عزیز اقارب کا بھی حق رکھا ہے۔

بالکل پورے کرتے رہیے عزیزوں اور رشتے داروں کے حقوق، اس نے افضل کی طرف ناگواری سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے تمہارے حقوق پورے کرنے میں کون سی کمی چھوڑی ہے کیوں اس قدر تلخ ہو رہی ہو۔ اللہ نے صاحب حیثیت بنایا ہے۔ ربتہ بڑا دیا ہے تو دل بھی بڑا رکھو۔ اپنا ظرف اور دل وسیع رکھو۔

''اچھا! صاحب دل اور وسیع القلب صاحب مجھے شوق نہیں ہے اس قسم کے اعزازات جمع کرنا کا میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں۔'' زینی اپنی

روایتی ڈھٹائی پر اتر آئی۔ ہم بھی کس بحث میں پڑ گئے ہیں۔ میں آپ کو ایسی زبردست قسم کی چیز دکھاؤں گی کہ آپ کا موڈ اے ون ہو جائے گا۔

کیسی چیز......؟ پھر کسی شاپنگ گالا یا رعایتی سیل سے شاپنگ کر لی؟؟

نہیں پاپا یہ سب چیزیں بڑے ماموں جان نے تحفے میں ہیں۔'' ارسلان اپنا فٹ بال لیے زینی اور افضل کی گفتگو میں شریک ہو گیا۔

میں بحث میں الجھ کر آپ کو یہ سب تحفے دکھانا بھول گئی۔ یہ دیکھیں کتنے زبردست سوٹ ہیں۔ ہم سب کے اور یہ میرا نیکلس سیٹ ہے خالص سونے کا بھائی جان نے ہم بہنو کے لیے آرڈر پر بنوایا ہے اور یہ کیش رقم ہے تاکہ ہم بہنیں اپنی پسند کے فریج اور اے سی خرید سکیں۔''

زینی کے چہرے پر خوشی اور فخر کے رنگ چمک رہے تھے۔

''کیوں دیا ہے یہ سب کچھ بھائی جان نے؟''

کیوں کا کیا مطلب ہے ہم بہنیں ہے ان کی کمائی پر حق ہے ہمارا، بھائی جان کی پروموشن ہوئی ہے اسی خوشی میں یہ سب کچھ ہم بہنوں کو دیا ہے۔

''واہ بہت خوب۔''

''جی ہاں! میرے بھائی جان واقعی بہت خوب ہیں۔''

زینی نے برے ناز سے افضل کی تعریف کا جواب دیا۔ جی نہیں بہت خوب آپ کی بھابی ہیں سلام ہے ان کی عظمت کو۔

یہ بھابی صاحبہ کی عظمت آپ کو کہاں سے نظر آ گئی۔ زینی افضل پر برس پڑی۔''

آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ بھائی جان نے اتنا کچھ دیا ہے۔

بھائی جان کا تو یہ یقین ہے کہ جو بھائی بہنوں کو خوش رکھتے ہیں۔ انہیں تحفے دیتے ہیں۔ وہ خوشحالی اور ترقی پاتے ہیں۔''

چلیے آپ کے بھائی کا یقین تو سمجھ میں آ گیا۔ پھر بھی ایک بات ہے کہ تمہاری بھابی کا دل بہت بڑا ہے کہ تمہارے بھائی جان کا یہ تحفے دینا دیکھ کر بھی ان کے ماتھے پر ایک شکن بھی نہیں آتی۔

''ماتھے پر شکن کیوں آئے گی ہمارا بھائی ہے خون کا رشتہ ہے اور بڑا دل تو بھائی جان کا ہے۔ جنہوں نے اس غریب گھرانے کی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر کے بلائے جان بنا لیا ہے۔'' زینی کے اندر کی حاکمیت اس کے لہجے میں بول پڑی۔

اور افضل گہری سوچ میں کھو گیا اور زینی کو یہ خاموشی بھی برداشت نہ ہوئی۔

''آپ خاموش کیوں ہیں جواب تو دیجیے کیا سوچ رہے ہیں......؟؟''

میں سوچ رہا ہوں کاش میری بہنیں بھی میرے بارے میں ایسی ہی تعریفیں کر سکتیں وہ بھی میرے دیے گئے قیمتی تحفے اور زیورات اپنے شوہروں کو دکھا کر میری محبت کے قصیدے پڑھتیں اور اپنی بھابی کے بارے میں زہر فشانی کر سکتیں۔

''افضل آپ بھی نا بڑے وہ ہیں۔'' زینی نے بڑے ناز سے اور ادا سے اپنی باہیں افضل کے گلے میں ڈال دیں۔

''جی! ہاں میڈم میں صرف اور صرف آپ کا ہی 'وہ' ہوں اور کسی کا اب کچھ بھی نہیں ہوں کچھ بھی نہیں۔''

زینی کا قہقہہ بلند ہوا افضل کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ جس میں پوشیدہ طنز زینی کی سمجھ اور عقل سے بلند تر تھا۔

☆☆......☆☆

صفیہ سلطانہ مغل

مجھے کیا برا تھا مرنا

ادھر کامران نے ہمارا Galax سیٹ اٹھالیا۔ یہ آج سے میرا ہوا۔ ہم (کسمسا کر رہ گئے) اچھا تھا کہ ہم مرنے سے پہلے سارا ڈیٹا Delete کر دیتے۔ اب یہ سب کو Tweet کرے گا۔ IMO اور وائبر پر ہماری PIC بنا کر اپ لوڈ کرے گا۔ اور کہے گا......

دوستو! آپ کو یہ تو پتا ہے کہ ہم 'انسان' ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اور وصف بھی رکھتے ہیں۔ (اگر آپ کو ہمارے انسان ہونے پر شبہ ہے تو ہوا کرے) یعنی انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ہم شاعر، ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار، کالم نگار وغیرہ وغیرہ بھی ہیں۔ (یہ خصوصی وصف ہمیں ورثے میں ملا ہے چونکہ ایک قدامت پرست گھرانے سے تعلق ہے سو ہمیں بھی صوفیانہ، ناصحانہ، عاشقانہ، باغیانہ اور مردانہ قسم کے اشعار بہت پسند تھے۔)

(ہمارے مجموعہ کلام میں آدھا کلام مردانہ ہے، باقی کا پتا نہیں کہ وہ کلام ہے بھی یا نہیں۔)

خیر جناب غالب، مومن، درد جگر مرادی، آتش سے لے کر امجد اسلام امجد' اور وصی شاہ اور استاد قمر جلالوی کے 'موت' کے عنوان پر لکھے ہوئے اشعار از حد پسند تھے۔ اس معاملے میں استاد قمر جلالوی ہمارے روحانی استاد بن گئے، اُن کا یہ شعر تو ہمیں بے حد پسند تھا۔

چین سے سو رہا تھا میں اوڑھے کفن مزار میں
یہاں بھی ستانے آ گئے کس نے پتا بتا دیا

(لو جناب اس دور میں وہ ہوتے تو ہم انہیں بتاتے کہ انہوں نے Google سے پتا لے لیا ہوگا)

قارئین ہمیں مرنے مارنے کے شعر از خود اچھے لگنے لگے۔ کیونکہ زندگی سے زیادہ 'موت' میں ورائٹی ہے۔ محبوب کا قبر پر آنا، پھول چڑھانا، اپنے ہاتھ فاتحہ کے لیے اٹھانا، دو آنسو بہانا...... اور تو اور زندگی میں اگر آپ کو خط کا جواب نہ ملے تو آپ کے مرنے کے بعد 'جواب' آ ہی جائے گا بقول شاعر

چلا رہا ہے گورِ غریباں پہ نامہ بر
کس کس کو انتظار تھا خط کے جواب کا

(بھئی یہ ڈاکیہ بہت اچھا ہے کہ خط لے کر قبرستان جا پہنچا...... ویل ڈن ڈاکیہ صاحب)

ہاں تو ہم بات کر رہے تھے موت کی...... کہ ہمارا جی چاہنے لگا کہ ہم مرجائیں۔ مگر ایک شاعر

نے ہمیں ہولا کے رکھ دیا۔
اب گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
شِٹ، صد افسوس، یعنی اس کے بعد تو کوئی اوپشن ہی نہیں ہے لیکن چونکہ ہم مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جنہوں نے معمولی کنیزوں کی خاطر اپنے ابا جان سے پھینٹی لگوائی۔ جنگ پر جانے سے انکار کردیا۔ تخت و تاج چھوڑ کر بوریا نشین ہوگئے۔

چونکہ ہم مغلیہ خاندان کے آخری چشم و چراغ ہیں سو ہم نے اُن کی آن بان رکھنے کے لیے آخر 'موت' کی آغوش میں جانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ اور کچھ قدرت نے ہماری مدد کی۔

قصہ کوتاہ یہ کہ ہم علیل ہوگئے۔ علیل بھی ایسے کہ ایامِ زیست قلیل لگنے لگے۔ ہم بستر علالت بلکہ بستر فراغت پر نیم دراز تھے (نیم دراز اس لیے کہ ہمارے اردگرد رکھے ہوئے تکیے ہمارے دراز ہونے میں مانع تھے۔ ایک جانب کتابوں کا ڈھیر، تو دوسری جانب ہمارے نامکمل افسانے اور ادھوری غزلیں دھری تھیں۔ بھئی بہت فنٹاسٹک بیماری تھی، ہم لب مرگ تھے)
غالب یاد آگئے
الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
(یہ الگ بات ہے کہ زمانہ طالب علمی میں ہم اسے وہ والی اُلٹی سمجھتے رہے)

گھر والے ہماری تیمارداری کر کر کے عاجز آچکے تھے۔ مگر آفرین ہے کہ ہمارے سامنے کبھی حرفِ شکایت زباں پر آیا ہو۔ ہاں دوسرے کمرے میں جاکر ضرور بھڑاس نکالتے تھے۔
(''یا اللہ، تو صفیہ کو صحت دے یا......) اس 'یا' کے بعد کیا تھا ہم رو دیتے تھے۔ چلیے آیئے میں ان کرداروں سے آپ کو ملواؤں۔

یہ ہمارے بھائی ہیں جاوید احمد (اکلوتے ہیں) یہ موصوف کراچی میں اپنی PIA کی اچھی بھلی ملازمت کو داغِ مفارقت دے کر ہماری تیمارداری کو آن پہنچے تھے۔ حالانکہ یہی بھیا ہمیں دوستوں کی آمد پر ناکوں چنے چبواتے تھے۔ (ہماری مغلیہ ناک اس کی کبھی متحمل نہیں ہوئی) اب یہی بھیا دوڑ دوڑ کر اور بدل بدل کر ڈاکٹروں کو لاتے اور واپس لے جاتے تھے۔ اور ہمیں 'گڑیا رانی' کہتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔

یہ کامران ہے ہمارا چچازاد بھائی، کرکٹ کا دلدادہ، اب بے چارہ اپنے میچز چھوڑ ہماری دواؤں کے نسخے بغل میں دبائے میڈیکل اسٹورز کے چکر لگاتا تھا (اور Bill میں حسبِ توفیق اپنا منافع بھی کمار ہاتھا)

پاپا جی ان کا تو نہ ہی پوچھیں اتنے ظالم، سنگدل، جابر اور سخت گیر، پڑھاکو باپ آج تک نہیں دیکھا، ہر وقت لیکچر...... کتابیں، رٹا، ٹیسٹ، ریاضی، الجبرا...... اُف ہم ان سے بے حد عاجز تھے۔ اب یہی پاپا محبت اور شفقت کا عظیم منبع تھے۔ کیونکہ جونہی ہم کامران کے ساتھ کیرم بورڈ یا لڈو کی بازی لگاتے، پاپا عزرائیل کی طرح سر پر نازل، چلو کامران امی کو مسالا لا کر دو۔ احد ہمیں لگتا کہ وہ یہ مسالہ ہماری بڑی بڑی آنکھوں میں بھرنے کے لیے منگوار ہے ہیں۔

اب پاپا نے ہمیں رضیہ بٹ کے پرانے ناول اور زمر نعیم، نسیم نیازی کے تازہ ترین ناول لاکر دیے۔ پروین شاکر، ادا جعفری سے لے کر ثمینہ گل تک کے مجموعہ کلام عطا کیے۔ تاکہ ہمارا دل لگا رہے اور بیماری سے دھیان ہٹا رہے۔

کامران بھی اپنے کرکٹ کی سرگرمیوں سے قطع تعلق کر کے ہمارے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا۔ ہمارے سرہانے رکھی ہوئی فروٹ باسکٹ خالی ہوتی رہتی۔ اس اثناء میں وہ ہمیں نظر نہیں آتا تھا۔ وہ ان پھلوں پر ہاتھ صاف اور منہ گندا کر رہا ہوتا تھا۔

جناب یہ ہماری باجی 'صدیقہ' ہیں۔ یہ اپنے آپ کو شاعرہ، افسانہ نگار، کہانی کار سمجھتی ہیں۔ سچی کہانیاں اور دوشیزہ میں دو چار کہانیاں کیا لگ گئیں کہ خود کو شمع حفیظ سمجھنے لگیں۔ خیر جناب طالب علمی کے زمانے میں ہمیں بھی شاعری کا شوق ہوا۔ جب یہ شوق عشق کی شکل اختیار کر گیا تو ہم ایک دن کاغذ قلم لے کر باجی کے کمرے میں چلے گئے۔ جہاں مشقِ سخن جاری تھی۔ ہم نے لاڈ سے اپنے بازوان کے گلے میں حمائل کیے۔ وہ کسی غزل کا چربہ کر رہی تھیں۔ بے چاری اس افتاد کے لیے تیار نہ تھیں۔

ہٹاؤ اپنے ہاتھ اور بتاؤ کیوں آئی ہو۔ تمہیں پتا نہیں یہ 'آمد' کا وقت ہے۔ باجی...... باجی...... ہمیں بھی شاعری کا شوق ہوا ہے آپ ہمیں بھی شعر لکھنا سکھادیں ہم نے شعر کو 'شیر' کہہ دیا تھا وہ عظیم شاعرہ تڑپ اٹھیں۔ شیر نہیں 'شعر' کہو انہوں نے ع پر زور دیا۔ اور تم شعر سیکھو گی۔ دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا کہیں بخار تو نہیں دماغ پر چڑھ گیا۔ کیا اول فول بک رہی ہو۔ ہنہ یہ منہ اور مسور کی دال...... گیٹ آؤٹ (اتنی انگریزی تو آتی تھی) خیر ہم نے جو دوڑ لگائی تو باورچی خانے میں جا کر بریک لگائے جہاں سوئے اتفاق امی مسور کی دال پکا رہی تھیں۔ (یہ دال کا آٹھواں دن تھا) کیا ہوا...... کیوں ہانپ رہی ہو۔ پہلے تو ہم نے سانسوں کا ردھم برابر کیا۔ پھر پوچھا امی جان، آج باجی نے ہمارے منہ کو مسور کی دال کہا ہے۔

ہم نے سمجھا کہ امی ہماری چٹاچٹ بلائیں لیں گی۔ وہ دال میں لہسن کا تڑکا لگا رہی تھیں۔ انہوں نے کہنے کی بجائے ہمیں ایسی نظروں سے دیکھا کہ ہم سمجھ گئے۔ بچپن میں چیچک کے داغوں کی وجہ سے ہمارا چہرہ 'مسور کی دال' ہو گیا تھا۔

اب یہی صدیقہ باجی اپنے عینک کے عدسوں پر دوپٹے سے وائپر لگاتی رہتی تھیں۔ شاید مگرمچھ کے آنسو تھے۔ دوپٹا بھیگ جاتا تھا مگر آنسو نہ تھمتے۔

اب رہ گئیں امی جان...... انتہائی سخت گیر امی جان۔ وہ اپنی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھیں۔ حالانکہ ان کی ناک پر کافی جگہ تھی۔ ان کی گود میں ہمیشہ ہمارا سر رہتا تھا اور وہ سورۃ یٰسین کے علاوہ ہر صورت پڑھ کر دم کرتی تھیں (یٰسین شریف جاں کنی کے لیے چھوڑ رکھی تھی)

قارئین ہماری بیماری کسی صورت 'ضدی بچے' کی طرح جان چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ امی نے کچن کا سارا کام چچی جان کے سپرد کر دیا تھا۔ لیکن بار بار باورچی خانے کے چکر لگتے تھے کہ کہیں چچی گھی نہ انڈیل دیں ہانڈی میں، یا چانپ کی بوٹیاں اپنے بیٹوں کے لیے نہ نکال لیں۔

قصہ مختصر یہ کہ طبیبوں نے جواب دے دیا۔ میڈیکل اسٹورز پر تالے لگ گئے۔ ATM نے پیسے اگلنے سے انکار کر دیا۔ گھر والے کنگال ہو گئے۔ ابھی یہ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ IMF یا ورلڈ بینک سے قرضے کے لیے کاسہ پھیلائیں مگر فرشتۂ اجل نے انہیں اس ذلت سے بچالیا۔ ہم اس دنیا کو خیرآباد کہہ کر عالمِ بالا کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ بھیا جاوید کے دوستوں اور محلے کے لڑکوں نے مل کر ایسا اتحاد اور ریسکیو کا مظاہرہ کیا۔

صوفے محلے والوں کے گھر پہنچا دیے۔ بیڈ

فولڈ کر کے اسٹور میں رکھوا دیے۔ فروٹ غائب کر دیے گئے، گھر کا قیمتی سامان نقصان اور چوری کے اندیشے کے پیشِ نظر الماریوں میں لاک کر دیے گئے۔ میک اپ کا سامان ڈریسنگ ٹیبل سے ہٹا کر چھپا دیا گیا۔ غرض یہ کہ اچھا خاصا گھر چٹیل میدان بن گیا۔ محلے والوں نے بڑی یگانگت کا ثبوت دیا۔ گرمی کی وجہ سے برف کے کٹورے آ گئے۔ پیڈسٹل فین بجھوا دیے گئے۔ دریاں بچھ گئیں سپارے لا کھ رکھ دیے گئے (ہم تیاریوں پر مسکرانے لگے)

ہمارا خیال تھا کہ ہماری موت کی تصدیق ہوتے ہی گھر میں کہرام بپا ہو جائے گا۔ محلے کے لوگ غم سے نڈھال ہوں گے۔ رشتہ داروں کو ٹرین میں سیٹیں ملنا محال ہوں گی۔ (شاید ایک خصوصی ٹرین چلائی جائے) گھر والے غش کھا کھا کر اِدھر اُدھر گریں گے۔ بھائی دیوار سے ٹکریں لگائے گا، کامران بیڈ سے ٹیک لگا کر روئے گا، پاپا بے حال ہوں گے، باجی صدمے سے چُورا چُورا ہوں گی۔ اور امی ...... ہائے امی کا کیا حال ہو گا...... مگر لیجیے سب سے پہلی آواز امی کی تھی۔

''اف توبہ، میرا تو گھٹنا ہی دہرا ہو گیا۔ بھئی میں ذرا اپنی ٹانگیں سیدھی کر لوں (ہم نے سوچا واقعی آپ کی عمر تھی ٹانگیں سیدھی کرنے کی)

پاپا! بھئی جاوید تم یہ سارے رسالے کتابیں وغیرہ لائبریری میں واپس دے آؤ موت کا گھر ہے، اِدھر اُدھر نہ ہو جائیں۔ اِدھر کامران نے ہمارا Galaxy سیٹ اٹھا لیا۔ یہ آج سے میرا ہوا۔ ہم (کسمسا کر رہ گئے) اچھا تھا کہ ہم مرنے سے پہلے سارا ڈیٹا Delete کر دیتے۔ اب یہ سب کو Tweet کرے گا۔ IMO اور وائبر پر ہماری PIC بنا کر اپ لوڈ کرے گا۔ اور کہے گا۔

صدیقہ آپی میں نے مرحومہ کے لیے دو سپارے پڑھ لیے ہیں ثواب پہنچا دینا (کم بخت نے 4-4 صفحے چھوڑ کر پڑھے ہوں گے۔ ہر جگہ ڈنڈی مارتا ہے)

یہ جاوید بھائی تھے...... باجی...... باقی ...... میرے دوست صفیہ کی تعزیت کے لیے آئے ہیں پلیز 5-4 کپ دودھ پتی بنا کر بھجوا دیں۔ اور ہاں اگر کچھ لوازمات (زہر نہ بھجوا دیں)

کامران نے کہا۔ باجی صدیقہ...... آپی کی دوائیں لا لا کر ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں (کاش تمہاری ٹانگیں سچ مچ ٹوٹ جاتیں)۔ (کفن کے اندر اسے کوسا)

چچی جان منہ پر دوپٹا رکھ کر رونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یکا یک خیال آیا تو اپنے سپوتوں کو گلے سے بھینچ کر کہنے لگیں کہ دیکھو بریانی آئے تو شرمانا بالکل نہیں۔ اچھی اچھی ران کی بوٹیاں نکال کر کھا لینا۔

(ہمارا جی چاہا کہ ان کی بوٹی بوٹی کر دیں) کیونکہ وہ ہمارے ادھورے افسانوں اور نامکمل غزلوں کے پلندے سے کاغذ کی کشتیاں اور جہاز بنا رہے تھے۔

باجی صدیقہ، بہت غمگین فلاسفر کا Look دے رہی تھیں انہوں نے اپنے موٹے عدسوں کی عینک اتار کر ترمزی لینس لگا دیے تھے۔ (آخر مہمانوں نے بھی آنا تھا)

اب ہم گھر والوں سے قطعی مایوس ہو چکے تھے۔ پڑوسیوں کا بہت حق ہوتا ہے۔ خواتین مارے جوش کے اتنی شدید گرمی میں بھی، جوق در جوق آنا شروع ہو گئیں۔ کشور آنٹی برابر والے گھر میں رہتی تھیں۔ اپنے چار سالہ گڈو کو گود سے پٹختے ہوئے بولیں۔ اتنی گرمی میں یہاں بیٹھا ہے کم بخت باہر جا کر مر...... کھانا آئے گا تو بلوا لوں گی۔ گڈو کے

جانے کے بعد انہوں نے رنجیدہ شکل بنالی...... بھئی صدیقہ بتول آپا (امی) نظر نہیں آرہی ہیں۔

بس آنٹی امی کا غم ہی ایسا ہے۔ جب سے ہوش نہیں آرہا۔ ڈاکٹر نے آرام کا انجکشن لگایا ہے۔ (جھوٹ) وہ ٹانگیں سیدھی کررہی تھیں)

ہاں بھئی (ایک اور خاتون نے لقمہ دیا۔ جوان جہان موت سے اللہ بچائے۔ بڑی نیک سیرت بچی تھی۔ کبھی کسی غیر مرد کا منہ دیکھا) ۔(ہمارا جی چاہا کہ اُن کی خوش گمانی پر انہیں چوم لیں اب انہیں کیا پتا کہ ہم فیس بک پر کتنے مردوں' کو دیکھتے ہیں اور ان کی پروفائل پکچر کو Like کرتے ہیں۔ ہماری فیس بک فرینڈز میں مفتی منیب الرحمان سے لے کر ہمایوں سعید اور بھارت میں دلیپ کمار سے لے کر سونو نگم اور عمران ہاشمی تک ایڈ ہیں۔ خیر مفتی منیب الرحمان سے تو ہم اب تک کنوارے رہ جانے پر اجر وثواب کے فتوے لیتے رہتے تھے۔ یا رمضان کے چاند کا کنفرم کرتے تھے۔ یہاں ہمیں اعتراض تھا کہ جب سے TV پر چاند کا بتایا جانے لگا، محلے کے چاندوں نے چھت پر آنا چھوڑ دیا۔ اب وہ اسکائپ پر ایک دوسرے کو'چاند' بھیجتے تھے۔

ہمایوں سعید نے ہماری فرینڈ ریکویسٹ کبھی اوکے نہیں کی۔ دلیپ کمار تائب ہو چکے ہیں جبکہ عمران ہاشمی نے تو ایک بار ہمیں فلائنگ Kiss کا سائن بھی بھیج دیا۔

پہلے تو ہم شرمائے، پھر ہم نے انہیں لکھا کہ '' آپ ہمارے چھوٹے بھائی جیسے ہیں۔'' تو بدتمیز فٹ سے Reply کرتا ہے کہ ہم نے بھی آپ کو 'آپا' سمجھ کر بھیجا ہے۔

صابرہ پھوپو ہمارے بائیں جانب رہتی تھیں۔ انہوں نے ہمسائیگی کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں بہ مشکل دو آنسو کشید کر ہی لیے۔ کہنے لگیں۔ صفیہ بڑی معصوم تھی ذرا چالاکی نہیں تھی اس میں دوسری خاتون جو خائف تھیں کہنے لگیں میں تو سمجھ رہی تھی بڑی شاطر ہے (شاید وہ شاطر کی بجائے شاعر کہنے لگی تھیں)

صابرہ پھوپی نے اُن کی بات بڑے جوش سے کاٹی......اب یہی دیکھ لو، بے چاری ایک دن میرے پاس آئی تو کہنے لگی۔ پھوپی جان آج کڑھی پکا رہی ہوں مگر بیسن کم ہوگیا ہے آپ تھوڑا سا بیسن دیدیں۔ میں نے بیسن میں چاولوں کا آٹا ملا کر دے دیا۔ اور سوچا کیا عمدہ کڑھی بنے گی۔ مگر کیا ہوا کہ ایک گھنٹے بعد وہ بڑا سا باؤل بھر کر کڑھی لے آئی۔ تو میں تو دل میں بے حد شرمندہ، بس تب ہی سے میں سمجھ گئی۔

(اب ہم کفن کے اندر کسمسا کر رہ گئے۔ ہم نے سوچا پھوپی صابرہ کتنی اچھی ہیں ہماری تعریف تو کی۔ جبکہ ہم تو انہیں عید بقرعید پر دو بوٹیاں اور آٹھ ہڈیاں دیتے تھے۔ اگر ہم اس سال بقرعید تک زندہ رہتے تو انہیں ایک سالم ران ضرور بھیجتے کیونکہ ہم نے انہیں کڑھی کا وہ باؤل دیا تھا جس میں مکھی گر گئی تھی۔ (یا اللہ اس گناہِ صغیرہ پر ہمیں معاف کرنا)

ابھی ہماری تعریفوں کا سلسلہ شرروع ہوا تھا کہ واپڈا والوں کو پتا چل گیا۔ انہوں نے احتجاجاً لائٹ بند کردی۔ باجی بے چاری ڈھونڈ ڈھانڈ کر دو تین ہاتھ کے پنکھے لے آئیں۔ ایک خاتون چراغ پا ہوگئیں۔ ارے صدیقہ جنریٹر چلواؤ نا۔ باجی بے چاری ایسی شرمندہ ہوئیں جیسے اُن پر کسی نے گھڑوں پانی ڈال دیا ہو۔ جنریٹر تو نہیں ہے۔

اے لو اتنی بڑی لیکچرار اور گھر میں جنریٹر تک نہیں۔

آنٹی یو پی ایس جو ہے۔ مگر کل سے چارج نہیں ہوسکا۔

ایک اور خاتون کو زیادہ ہی گرمی لگ رہی تھی۔ گھبرا کر بولیں۔ آئے ہائے گرمی میں تو کسی کو مرنا ہی نہیں چاہیے اور وہ بھی رمضان میں......
اب افطاری تک بیٹھنا پڑے گا۔ (کھانے کے لیے) (ہم نے دل میں کہا لوگ تو رمضان میں مرنے کی دعا مانگتے ہیں) امی کی سہیلی حق دوستی ادا کرتے ہوئے بولیں۔

میں تو خدا لگتی کہتی ہوں اعمال جیسے بھی تھے۔ جائے گی سیدھا جنت میں (ان کا یہ فتویٰ سُن کر ہمارا جی چاہا کہ اُٹھ کر بے بی تیری چٹیاں کلائیاں پہ ناچنا شروع کر دیں مگر کچھ امر مانع تھے کہ ایک تو کفن ادھ سلا ہے۔ ہمارا امیج خراب ہو جائے گا۔ آنگن ٹیڑھا ہے تیسرے یہ کہ نہ تو ہماری کلائیاں چٹیاں ہیں نہ ہم بے بی ہیں بلکہ بے بی کھلانے کی عمر سے بھی تجاوز کر گئے ہیں۔ دل چاہا بتول آنٹی کو گلے لگا لیں۔ بھئی جنت میں جانے کا شارٹ کٹ دے دیا۔ سوچا ہم یہ فضول حرکت کیں تو ایسا نہ ہو کہ فرشتے جنت میں لے جانے کے بجائے جہنم رسید کر دیں اور یوں یہ حسرت رہ جائے قدرت نے ہمیں گولڈن چانس دیا تھا۔ واہ جی کیا فنٹاسٹک ماحول ہوگا۔ خوبصورت سے غلمان حسین حوریں، انواع واقسام کے میوے، اور تو اور سنا ہے وہاں شراب بھی حلال ہوگی۔ بھئی موجاں ئی موجاں)

پھر بتول آپا کو اچانک یاد آیا امی کا گھٹنا ہلا کر بولیں۔ اے بتول، ذکیہ (چھوٹی بہن) کراچی سے آ رہی ہے۔ امی نے گرلا کر کہا۔ اے کہاں بے چاری آسکے گی۔ شدید گرمی لمبا سفر، روزے پھر عید سر پر، جاوید کو کہہ دیا ہے اسکائپ پر ساری کارروائی دکھا دے (یاہو...... ہم کفن کے اندر چلائے۔ مطلب یہ کہ ہمارے جنازے کے ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ بھی جائے گا۔

چل ساتھ کہ مسرت دل محروم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

جاوید بھائی کاش عہد نامے کے بجائے لیپ ٹاپ رکھ دیں۔ بھئی دوستوں سے رابطہ تو رہے گا۔ محلے کی عورتیں ہماری گنی چنی تعریفیں کر کے تھک گئیں۔ تو آپس میں لگیں غیبتیں کرنے۔

اب ہم ان سب سے مایوس ہو گئے۔ ہمیں آخری انتظار تھا۔ اپنے اسٹاف اور کولیگز کا جو ہماری سچی قدر دان ہیں۔ ہماری ہونہار طالبات......

اُف کالج میں تو تین دن کے لیے کلاسز بند ہو گئی ہوں گی۔ ہونا بھی چاہئیں ہمارے جیسی عالم فاضل پروفیسر اس صدی میں دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتی۔

خیر جناب سینڈلوں کی کھٹ پٹ ہوئی۔ خوشبوؤں کے جھونکے، دبی دبی سسکیاں یہ میڈم شاہدہ کا ہدایت نامہ تھا۔ ان سب کو گیٹ پر کھڑے ہو کر دیا۔

بھئی شہلا تم نے ابھی سے رونا شروع کر دیا، یار تو پہلی بات فوت ہوئی اور تم...... (مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا) اور دیکھو اب ان کا روئے سخن اس سال نئی لیکچرز کی طرف تھا۔

عفصہ، شبانہ، صدف، فرحانہ بھئی دیکھو تم لوگ نیو کمرز ہو۔ تو تم لوگوں کو زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے بس جب اُسے اٹھانے لگیں تو تھوڑا سا رو لینا۔ اور ہاں یاسمین تم نے درود شریف کی تسبیح اور 15 سپارے پڑھے تھے وہ بخش دینا۔ اور ہاں اب آپ سب لوگ گلیسرین میں بھیگے ہوئے رومال نکال لو۔ اس محفل میں سب سے زیادہ یہ ہم سب کو غمگین نظر آنا ہے۔

سب سے زیادہ مس ناہید راجپوت جذباتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ آ کر باجی صدیقہ سے جذباتی انداز سے لپٹ گئیں۔ باجی اس اچانک حملے کے

لیے تیار نہیں تھیں۔ وہ مس ناہید سمیت ہم پر گرنے لگیں۔ (مرے پہ سو دُرے اور سہی) صد شکر کہ اللہ نے بچالیا۔ مس شہنیلا انگریزی کی لیکچرار تھیں مگر اردو ہم سے اچھی بولتی تھیں۔ صدیقہ باجی، اچھا ہے اس بہانے آپ سے ملاقات تو ہوئی، بھئی شادی غمی کے موقع پر ہی تو اعزاو اقربا و جدم عالی قدم ملتے ہیں (ہم زندہ ہوتے تو شہنیلا کی اس اردوئے معلیٰ پر غش کھا جاتے)

بھئی پس ندیات نظر نہیں آرہیں، مس شاہین کو تنکر و تانیث کا بے حد خیال رہتا تھا۔ مس امبرین نے ابتدا کی ء ہمارے سرہائے آئیں ہمارے چہرے پہ سے کفن سرکایا اور مصرع داغا۔ (پرانا شعر)

یہ نیا لباس کیسا یہ کہاں کے ہیں ارادے

(لو جی اب کفن پہن کر ہم کسی فنکشن میں تو جانے سے رہے۔ ظاہر ہے شہر خموشاں جارہے ہیں۔ اُن کی لاعلمی پر ہمیں بے حد افسوس ہوا)

مس حمیرا ساہ اردو سندھی لہجے میں بولتی ہیں وہ گویا ہوئیں۔

گلی ہم نے کہی تھی، تم تو دنیا چھوڑے جاتے ہو

(لو جی جب اس گلی میں نہیں جانا تو دنیا میں رہ کر کیا کرنا) دونوں ایک ساتھ چھوڑ دیں۔ واؤ ...... ثناشہ (ہماری شاگرد بھی اور اب لیکچرر بھی) صدیقہ باجی میم کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔ اسکن تو دیکھیں کتنی شائن کر رہی ہے۔ کیا آپ نے فیشل بھی کروایا ہے) (ہمیں ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی ...... فٹے منہ۔ یہ لوگ کیا سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ تو ہمارے چہرے پر نور آیا ہوا ہے دنیا والے اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔

ہماری کولیگز نے بھی جانے کے لیے پَر تولے۔ مگر ان سب کو ایک ضروری بات یاد آ گئی۔ میڈم شاہدہ بھئی تم لوگ سب سوئم میں کیا پہنو گے۔ یاسمین مستوئی، سندھی کی لیکچرار ہماری پیاری دوست گویا ہوئیں۔

بھئی میں تو یہاں آتے ہوئے اپنا سوٹ درزی کو دیتی ہوئی آئی ہوں دعا کرو کہ سوئم تک سل جائے کیونکہ آج کل درزیوں کے بہت نخرے ہیں سوئم تک کپڑے چہلم تک سی کر دیتے ہیں۔ ان سب نے ہاتھ اٹھائے دعا کے لیے۔

(میری مغفرت کے لیے نہیں بلکہ یاسمین (خوش لباس) کے سوٹ کے لیے کہ وہ سوئم تک سل جائے)

اِدھر ایک اور لیکچرر گویا ہوئیں۔ ایسا کریں گے کہ کل لڑکیوں سے قرآن خوانی کروالیں گے اور بعد میں ایک تعزیتی اجلاس رکھ لیتے ہیں۔ صفیہ نے مجموعہ کلام میں اپنے مرنے پر جتنی نظمیں لکھی ہیں تم سب کو ایک ایک صفحہ پھاڑ کر دے دوں گی۔ لو آج صفیہ مر گئی۔ میں پڑھ لوں گی (چالاک) سمجھ لو ایک مشاعرہ ہو جائے گا۔ مرحومہ کو ثواب بھی ملے گا۔

☆......☆......☆

یہاں ہماری مغفرت کی فکر کس کو تھی۔ لیجیے کھانا آچکا تھا۔ دیگیں کھڑک رہی تھیں۔ پلیٹیں پٹخی جارہی تھیں۔ کف گیر اور چمچ کھنک رہے تھے۔ اور ہم اندر ہی اندر چیخ رہے تھے۔

بعد مرنے کے میرے کیا ہوگا

پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

ہم ان ہی تفکرات میں غلطاں و پیچاں تھے اور غالب کے اس خیال کے ایک سو دس فیصد متفق۔

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا

نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

☆☆......☆☆......☆☆

اسماء اعوان

نعت رسول ﷺ مقبول

میں حضور کی ادنیٰ کنیز ہوں
میری دن و دنیا سنور گئی
میں دعا کروں صراط مستقیم ہو میری رہ گزر
میرے صبح و شام ہوں یوں ہی بسر
کہ میرے لبوں پر ہو نامِ محمدؐ
میرے سینے میں ہو نام خدا
میرے سجدوں میں ہے یہ التجا
کہ مجھے ملیں میرے مصطفےٰ
میں حضورؐ کی ادنیٰ کنیز ہوں
مجھے دنیا سے کوئی نسبت نہیں
میں حضورؐ کی ادنیٰ کنیز ہوں

شاعرہ: مسز نگہت غفار۔ کراچی

اقوالِ حضرت علیؓ

☆ جو شخص کوئی چیز دے کر جتلاتا ہے اس کے احسان میں کچھ لطف نہیں ہوتا۔

☆ میں جنت کے شوق میں عبادت نہیں کرتا کہ یہ عبادت نہیں تجارت ہے میں دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا کہ یہ عبادت نہیں غلامی ہے۔ میں صرف اس لیے عبادت کرتا ہوں کہ میرا رب عبادت کے لائق ہے۔

☆ برباد شخص فحش نہیں بکتا اور شریف آدمی کو وحشت میں نہیں ڈالتا۔

☆ تقدیر پر راضی رہنے پر غم دور ہو جاتے ہیں۔

☆ زیادہ مذاق کرنا گویا ایک ایسی جدائی ہے کہ جس کے بعد کینہ اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

مرسلہ: معصومہ رضا۔ گلستان جوہر۔ کراچی

انار کا رس

انار کا رس دل کے لیے ٹانک ہے۔ کینسر سے بچاتا ہے۔ سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انار کے دانوں میں پیٹ کی اضافی چربی کم کرنے کی صلاحیت ہے اور اس کا استعمال بلڈ پریشر کو بھی کم کرتا ہے۔

مرسلہ: گل رعنا۔ کراچی

پیر صاحب

ایک پیر صاحب کے بارے میں حسب ذیل واقعہ علامہ اقبال نے ڈاکٹر امیر الدین کو سنایا تھا انہوں نے کہا۔ یہ پیر صاحب میرے مہمان تھے ان سے ملنے کے لیے ان کا کوئی مرید بھی یہاں آ گیا۔ یہ ایک خستہ حال غریب گوجر تھا۔ مٹی سے اٹے ہوئے پاؤں میلی کچیلی دھوتی اندر آ کر اس نے پیر صاحب کے ہاتھ چومے، فرش پر بیٹھ کر 'ڈب' سے چاندی کے دو روپے نکالے اور پیر صاحب کی نذر کر دیے۔ پیر صاحب نے پوچھا تو مرید بولا۔ چھاؤنی سے چل کر آیا ہوں' حال بہت

پتلا ہے گائے مرگئی ہے۔ دو سو روپے کا قرض سر پر ہے، دعا کریں پروردگار میری مشکل آسان کر دے۔''

پیر صاحب کے ساتھ مرید نے اور علی بخش نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے میں حقہ پیتا رہا۔ پیر صاحب نے مجھ سے پوچھا آپ دعا کے قائل نہیں ہیں۔ میں نے کہا میں دعا کا بڑا قائل ہوں لیکن میری دعا آپ کی دعا سے ٹکرا جاتی تھی۔ آپ کا مرید پہلے دو سو روپے کا مقروض تھا اب دو سو دو روپے کا ہو گیا ہے۔ یعنی قرض مزید بڑھ گیا۔ واپسی پر تانگے کا کرایہ دے گا' اس کی تو دہاڑی بھی ضائع ہوگی آپ کو تو چاہیے تھا کہ اس کی مدد کرتے کچھ اپنے پاس سے دیتے اور محنت کی تلقین کرتے۔ پیر صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

مرسلہ: یاسمین اقبال۔ سنگھ پورہ۔ لاہور

کیا دیا محبت نے

اپنے دل سے اگر نکال مجھے
تو کسی اور دکھ میں ڈال مجھے
سچ کہو کیا دیا محبت نے
تم کو بے چینیاں ملال مجھے
بے ثباتی نے خوب شور کیا
جب بھی آیا تیرا خیال مجھے
اس میں تیرا قصور کچھ بھی نہیں
راس آیا نہیں وصال مجھے

شاعر: کامی شاہ۔ پسند: صبوحی کاظمی۔ کلفٹن کراچی

ہائے رے سادگی

پٹھان ایک پارٹی میں گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہچکچاتے ہوئے ایک لڑکی سے پوچھا۔ ''کیا آپ ڈانس کریں گی۔'' لڑکی فوراً اپنی کرسی سے کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔ ''ہاں کروں گی۔''

پٹھان خوش ہو کر بولا۔ ''تو باجی پھر میں آپ کی کرسی لے لوں۔''

مرسلہ: احسن رضا۔ اسلام آباد

دولت سے

عینک تو خرید سکتے ہیں، بینائی نہیں
دوائی تو خرید سکتے ہیں، محبت نہیں
اچھا لباس تو خرید سکتے ہیں، شخصیت نہیں
نرم و نازک بستر تو خرید سکتے ہیں، میٹھی نیند نہیں
خوشامد تو خرید سکتے ہیں، حقیقی پیار نہیں
جواہرات تو خرید سکتے ہیں، حسن نہیں
کرسی تو خرید سکتے ہیں، مگر دل سے گئی عزت نہیں

مرسلہ: ماہین خاور۔ سیالکوٹ

بے عزتی

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔ آج میرے پڑوسی نے میری بڑی بے عزتی کی۔

وہ کیسے......؟

وہ مجھ سے پوچھنے لگا تمہیں گانا آتا ہے؟

اس میں بے عزتی کی کیا بات ہے؟

''لیکن اس نے کافی دیر تک میرا گانا سننے کے بعد یہ سوال کیا تھا۔

مرسلہ: شبانہ نسیم۔ خانیوال

دردِ دل

پھولوں کی طرح زخم سب ہم نے سجا لیے
ہر درد میں تمہاری قسم...... مسکرا لیے!
روح کی زمیں اس قدر زرخیز تھی کہ خود
خالی جہاں جگہ ملی کانٹے اگا لیے!
جو نیم جان ہوئی تو پھر احباب نے میرے
قبل از وقت نام کے کتبے بنا لیے!
کوئی مسیحا ہاتھ میرے واسطے نہیں
میں نے دیے شعور کے پھر کیوں جلا لیے!

شاعرہ: خولہ عرفان۔ لاہور

کنجوس

ایک کنجوس آدمی کے گھر بجلی کا میٹر لگا۔ ایک ماہ بعد جب میٹر ریڈنگ کے لیے ریڈر آیا تو اسے بہت حیرت ہوئی کیونکہ صرف ایک ہی یونٹ چلا تھا۔ اس نے کنجوس سے پوچھا۔

''کیا آپ بجلی استعمال نہیں کرتے......؟''

جی کرتے ہیں لیکن اس وقت جب لالٹین تلاش کرنی ہوتی ہے کنجوس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

مرسلہ: زریں زبیر کوٹھاری۔ کراچی

خوبصورت باتیں

میں آج تک اپنی خاموشی پر نہیں پچھتاتا جب بھی پچھتایا ہوں اپنے بولنے پر پچھتایا ہوں۔ (شیخ سعدی)

اتنا میٹھا نہ بنو کہ لوگ نچوڑ لیں اور اتنا کڑوا بھی نہ بنو کے لوگ تھوک دیں۔ (عربی ادب)

کینہ رکھنے سے اپنے ہی دل کے زخم ہرے ہوتے ہیں۔ (بیکن)

دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح اور سب سے آسان دوسروں پر نکتہ چینی ہے (ٹالسٹائی)

کوئی کیسا ہی اچھا ہو، بروں کی صحبت اسے برا بنا دیتی ہے۔ (حضرت خواجہ معین الدین)

مرسلہ: ندیا مسعود۔ کراچی

شکوہ

ہم نے تو خیر تجھ سے شکایت کبھی نہ کی
ایسا نہیں کہ دل نے بغاوت کبھی نہ کی
چاہا ہے میں نے جس کو بڑی شدتوں کے ساتھ
اس طرح اس نے مجھ سے محبت کبھی نہ کی
اک آگ تھی کہ جلتے رہے جس میں عمر بھر
اک درد تھا کہ جس میں خیانت کبھی نہ کی

شاعر: (اعتبار ساجد) پسند: رقیہ یوسف۔ ڈسکہ

فراڈ

گداگیروں کے متعلق یہ فرض کر لینا درست نہ ہوگا کہ سب ہی فراڈ ہوتے ہیں بعض کی مجبوریاں پیدائشی ہوتی ہیں۔ ابھی کل ہی ایک لڑکا معصوم صورت گلے میں تختی لٹکائے آیا جس پر لکھا تھا میں گونگا بہرہ ہوں، راہ مولا میری مدد کیجیے۔ ہم نے ایک روپیہ دیا اور چمکار کر پوچھا۔ ''برخوردار کب سے گونگے بہرے ہو؟ بولا۔ ''جی میں پیدائشی ہوں۔

ابن انشاء کی خمارِ گندم سے اقتباس

انتخاب: افشاں رضا۔ اسلام آباد

سوال

طنزیہ لہجہ
منافق دل
جھوٹے وعدے
لفظوں کے جال
اور دلوں سے کھیلنے کا فن
اے ابنِ آدم
کیا تو واقعی
اشرف المخلوقات ہے

پسند: نیلم اسلم۔ کراچی

دیہاتی کی دعا

ایک دیہاتی کو مولوی صاحب نے بتایا۔ ''افطار کے وقت جو بھی دعا کرو قبول ہوتی ہے۔'' پہلے روزے کی افطاری کے وقت دیہاتی نے دعا مانگی۔

''یا اللہ صبح عید ہو جائے۔''

مرسلہ: سید شبیر رضوی۔ لندن

تلخ وشیریں

☆ اپنے مسائل پر غور کرنے کے لیے تنہائی ضروری ہے اگر آپ کو تنہائی میسر نہ ہو تو دوستوں سے اپنے مسائل کا تفصیلی ذکر شروع کر دیجیے۔ جلد ہی آپ کو تنہائی مل جائے گی۔

☆ جب عورت کسی مرد کی تعریف کرتی ہے تو وہ اُسے باتونی ہونے کا طعنہ نہیں دیتا۔

☆ کتاب انسان کی بہترین دوست ہے۔ مگر احمقوں کو بہترین دوست کی تلاش نہیں ہوتی۔

مرسلہ: ریحانہ مجاہد۔ کراچی

وہ

کبھی وہ اپنی کبھی اجنبی سی لگتی ہے
پرائی دوست ہے لیکن نئی سی لگتی ہے
جمال ایسا کہ لگتی نہیں کمی کوئی
کمال ایسا کہ خود میں کمی سی لگتی ہے
وہ چاند تو نہیں لیکن مشاہدہ ہے یہ ہی
اسی کے چار طرف چاندنی سی لگتی ہے
میں اب تلک اُسے حیران ہو کے تکتا ہوں
وہ اب تک مجھے جادوگری سی لگتی ہے
یہ کیا ہے جس کے سراپے میں کھو گئے جاوید
وہ جس کی بات سدا ان کہی سی لگتی ہے

شاعر: عبداللہ جاوید

پسند: شہزادا انصاری۔ کوئٹہ

یہ سچ ہے کہ......

☆ کبھی کبھی مرنے کے لیے زہر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حساس انسانوں کو تو رویے ہی مار دیتے ہیں۔ اور یہ موت بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔

☆ بعض رشتوں کو برقرار رکھنا انہیں توڑ دینے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

☆ اللہ کی عبادت کرنے والے لوگوں کو دکھ دے سکتے ہیں۔ لیکن اللہ سے محبت کرنے والے کبھی دکھ نہیں دیتے۔

مرسلہ: شازیہ مسعود۔ ملتان

دل کی بات

اوروں کے سنگ خوش خوش رہتا ہے
مجھ سے اکھڑا اکھڑا سا
دل کی بات کروں کس سے؟
ہر بات میری اک دکھڑا سا
شعر میرے کچھ ایسے ہی ہیں
کوئی نوحہ کوئی مکھڑا سا
درد ہے میرے دل کے اندر
چہرہ نکھرا نکھرا......سا
دل اب خوش ہوتا ہی نہیں
رہتا ہے اجڑا اجڑا سا

شاعرہ رضوانہ کوثر۔ لاہور

راج نیتی

دنیا میں صرف وہ قوم راج کرتی ہے۔
جو دلیل سے قائل ہو جاتی ہے۔
جو عذر کو قبول کر لیتی ہو۔
جو اختلافِ رائے کو محفل کا حُسن گردانتی ہو۔
جو تحقیق کی مداح ہو۔
جو تجربے کو ہمدم و ہم نشین رکھتی ہو۔
جو سر پہ عزّتِ نفس کا کلہ باندھتی ہو۔
جو کوشش کے جوتے پاؤں سے لپٹائے رکھتی ہو۔
جو قانون کو زیور کی طرح عزیز رکھتی ہو۔
جو مذہب کی مشعل ہاتھ میں لے کر چلتی ہو۔
جو ہر دفاع کو سوچنے اور ہر ہاتھ کو مثبت کام کرنے کی آزادی دیتی ہو۔
جو جید لوگوں کو حکمران رکھتی ہو۔

افشین شاہ۔ حیدرآباد

☆☆......☆☆

لولی وڈ بولی وڈ

ڈی۔ خان

رانی مکھر جی، امید سے......

رانی مکھر جی کے فینز یہ خبر سن کر خوش ہوں گے کہ رانی مکھر جی ماں بننے والی ہیں۔ گزشتہ سال اس

نے نہایت خاموشی سے یش چوپڑہ کے بڑے بیٹے آدتیہ چوپڑہ سے شادی کرلی تھی اوراس خبر کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا لیکن اب ان دونوں کے گھر آنے والے نئے مہمان کی خبر کو پوشیدہ رکھنا شاید ان کے بس میں نہیں رہا تب ہی تو ساری میڈیا میں یہ نیوز بڑی شد مد کے ساتھ گردش کررہی ہے۔

امیتابھ بچن 102 پر ناٹ آؤٹ

قارئین یہ کوئی کرکٹ کی خبر نہیں بلکہ امیتابھ بچن کی ایک ایسی فلم کا ذکر ہے جس میں انہیں ایک ایسے
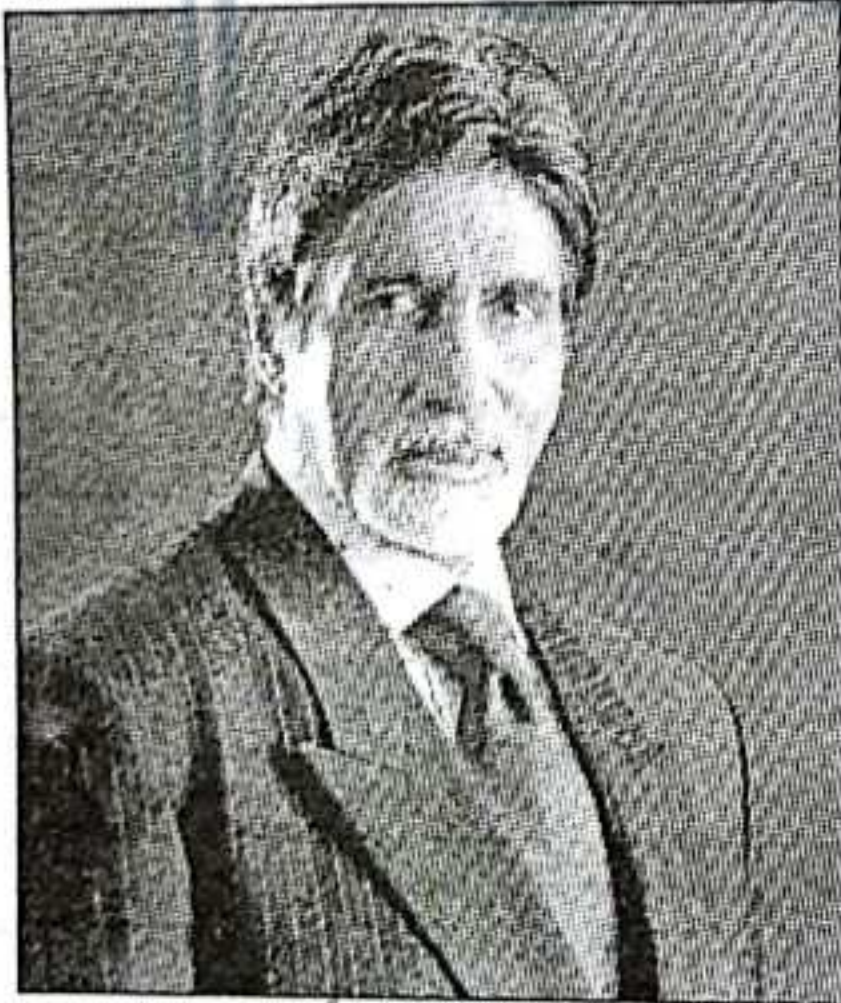
بوڑھے شخص کا کردار ادا کرنا ہے جو سو سال سے

اوپر ہونے کے باوجود انرجیٹک اور زندگی سے بھرپور ہے فلم کا نام 102 ناٹ آوٹ ہے دیکھتے ہیں 73 سالہ امیتابھ اس پروجیکٹ پر کام کرنے کی حامی بھرتے بھی ہیں یا نہیں۔

کاجل کی ممتا

کاجل ایک بے پناہ محبت کرنے والی ذمہ دار ماں ہیں جو اپنے بچوں کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہے ورنہ

انتہائی عروج کے زمانے میں اپنے کیریر کو خیر آباد کہنا کوئی آسان بات نہیں لیکن کاجل نے اپنے دونوں بچوں کو فلمی دنیا کی چکا چوند پر فوقیت دے کر یہ ثابت کر دیا کہ بچوں سے زیادہ اس کے لیے کچھ اہم نہیں۔ پچھلے دنوں جب 'دل والے' کی شوٹنگ کے لیے کاجل بلغاریہ گئی تھی تو دونوں بچے اور ساسو ماں بھی اس کے ساتھ تھے لیکن پھر جب شوہر اجے نے شوٹنگ شروع ہونے پر بچوں کو واپس بلوا لیا تو کاجل کی بے چینی کو ہر کسی نے محسوس کیا۔

سنیل سیٹھی کی خوشی

اداکار سنیل شیٹھی اپنی بیٹی عطیہ شیٹھی کی پہلی فلم "ہیرو" کی ریلیز پر بہت اکسائیٹڈ ہیں وہ کہتے ہیں

کہ میں یقیناً خوش ہونے کے ساتھ ساتھ نروس بھی ہوں کیونکہ میں اس انڈسٹری میں 26 سال سے ہوں اور جانتا ہوں کہ جب آپ کی فلمیں نہیں چلتی تو کیسے کیسے الزامات اور خطابات دیے جاتے ہیں۔ میں اور عطیہ باپ بیٹی سے زیادہ فرینڈز ہیں۔ سلمان خان نے میری بیٹی کو لانچ کیا ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ عطیہ کو اس سے بہتر لانچنگ نہیں مل سکتی تھی جب میں نے سلمان خان کا شکریہ ادا کیا تو اس نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا پلیز ڈونٹ say تھینک یو۔

گلوکار آصف مہدی کی علالت

شہنشاہ غزل مہدی حسن کے صاحبزادے گلوکار آصف مہدی کو ان کے علاج کے لیے وزارت ثقافت کی جانب سے شرمیلا فاروقی صاحبہ نے دو

لاکھ روپے کا چیک دیا۔ آصف مہدی کے گردے

فیل ہو چکے ہیں۔ اور ان کا علاج کڈنی سینٹر میں چل رہا ہے۔

حمزہ علی عباسی کا فیصلہ

حمزہ علی عباسی اپنی فلم 'جوانی پھر نہیں آئے گی'' کے بارے میں اپنے بیان کی وضاحت کی ہے وہ کہتے

ہیں کہ جب میں نے یہ فلم سائن کی تھی تو یہ سو فیصد صاف ستھری مزاحیہ فلم تھی جب ان دو گانوں کو فلم میں شامل کیا جا رہا ہے تو جن پر مجھے اعتراض ہے تو سچویشن کچھ یوں تھی کہ سر پر تلوار لٹکا دی گئی تھی اس وقت واک آؤٹ کرتا تو میرے دوستوں کو وقت اور پیسے کا بھاری نقصان اٹھانا پڑتا لیکن جب فلم کا ٹریلر شروع ہوا اور متنازع گانوں کے نمونے دیکھے تو محسوس ہوا کہ یہ اچھا کام نہیں ہوا۔ بہر حال اب اپنے ضمیر کے مطابق میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ اگر یہ دونوں گانے شامل رہتے ہیں تو فلم کو پروموٹ نہیں کروں گا۔ اور اس کے لیے مجھ پر کوئی زور زبردستی نہیں کی جا سکتی۔

ماں اور بیٹی پھر سے فلموں میں

اپنے دور کی مشہور اور حسین ہیروئن نشو پاکستانی فلموں کے ری وایول پر کافی خوش ہیں اور سہیل

خان کی ''شور شرابہ'' کو سائن کرتے ہوئے انہوں نے اپنی خوشی کا بھی اظہار کیا مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی بیٹی اور جان ریمبو کی بیگم یعنی سابقہ مشہور ہیروئن صاحبہ نے بھی فلموں کے ری وایول سے متاثر ہوتے ہوئے ان میں انٹرسٹ ظاہر کیا ہے۔ دو جوان ہوتے ہوئے بیٹوں کی ماں ہونے کے ناطے وہ کم سن چنچل ہیروئن کے روپ میں تو نہیں آسکتیں ہاں البتہ انہوں نے اچھے اور پاور فل رول کرنے کی خواہش کا اظہار ضرور کیا ہے۔

☆☆......☆☆

نادیہ طارق

مٹن اسٹو

اجزاء

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
چھوٹی پیاز	ایک پاؤ
دہی	آدھا کپ
گھی	آدھا کپ
ثابت لال مرچ	دس عدد
ادرک (باریک کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
ثابت گرم مسالا	بقدر ضرورت
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	آدھا کپ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:

پیاز چھیل کر تھوڑے سے گھی میں تک کر علیحدہ کر رکھ لیں۔ باقی گھی میں گوشت، چابت گرم مسالہ، ثابت لال مرچیں، لہسن، ادرک، نمک اور تھوڑا پانی شامل کر کے ڈھانپ دیں اور پکائیں۔ ج گوشت گل جائے تو ٹماٹر، دہی اور پیاز ڈال کر بھون لیں۔ جب گھی اوپر نظر آنے لگے تو ایک چٹکی گرم مسالہ اور کٹا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر سرو کریں۔

شاہی مٹن گوشت

اجزاء

بکرے کا گوشت	ایک کلو
دہی	آدھا پاؤ
بادام	بیس گرام
پستے	دس گرام
تازہ کریم	سو گرام
گرم مسالہ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
جائفل، جاوتری پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک چوتھائی پیالی
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں)	ایک چوتھائی گٹھی
باریک کٹی ہوئی ادرک اور ہرا دھنیا	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:

پتیلی میں تیل گرم کر کے لہسن ادرک سنہری کر لیں اور اس میں گوشت ڈال کر رنگ تبدیل ہونے تک پکائیں۔ پھر اس میں ہرا دھنیا، گرم مسالہ، ہلدی، جائفل، جاوتری، لال مرچ، نمک دہی اور ایک پیالی پانی شامل کر کے ڈھکن ڈھانپ دیں اور پکنے کے لیے رکھ دیں۔ بادام اور پستے ابالیں اور چھلکا اتار کر باریک کاٹ لیں جب گوشت گل جائے تو اسے بھون لیں۔ اب اس میں بادام پستے اور کریم شامل کر کے بھونیں۔ پانی خشک ہو جائے اور تیل علیحدہ نظر آنے گے تو ڈش میں نکالیں، ادرک کی کاشوں اور ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

یخنی پلاؤ

اجزاء:

بکرے کا گوشت	ایک کلو
لہسن	ایک پوتھی
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
سونف	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
چاول باسمتی	ایک کلو
پیاز	دو عدد (باریک کاٹ لیں)
دہی	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	دو چائے کے چمچے
چھوٹی الائچی	چار عدد
ہری مرچ ثابت	چار عدد
کوکنگ آئل	ایک پیالی

ترکیب: ایک پتیلی میں دس پیالی پانی ڈال کر اس میں گوشت کے ساتھ بغیر چھلی لہسن کی پوتھی، ایک انچ ادرک کا ٹکڑا، ایک چائے کا چمچہ سونف، ایک چائے کا چمچہ ثابت دھنیا آدھا چائے کا چمچہ زیرہ شامل کر لیں۔ اس کے بعد ایک پتیلی میں آئل گرم کر کے اس میں پیاز براؤن کر لیں۔ آدھی پیاز نکال کر ٹشو پیپر کے اوپر پھیلا دیں اور باقی آدھی میں دہی، ہری مرچیں اور چھوٹی الائچی ڈال کر ہلکا سا بھون لیں۔ پھر اس میں گوشت شامل کر کے لہسن ادرک پیسٹ ڈالیں اور مزید دو تین منٹ تک بھونیں اس کے بعد یخنی کا پانی ڈال کر ڈھکن ڈھانپ دیں۔ جب یخنی میں ابال آ جائے تو چاول اور نمک شامل کر کے چلائیں اور قدرے تیز آنچ پر پکائیں۔ پھر جب پانی تقریباً خشک ہو جائے اور اس میں تھوڑی نمی رہ جائے تو تیز آنچ پر توے کے اوپر دم لگائیں۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہلکی آنچ کر دیں۔ پلاؤ دم پر آ جائے تو ڈش میں نکالیں اور تلی ہوئی پیاز سے گارنش کر کے پیش کریں۔

نہاری

اجزاء

بونگ کا گوشت	آدھا کلو
نلیاں	دو عدد
تیل	ایک کپ
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ادرک	ایک ٹکڑا
آٹا	ایک کپ
سونٹھ	ایک ٹکڑا
سونف	دو کھانے کے چمچ
لال مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
پیاز	دو عدد

ترکیب:
ایک پتیلی میں تیل گرم کریں اور اس میں پیاز گلابی ہونے تک فرائی کریں۔ پھر اس میں ململ کی پوٹلی اور گوشت ڈال کر فرائی کریں۔ یہاں تک کے گوشت کا پانی خشک ہو جائے۔ پھر نمک شامل کریں اور تقریباً ڈیڑھ جگ پانی شامل کر کے گلنے کے لیے رکھ دیں پہلے آنچ درمیانی رکھیں جب ابال آ جائے تو آنچ دھیمی کر دیں اور گوشت گلنے تک پکائیں پھر پوٹلی کو نچوڑ کر نکال لیں اور آٹے کو پانی میں مکس کر کے آہستہ آہستہ سالن مین شامل کریں اور چلاتی رہیں پھر گرم مسالہ تھوڑے پانی میں مکس کر کے ڈالیں اور پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ پکنے کے پندرہ منٹ بعد دھنیا، کٹی ہوئی ادرک اور کٹی ہوئی مرچوں سے گارنش کر کے پیش کریں۔

☆☆......☆☆

بیوٹی گائیڈ

حسین نظر آنا ہر عورت کا حق ہے اور اس کے لیے وہ بہت جتن بھی کرتی ہے
دوشیزہ کے قارئین کے لیے بیوٹی گائیڈ کی شکل میں خوبصورت تحفہ......

بالوں کی صحت اور حفاظت

لمبے اور گھنے بالوں کی آرزو ہر عورت کو ہوتی ہے۔اسی طرح مرد حضرات بھی اپنے بالوں کو سنوارنے اور انہیں جاذب نظر آنے کے لیے اتنی ہی توجہ صرف کرتے ہیں جتنی کہ عورتیں۔ اگر مناسب توجہ نہ دی جائے تو بالوں کی کئی بیماریاں

پیدا ہوسکتی ہیں جن کے نتیجے میں ہمارے بال نہ صرف گرنے لگتے ہیں بلکہ وقت سے پہلے سفید ہو جاتے ہیں۔ بال ہمیشہ وہی صحت مند ہوں گے جنہیں خوراک ملتی رہی ہو۔ یہ خوراک خون کی متوازن گردش سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

بالوں کی صحت کے لیے پروٹین بے انتہا ضروری ہیں۔ انڈے، کلیجی، گردے، گاجریں، پھل اور ہری سبزیاں کھاتے رہنے سے پروٹین خون میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔اس کے علاوہ مکھن، شہد، گوشت اور مچھلی وغیرہ بھی بالوں کی نشونما کے لیے بے حد ضروری ہیں۔آپ بالوں اور سر پر چاہیں ہزاروں چیزیں لگائیں، ان سے صرف وقتی طور پر فائدہ پہنچ سکتا ہے بالوں کی خاص خاص بیماریاں یہ ہیں۔

بالوں کا گرنا

مردوں اور عورتوں دونوں کو بال گرنے کی شکایت رہتی ہے سب سے پہلے تو آپ جان لیں کہ عام طور پر روزانہ 20 سے لے کر 100 بال گر جاتے ہیں اس لیے کہ ان بالوں کی عمر پوری ہو چکی ہوتی ہے۔ اور ان کی جگہ نئے بال نکل

آتے ہیں۔ اسی طرح یہ عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اگر نئے بالوں کے اُگنے کا عمل جاری نہ ہے تو لوگ بہت جلد گنجے ہو جائیں۔ انسان کے سر کے بالوں کی تعداد تقریباً ایک ملین ہے۔ اور بالوں کے بڑھنے کی رفتار ایک ہفتے میں ایک ملی میٹر ہوتی ہے۔

بالوں کی بہتر نشوونما کے لیے ہمیں ان کی جڑوں کو پکڑنا ہوگا کیونکہ ان کی صحت کا تعلق تازہ خون سے ہوتا ہے۔ اسی سے بالوں کو خوراک ملتی ہے۔ اگر بالوں کا سلسلہ خون سے کٹ جائے یا ان کی جڑوں میں خون کی قلت ہو جائے تو بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں اور جو بال بچ جاتے ہیں وہ بھی توانائی کھو بیٹھتے ہیں وجہ ظاہر ہے کہ آپ کی خوراک میں پروٹین کی کمی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ ایسی غذائیں استعمال کریں جس میں پروٹین کی مقدار زیادہ ہو۔ طویل مدت کی علالت اور بخار کے بعد بالوں کے گرنے کی رفتار کافی تیز ہو جاتی ہے مگر اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ بالوں کے گرنے کا یہ عمل عارضی ہوتا ہے اور کچھ عرصے بعد ہی بال دوبارہ اُگ آتے ہیں۔

زچگی کے بعد بھی بال گرنا سروع ہوا جاتے ہیں اور یہ ایک طرح کا وقتی یا عارضی گنجاپن نمودار ہوتا ہے مگر یہ بھی عارضی عمل ہے اور کچھ عرصے بعد بالوں کے گرنے کا عمل دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کے بال بھی تیزی سے گرتے ہیں۔ ذہنی تفکرات اور جسمانی تھکن بھی بالوں کی نشوونما پر اثر انداز ہو سکتی ہے مردوں کے گنجے پن کی ایک بڑی وجہ بھی ہے کہ انہیں خواتین کے مقابلے میں زیادہ تفکرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بال سفید ہونا

دھوپ میں بال سفید ہونا تو ایک محاورہ ہے لیکن آج کل وقت سے پہلے بال سفید ہونے کی شکایت عام ہوگئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ذہنی پریشانی، تفکرات یا اچانک صدمہ ہے۔

سکری یا بفا (Dandruf)

اسے بالوں کی خوبصورتی کا دشمن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کا نشان بھی نظر آئے تو علاج

کی طرف توجہ دیجیے ورنہ بالوں کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ بفا یا سکری ویسے تو چکنائی جمع ہوا جنے سے بڑھتی ہے لیکن یہ ایک چھوت کا مرض ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی کی کنگھی، برش، تولیہ یا اسکارف نہ استعمال کیا جائے اور نہ ہی کسی کے تکیے پر سر رکھا جائے۔ جلدی امراض کے ماہر اس کا بہتر علاج کر سکتے ہیں۔ آپ کیمسٹ سے سلفر سیلی، سائلک ٹائپ لوشن خرید لیں اور اس کے ساتھ ہی سکری کے لیے مخصوص شیمپو بھی لے لیں۔ یہ مرہم یا لوشن رات کو بالوں کی جڑوں میں لگا کر کسی صاف دھلے ہوئے کپڑے سے لپیٹ کر سو جائیں۔ صبح اٹھ کر اس مخصوص شیمپو سے بال دھو لیں لیکن اس کے ساتھ ہی برش، کنگھی اور سر پر استعمال ہونے والی ہر چیز تکیے کے غلاف سمیت دھو کر ڈیٹول یا کسی دوسرے جراثیم کش لوشن سے

صاف کرلیں۔

احتیاط اور علاج

بالوں کی حفاظت اور صحت کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس سلسلے میں کوئی غفلت نہ برتیں۔ ضروری نہیں کہ جب آپ کے بال کسی بھی انداز سے متاثر ہونا شروع ہوں تب ہی آپ

ان پر توجہ دیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایک نارمل اور صحت مند شخص کو بھی آنے والی بیماریوں سے بچنے کے لیے تھوڑی بہت احتیاط کر لینی چاہیے۔ ہم اس سلسلے میں کچھ احتیاطی تدابیریں درج کر رہے ہیں ان پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ کہ آپ کے بال گھنے، لمبے، خوبصورت اور چمکدار ہو جائیں گے بلکہ بہت سی بیماریوں کا خطرہ بھی ٹل جائے گا۔

بالوں کی صحت کے لیے پروٹین بے حد ضروری ہے اگر بالوں کو جلد مطلوبہ خوراک اور وٹامنز ملتے رہیں تو ان کی صحت برقرار رہتی ہے۔ اسی طرح بالوں کی صفائی بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ صحت مند بال اگر اچھی طرح دھوئیں جائیں تو ان میں خود بخود چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

بالوں کو دھونے کا طریقہ

اکثر اوقات اچھے بھلے صحت مند بال بھی دھونے پر نہیں چمکتے اس کے لیے اکثر خواتین بالوں کو ٹھیک طریقے سے صاف کرنا نہیں جانتیں۔ بالوں کو دھونے کے لیے اچھی قسم کا صابن یا شیمپو اور بہت سارا پانی درکار ہے کیونکہ تھوڑے پانی سے شیمپو یا صابن کے ذرات بالوں میں رہ جاتے ہیں اور یہ چیز بالوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

بالوں کو دھونے کے لیے کبھی خراب صابن استعمال نہ کریں۔ اکثر اوقات بھاری پانی کی وجہ سے یہ خراب صابن بالوں میں جم جاتا ہے اور انہیں تباہ کر دیتا ہے۔ خشک بالوں کے لیے کریم والے شیمپو، بے جان اور بے روح بالوں کے لیے انڈے والے شیمپو اور چکنے بالوں کے لیے مخصوص شیمپو ٹھیک رہتے ہیں۔ شیمپو کا انتخاب آپ اپنے بالوں کی مناسبت سے کر سکتی ہیں۔ شیمپو کرنے سے پہلے بالوں کو اچھی طرح دبا کر برش کریں یا پھر بالوں کو گیلا کر کے بالوں کی جڑوں یعنی جلد پر شیمپو لگائیں۔ پانی ہلکا گرم ہونا چاہیے۔ انگلیوں کی مدد سے شیمپو کو بالوں میں اچھی طرح ملیں، پھر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر ملتے ملتے بال دھولیں۔ جب شیمپو صاف ہو جائے تو دوسری بار شیمپو بالوں میں لگائیں اچھی طرح جھاگ پیدا کرنے کے بعد پوری طرح بال دھو کر نتھار لیں۔ یہ دوسرا شیمپو دراصل آپ کے بالوں میں چمک لائے گا۔ پہلا شیمپو تو اکثر اوقات چکنائی کی نذر ہو جاتا ہے۔

بالوں کو کتنی بار دھونا چاہیے؟ اس کا انحصار موسم، بالوں کی مخصوص قسم اور ان کی ساخت پر منحصر ہے لیکن چکنے یا میلے ہونے کا احساس کرنے سے قبل اپنے بالوں کو دھو ڈالیں۔ بالوں کو متواتر برش کرنے کی عادت اپنائیں یہ اک آسان اور دیر پا علاج ہے۔

☆☆......☆☆